مختصر سیرۃ الرسول ﷺ

تصنیف:
شیخ الاسلام الامام محمد بن عبد الوہاب

ترجمہ:
محمد خالد سیف

طارق اکیڈمی
پوسٹ بکس ۸۳۸ ○ فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر

سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف

شیخ الاسلام الامام محمدؒ بن عبدالوہابؒ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

محمد خالد سیف

طارق اکیڈمی
پوسٹ بکس ۸۳۸، فیصل آباد

طبع اول ——— ربیع الاول سنہ ۱۳۹۹ھ

طبع دوم ——— رجب سنہ ۱۴۱۲ھ

ناشر ——— محمد سرور طارق

اہتمام ——— اعجاز مصطفیٰ چودھری

تزئین ——— محمد خالد یوسفی

طباعت ——— مکتبہ جدید پریس لاہور

قیمت ——— ۱۰۰/- روپے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا ۝

(القرآن)

○

تمہارے لیے رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے یعنی اس کے لیے جو ڈرتا ہو اللہ اور روزِ آخرت سے اور ذکرِ الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

(حضرت حسان بن ثابتؓ)

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرِ آغاز

آج سے چودہ سو برس قبل دنیا ایک ظلمت کدہ سے کم نہ تھی۔ چہار سو اندھیرے چھائے ہوئے تھے، کفر و شرک کے اندھیرے، فسق و فجور کے اندھیرے، الحاد و زندیقیت کے اندھیرے، ظلم و استبداد کے اندھیرے ــــ اور گم گشتہ راہ انسانیت ان بھیانک اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی، بدنِ سیمیں اس کا اگرچہ شاداب تھا، مگر دل کی دنیا ویران ہو چکی تھی ضمیر بے حس اور مردہ تھا، عرصہ دراز سے ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہو چکی تھی، باغ انسانیت خزاں دیدہ ہو چکا تھا کیونکہ نیکی کے پھول، تقویٰ کے غنچے اور شرافت کی کلیاں ایک ایک کر کے جھڑ گئی تھیں اور ان کے بجائے شرک، الحاد، معصیت، قتل و غارت، چوری و رہزنی، شراب نوشی و جوا بازی اور انتشار و خلفشار کے خودرو جھاڑ جھنکار اگ آئے تھے انسانیت ان رستے ہوئے ناسوروں کی ٹیسوں اور مہلک بیماریوں کے درد و کرب سے چیخ چیخ اٹھی تھی اور سوجھبس بنا لینے والی عقل عیار نے جواب دے دیا تھا کہ وہ ان بیماریوں کے علاج سے عاجز و قاصر ہے ؎

دل گیتی انا المسموم انا المسموم فریاد رس
خرد نالاں کہ ما عندی بتریاقٍ ولا راقٍ !!

مگر خالق کائنات سے دکھی انسانیت کی یہ مظلومیت دیکھی نہ گئی، اس کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے فاران کی چوٹیوں سے اس آفتابِ جہاں تاب کو طلوع فرمایا جس کی بدولت تمام اندھیرے چھٹ گئے، خزاں رسیدہ باغ انسانیت میں بہاریں لوٹ آئیں، عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں، ناداروں، بیکسوں اور مظلوموں نے سکھ کا سانس لیا، دنیا بقعہ نور بن گئی، سارا

عالم جگمگا اٹھا اور وہ لوگ جن کی زندگی جنگل کے درندوں سے بدتر تھی، آپ کی پاک تعلیمات پر عمل کرنے کی برکت سے انسانیت کی معراج پر پہنچ گئے ؎

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

سید الاولین وسید الآخرین، رحمۃ للعالمین، خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چونکہ قیامت تک آنے والے تمام کرۂ ارض کے انسانوں کے لیے رہبر و راہنما بنا کر مبعوث فرمایا تھا، اس لیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کتابِ مقدس قرآنِ حکیم کی حفاظت کا خود اہتمام فرمایا، جسے اس نے آپ کی وساطت سے تمام نوعِ انسان کی طرف اپنے پیامِ آخریں کے طور پر بھیجا تھا، اسی طرح اس نے اپنے محبوب پیغمبر کی پھول کی پتیوں سے زیادہ صاف و شفاف، قوسِ قزح سے زیادہ معصوم اور ماہ شب چہار دہم کی چاندنی سے زیادہ اجلی اور بے داغ سیرت مبارکہ کی حفاظت کے لیے امت محمدیہ کو بطور خاص توفیق عنایت فرمائی، جس نے نہ صرف اپنے پیغمبر کی مکمل زندگی، آپ کی سیرت مبارکہ کی ایک ایک ادا، آپ کی حیات طیبہ کی صبحوں اور شاموں، دن اور راتوں کی مکمل تفصیل، آپ کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، گفتگو فرمانے، کھانا تناول فرمانے، صوم وصلوٰۃ سے لے کر میدانِ جہاد تک آپ کے ہر ہر قول وفعل اور گفتار و کردار اور خلوت وجلوت کے ایک ایک جزئیہ کی حفاظت کا اہتمام کیا، بلکہ ہر اس چیز اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے، دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، دیگر اقوام عالم ان کتب وصحف سماوی کی حفاظت نہ کر سکے جو اللہ کی طرف سے انہیں عنایت ہوئے تھے اسی طرح اپنے پیغمبروں کی زندگیاں بھی محفوظ نہ کر سکے لیکن امت محمدیہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ساتھ ساتھ ان لاکھوں افراد کی زندگیاں بھی محفوظ کر دی ہیں، جنہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور متعلقاتِ زندگی کی روایت، تحریر اور جمع وتدوین کا فرض انجام دیا تھا؛ چنانچہ مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر نے "الاصابہ" کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء میں

بجا طور پر اس کا اعتراف کیا تھا:۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے"۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے موضوع پر مسلمانوں نے مختلف اسلوب و انداز اور مختلف زبانوں میں ہزاروں لاکھوں سے متجاوز کتابیں لکھیں، لکھ رہے ہیں اور تا قیامت تک لکھتے رہیں گے، لیکن اس کے باوصف اس موضوع کی شادابی اور ترو تازگی میں فرق آیا ہے اور نہ آئے گا، اس فرض کی کماحقہ ادائیگی کا حق ادا ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ غالب نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

سیرت نگاروں میں سے ایک نمایاں شخصیت ابن ہشامؒ کی بھی ہے، جن کا پورا اسمِ گرامی ابو محمد عبدالملک بن ہشام المعافریؒ ہے، آپ نہایت ثقہ، نامور محدث اور مؤرخ تھے، حمیر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، سیرت طیبہ کے سدا بہار موضوع پر لکھی گئی کتب کے سلکِ مروارید میں آپ کی تصنیف لطیف "السیرۃ النبویہ" ممتاز مقام کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو بڑے شرفِ قبولیت سے نوازا، متعدد بار زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی، کئی علماء نے اس کے حواشی و تعلیقات سپردِ قلم کیے، مشہور فقیہہ اور محدث امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ نے "الروض الانف" کے نام سے اس کی ایک بلند پایہ شرح لکھی، جس میں احادیث اور اشعار کی بطور خاص تشریح و توضیح فرمائی، جزاہ اللہ عنا وعن المسلمین خیرا الجزاء۔

بارہویں صدی ہجری کے مجدد، مصلح اور مجاہد کبیر شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بلند پایہ کتاب "السیرۃ النبویہ" کا "مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے اختصار فرمایا، ضمن میں اپنی طرف سے بعض مفید استنباطات کا اضافہ

کیا اور ابتدا میں نہایت اہم امور پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ سپرد قلم فرمایا، جس میں مسئلہ توحید کی حقیقت اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی الغرض ابن ہشام کی اس تصنیف نے شیخ الاسلام کے اختصار کے بعد ایک مختصر مگر جامع مرقع سیرت کا روپ اختیار کر لیا ہے۔

"مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" سب سے پہلے شیخ محمد حامد فقی کی تحقیق کے ساتھ مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۱۷ شارع شریف باشا الکبیر — عابدین کے زیر اہتمام طبع ہوئی تھی، دوسری مرتبہ استاذ زہیر الشاویش کے زیر اشراف مؤسسہ دار السلام دمشق سے طبع ہوئی، اسی طرح اس کے اس وقت دو مخطوطے بھی موجود ہیں۔ ایک سلیمان بن عبدالرحمان بن حمدان کے خط سے ہے، جس پر ۱۶ محرم ۱۳۴۱ھ کی تاریخ کتابت ہے، یہ خطی نسخہ المکتبہ السعودیہ ریاض میں موجود ہے۔ اندراج نمبر ۵۱۸ - ۸۶ ہے، کل صفحات ۱۰۱ ہیں اور ۸۲ سے ۸۸ تک صفحات غائب ہیں۔ دوسرا قلمی نسخہ بھی سعودیہ لائبریری ریاض میں ہے، اس کا نمبر ۴۹ - ۸۶ ہے اور کل صفحات ۲۲۶ ہیں کتاب کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"وقع الفراغ من هذه النسخة عصر يوم الثلاثاء ۲۶ من شوال عام ۱۲۳۵ھ"

البتہ کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔

اب جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، الریاض نے شیخ الاسلام کی تمام مؤلفات کی نہایت صحت کے ساتھ طباعت کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اور اس سلسلہ کی القسم الثالث "مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" اور فتاوی و مسائل پر مشتمل ہے، تو "مختصر" کے اس ایڈیشن کے لیے بھی شیخ حامد فقی والے مطبوعہ نسخے کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

دوسری زبانوں کی طرح اردو میں بھی سیرت طیبہ کے موضوع پر بے شمار کتابیں موجود ہیں، جن میں سے حضرت قاضی محمد سلیمان منصور پوری ؒ کی سوز وگداز اور عشق رسول میں ڈوب ڈوب کر لکھی ہوئی "رحمۃ للعالمین" اور حضرت شبلی ؒ و سید سلیمان ندوی ؒ کے خون جگر کی نمود "سیرت النبی ؐ" جیسی بے مثال کتب بطور خاص قابل ذکر ہیں، علاوہ ازیں اور بھی

بے شمار اردو مصنفین نے شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے مقدس عنوان پر خامہ فرسائی کی ہے، اندازِ بیاں اور اسلوبِ نگارش اگرچہ جدا جدا ہے لیکن مطلوب و مقصود سب کا ایک ہے ؎

عبارا تنا شتّٰی وحسنک واحد
کلٌ الی ذاک الجمال یشیر

بندہ عاجز نے "مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کا جب مطالعہ کیا تو اس کتاب کی صحت و سلاست اور سادگی و پرکاری نے بطورِ خاص متاثر کیا، سوچا کیوں نہ اپنے ان اردو دان بھائیوں کی خدمت میں اس کا اردو ترجمہ پیش کر دیا جائے، جو عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث اس چشمہ صافی کے آبِ زلال سے تسکین حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

اس طرح بحمد اللہ **طارق اکیڈمی** نے منزلِ مقصود کی طرف ایک اور قدم آگے بڑھایا ہے۔ اکیڈمی کے سامنے اپنے یوم تاسیس ہی سے یہ نصب العین رہا ہے کہ قرآن کے پیغام کو اس قدر عام کر دیا جائے کہ سارا عالم اس کے جاں فزا نغموں سے گونج گونج اٹھے سنت کی روشنی کو اس طرح پھیلا دیا جائے کہ لادینیت اور شرک و بدعت کے اندھیرے اور بے خدا ازموں کی تاریکیاں چھٹ جائیں، جو ہر دین کو انسانیت کی رگ رگ میں بھر دیا جائے اور گم گشتہ راہ انسانیت کو پھر سے اسلام کے صراطِ مستقیم پر لایا جائے، اسی جذبہ اور داعیہ کے تحت —— **طارق اکیڈمی** —— نے خالص پاکیزہ اسلامی لٹریچر کی طباعت اور نشر و اشاعت کا پروگرام بنایا ہے، اس سلسلہ میں ہم جو کچھ کر سکے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت بخشے اور جو کچھ ہو گا وہ بھی محض اسی کی توفیق سے ہو گا۔ قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت اپنے خاص فضل و کرم سے محض اپنی رضا کے لیے اعمالِ صالحہ کی توفیق عنایت فرمائے۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضاہ وصل علی نبیک وحبیبک و علی آلہٖ واصحابہٖ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

امیدوارِ شفاعت
محمد خالد سیف

غالب ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

غالب

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ وسلم وبارک علی محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سب سے زیادہ اہم دین کی معرفت ہے دین کی معرفت اور دین کے مطابق عمل پیرا ہونا دخول جنت کا سبب ہے جب کہ دین کی ناواقفیت اور اس کا ضیاع دخول جہنم کا سبب ہے۔

دانش مند لوگوں کے لیے سب سے زیادہ عبرت کا سامان پہلے اور پچھلے لوگوں کے واقعات ہیں یعنی ان لوگوں کے قصص اور واقعات جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر رحمتوں اور نوازشوں کا نزول ہوا اور ان لوگوں کے قصص و واقعات بھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو ان پر غضب و عتاب نازل ہوا۔ جو شخص ان باتوں کو نہ سمجھے اور ان سے استفادہ نہ کرے تو اس کی کوئی حیلہ جوئی کام نہ آسکے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ [1]

اور ہم نے ان سے پہلے بھی امتیں ہلاک کر ڈالیں، وہ ان سے قوت میں کہیں بڑھ کر تھے وہ شہروں میں گشت کرنے لگے کہ کہیں بھاگنے کی جگہ ہے۔

اسی وجہ سے بعض سلف سے منقول ہے کہ قصص و واقعات اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ جنہیں معاندان کی تردید نہیں کر سکتے؛ چنانچہ ان واقعات میں سے پہلا واقعہ جسے اللہ تعالیٰ

---

[1] ق ۳۶

نے بیان فرمایا ہے، وہ قصہ آدم و ابلیس ہے۔ اس واقعہ میں غور و فکر کرنے سے بے پناہ مشکلات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس قصہ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ج فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ج هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ [1]

ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور دوسری آیت میں ہے:۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا ۔۔۔۔۔ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ۔ [2]

تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا۔ وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی ۔۔۔۔۔ اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہم سے جس ہدایت کا وعدہ فرمایا تھا، اس سے مراد انبیاء کرام علیہم السّلام کی بعثت ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا فرما دیا، اس نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، جنہوں نے جنت کی بشارت سنائی اور جہنم سے ڈرایا۔ تاکہ انبیاء کرام کی بعثت کے بعد کسی قسم کا عذر باقی نہ رہے۔ انبیاء کرام میں سرفہرست حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور اس مبارک سلسلہ کی آخری کڑی ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] البقرہ ۳۸-۳۹ [2] طٰہٰ ۱۲۲-۱۲۷

علیہ وسلم ہیں۔

اے بندگانِ خدا! اس سلکِ مروارید کی معرفت حاصل کرو جو بندوں کو خدا تک پہنچاتی ہے جو اس سلک سے منسلک ہو جائے، سلامتی اس کا مقدر ہے اور جو اس سے منحرف ہو جائے، وہ ناکام و نامراد ہے۔ لہٰذا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے باپ آدم اور تمہارے دشمن ابلیس کا کیا قصہ ہے۔ حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کا کیا واقعہ ہے؟ اسی طرح حضرت ہودؑ اور ان کی قوم، حضرت صالحؑ اور ان کی قوم، حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم، حضرت لوطؑ اور ان کی قوم، حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم، حضرت عیسیٰؑ اور ان کی قوم اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم اور آپ کی قوم کے کیا واقعات ہیں؟ خصوصاً اہل علم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے جو واقعات بیان کیے ہیں اور پھر یہ کہ مکہ میں آپ پر کیا گزری اور مدینہ میں کیا گزری، ان سب کا علم ہونا تو ازبس ضروری ہے۔

اہل علم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جو حالات اور اعمال بیان کیے ہیں، انہیں بھی معلوم کرنا چاہیے تاکہ اسلام اور کفر کی تمیز کی جا سکے کیونکہ آج غربتِ اسلام کا دور ہے اور اکثر لوگ اسلام اور کفر کے درمیان تمیز ہی نہیں کر سکتے اور یہ ایک ایسی ہلاکت آفریں بات ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی فوز و فلاح کی امید نہیں کی جا سکتی۔

حضرت آدمؑ اور ابلیس کا قصہ تو صرف اسی قدر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے البتہ آپ کی اولاد کا قصہ کچھ تفصیل طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو چیونٹیوں کی شکل میں حضرت آدمؑ کی پشت میں سے نکالا تھا اور پھر ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے، چنانچہ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ	اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان
بَنِيٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ	کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ	کے مقابلے میں اقرار کرا لیا (یعنی ان سے پوچھا کہ)
أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا۟	کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں وہ کہنے لگے کیوں

بَلیٰ شَہِدْنَا ۔ نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے)

حضرت آدمؑ نے اس وقت اپنی اولاد میں سے انبیاء کرام کو مشعلوں کی طرح جگمگاتے ہوئے دیکھا تھا۔ حتیٰ کہ ایک آدمی کو دیکھا کہ ان کا چہرہ کچھ زیادہ ہی چمک رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے۔ حضرت آدمؑ نے سوال کیا کہ انہیں کتنی عمر دی گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ساٹھ برس۔ حضرت آدمؑ نے کہا کہ میں انہیں اپنی عمر میں سے چالیس برس دیتا ہوں اور یاد رہے کہ حضرت آدمؑ کو ایک ہزار برس عمر دی گئی تھی۔ اسی طرح حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد میں نابینا، ابرص اور مبتلائے درد والم لوگوں کو بھی دیکھا تو کہا کہ اے اللہ تو نے اپنے بندوں میں مساوات کیوں نہیں رکھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس لیے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ جن پر میری نوازشوں کی فراوانی ہو، وہ میرا بہت بہت شکریہ ادا کریں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر شریف کے جب چالیس برس باقی رہ گئے تو فرشتہ ان کے پاس پیام اجل لے کر آیا۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا کیا میری عمر کے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا۔ کیا تم نے اپنے بیٹے حضرت داؤدؑ کو یہ چالیس سال نہیں دے دیئے تھے؟ حضرت آدمؑ بھول گئے یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے، حضرت آدمؑ نے انکار کر دیا یہی وجہ ہے کہ اولادِ آدم بھی منکر ہو جاتی ہے!

حضرت آدمؑ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دس صدیوں تک تو ان کی اولاد اپنے باپ کے دین — دینِ اسلام — پر قائم رہی لیکن اس کے بعد انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کر لیا اور کفر کا سبب صلحاء کی محبت میں غلو تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ذکر فرمایا ہے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۙ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۔

اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔

یہ پانچ آدمی بڑے نیک تھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا شعار تھا اتفاق سے ایک ہی مہینے میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے رفقاء نے خدشہ محسوس

گیا کہ ان کے بعد دین میں کمی پیدا ہو جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے ان کی اس انداز کی تصویریں بنائیں گویا وہ اپنی اپنی مجلس میں بیٹھے ہیں تاکہ جب ان کی صورتوں کو دیکھیں تو انکے اقوال و اعمال کو یاد کرکے رد بہ اصلاح رہیں۔ ان تصویروں سے ان کا صرف یہی مقصد تھا یعنی وہ ان کی پرستش وغیرہ نہیں کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد آنے والوں نے ان سے بھی زیادہ ان کی تعظیم کی البتہ ان کی پوجا پاٹ وہ بھی نہیں کرتے تھے۔ پھر جب عرصہ دراز گزر گیا' اہل علم دنیا سے رخصت ہو گئے تو شیطان نے جاہلوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ ان نیک لوگوں نے اپنے ان مشائخ کی تصویریں صرف اسی لیے بنائی تھیں تاکہ خدا کے ہاں ان سے سفارش کرا لیا کریں الغرض شیطان نے ان کے دلوں میں اس بات کو اس قدر راسخ کر دیا کہ انہوں نے ان تراشیدہ بتوں کی پرستش شروع کر دی۔

جب وہ لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا تاکہ وہ انہیں پھر سے حضرت آدمؑ اور ان کی موحد اور صالح اولاد کے دین کی طرف لوٹا دیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصہ کو اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ الغرض قوم نوح کی ہلاکت کے بعد زمین کو حضرت نوحؑ اور ان کی کشتی کے ساتھیوں نے آباد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمتوں اور برکتوں سے سرفراز فرمایا، کرہ ارض ایک بار پھر انسانوں سے بھر گیا اور وہ مدتِ دراز تک دین اسلام پر قائم رہے، جس کا صحیح تعین خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

پھر ایک دور آیا کہ لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پھر انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں رسول کو بھیجا۔ جس نے توحید کا حکم دیا اور شرک سے منع کیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ [1]	اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔

[1] النحل ۳۶

نیز فرمایا۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ ۔[1]

پھر ہم پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے جب کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آتا تھا تو وہ اسے جھٹلا دیتے تھے۔

سورہ شعرا میں جہاں اللہ تعالیٰ نے ان قصص کو ذکر کیا تو ہر قصہ کے آخر میں فرمایا ہے کہ۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ قصص و واقعات محض ہماری خاطر بیان فرمائے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى ۔[2]

ان کے قصے میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے (یہ قرآن) ایسی بات نہیں ہے جو (اپنے دل سے) بنالی گئی ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ ناپسندیدہ افعال کا ارتکاب کیا تھا[3] تو فرمایا

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ [4]

کیا ان کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) نوح اور عاد اور ثمود کی قوم اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عبرت و نصیحت کے لیے صحابہ کرامؓ کو سابقہ لوگوں کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں نے ان تمام

---

[1] المومنون ۴۴ [2] یوسف ۱۱۱ [3] منافقوں نے جو غزوہ تبوک میں کردار ادا کیا، اس کی طرف اشارہ ہے [4] التوبہ ۷۰

واقعات کو بھی ذکر کیا ہے۔ جو آپ کو اپنی قوم کے ساتھ پیش آئے۔ اسی طرح سیرت نگاروں نے صحابہ کرامؓ کے واقعات اور ان کے ساتھ کفار و منافقین کے برتاؤ کا بھی ذکر کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد کے ہر دور کے علماء دین کے واقعات و حالات بھی قلمبند کیے گئے ہیں اور اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ خیر اور شر کے درمیان تمیز کی جا سکے

بہت سے انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے متعلق تو ہمیں علم ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے متعلق کوئی خبر نہیں دی البتہ عاد کے متعلق یہ ضرور بتایا ہے کہ وہ اس قدر قوت و شوکت کے مالک تھے کہ دیگر امصار و بلاد میں ان جیسے پیدا ہی نہیں کیے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا اور ان کے واقعہ کو قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔ اصحاب ہود میں کچھ مدت تک تو توحید باقی رہی لیکن پھر ختم ہو گئی، اسی طرح اصحاب صالحؑ بھی کچھ عرصہ توحید پر قائم رہے لیکن پھر منحرف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت مبعوث فرمایا جب روئے زمین پر ایک بھی مسلمان نہ تھا ان کی قوم نے تو ان کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہ کیا۔ البتہ ان کی بیوی حضرت سارہؑ اور حضرت لوط علیہ السلام ایمان لے آئے۔ قوم کے ناگفتہ بہ رویے کے باوصف اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سرفرازی اور بلندی مرتبت سے نوازا اور دنیا کی امامت کا تاج ان کے سر پر رکھ دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہر دور میں ان کی اولاد میں توحید باقی رہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ [1]	اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ (خدا کی طرف) رجوع کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ امام ہیں لہٰذا آپ کے حالات ہم قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہیں اور پھر کوئی مسلمان بھی ان واقعات کے علم سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[1] الزخرف ۲۸

لم يكذب ابراهيم النبي صلى الله عليه وسلم قط الا ثلاث كذبات ثنتين في ذات الله قوله "اني سقيم" وقوله "بل فعله كبيرهم هذا" وواحدة في شأن سارة فانه قدم ارض جبار ومعه سارة وكانت احسن الناس فقال لها إن هذا الجبار ان يعلم انك امرأتي يغلبني عليك فان سألك فاخبريه انك اختي فانك اختي في الاسلام فاني لا اعلم في الارض مسلما غيري وغيرك فلما دخل ارضه رآها بعض اهل الجبار فأتاه فقال لقد قدم ارضك امرأة لا ينبغي ان تكون إلا لك فارسل اليها فأتي بها فقام ابراهيم الى الصلوة فلما دخلت عليه لم يتمالك

حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ کے علاوہ کبھی بھی خلافِ ظاہر بات نہ کی۔ دو بار تو اللہ تعالیٰ سے متعلق امور میں (ایک دفعہ تو اس وقت جب انہوں نے کہا تھا کہ "میں بیمار ہوں" اور دوسری مرتبہ جب کہا تھا بلکہ "اسے تو ان کے اس بڑے نے کیا ہے"، اور ایک بار حضرت سارہؑ سے متعلق جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک سرکش اور جابر بادشاہ کی سلطنت میں قدم رنجہ ہوئے جب کہ حضرت سارہؑ بھی آپ کے ساتھ تھیں اور وہ سب لوگوں سے زیادہ حسین تھیں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر اس جابر کو معلوم ہو گیا کہ تو میری بیوی ہے تو مجھ پر غالب آجائے گا لہٰذا اگر تجھ سے پوچھے تو اسے بتانا کہ تو میری بہن ہے اور تو میری اسلامی بہن ہے کیونکہ میرے علم کے مطابق اس وقت روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔ جب حضرت ابراہیم اس جابر کی سلطنت میں داخل ہوئے تو اس کے بعض آدمیوں نے حضرت سارہ کو دیکھ لیا تو اس نے جاکر اسے بتایا کہ تیری حکومت

ان بسط یده الیها
فقبضت یده قبضة
شدیدة فقال لها
ادعی الله ان یطلق
یدی فلک الله ان
لا اضرک ففعلت فعاد
فقبضت یده اشد
من القبضة الاولی
فقال لها مثل ذلک
فعاد فقبضت یده
اشد من القبضتین
الاولتین فقال
لها ادعی الله ان
یطلق یدی ولک
الله ان لا اضرک
ففعلت فاطلقت
یده ودعا الذی
جاء بها فقال
له انک بما
جئتنی بشیطان
ولم تأتنی
بانسان فاخرجها
من ارضی واعطاها

میں ایک ایسی عورت آئی ہے جو صرف
تیرے ہی شایان شان ہے تو اس نے
اسے بھیجا کہ اسے لے آؤ۔ حضرت ابراہیمؑ
نے (یہ دیکھ کر) نماز شروع کر دی (تاکہ
اللہ سے مدد طلب کی جائے) حضرت سارہؑ
جب اس کے پاس پہنچیں تو وہ کنٹرول
نہ کر سکا اور دست درازی کرنے لگا لیکن
اس کا ہاتھ نہایت شدت سے پکڑ لیا گیا
تو اس نے حضرت سارہؑ سے کہا دعا کیجئے
کہ میرا ہاتھ چھوٹ جائے تو بخدا میں
تجھے کوئی تکلیف نہ دوں گا لیکن اس
نے پھر دست درازی کی تو پہلے سے
بھی زیادہ گرفت کے ساتھ اس کے
ہاتھ کو جکڑ دیا گیا۔ اس نے پھر کہا کہ اللہ
تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میرے ہاتھ کو
چھوڑ دے تو اللہ کی قسم میں تجھے کوئی تکلیف
نہ پہنچاؤں گا لیکن اس نے پھر دست درازی
کا اعادہ کیا تو پہلی دونوں گرفتوں سے زیادہ
سخت گرفت میں اس کا ہاتھ مبتلا ہو گیا اس
نے پھر وہی کہا اور جب اس کا ہاتھ آزاد
ہو گیا تو اس نے اس شخص کو بلایا جو حضرت
سارہؑ کو اس کے پاس لے کر گیا تھا اور
اسے کہا کہ تو میرے پاس انسان نہیں بلکہ

هاجر فأقبلت	شیطان (خاک بدہن) سے کر آیا ہے،
فلما رآها ابراهيم	اسے میری حکومت سے باہر نکال دو اور
انصرف فقال لها	اس جابر نے حضرت سارہؓ کو خدمت کے
مهيم؟ قالت	لیے ایک لونڈی بھی دے دی۔ حضرت
خيرًا كف الله	ابراہیمؑ نے حضرت سارہؓ کو جب آتے
يد الفاجر و	ہوئے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور
اخدم خادمًا	فرمانے لگے کیا خبر ہے؟ حضرت سارہؓ
قال ” ابوهريرة	نے کہا۔ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فاجر
فتلك امكم	آدمی کے ہاتھ کو روک دیا اور اس
يا بني ماء	نے خدمت کے لیے ایک خادم بھی
السماء[1]	دے دیا ہے“۔ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ
	حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کہ اے آسمان
	کے پانی کے بیٹو یعنی عرب کے لوگو! یہ
	(حضرت ہاجرہؓ) ہیں تمہاری والدہ محترمہ

اور ”صحیح بخاری“ میں یہ بھی ہے کہ

ان ابراهيم لما	حضرت ابراہیم سے جب حضرت سارہؓ
سئل عنها قال	کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ
هي اختي ثم	میری بہن ہے پھر حضرت سارہؓ کے پاس
رجع اليها فقال	آئے تو ان سے کہا کہ میری بات کی تکذیب
لا تكذبي حديثي	نہ کرنا۔ میں انہیں بتا کر آیا ہوں کہ تو میری
فاني اخبرتهم انك	بہن ہے اور بخدا! اس وقت روئے

[1] صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث مثلاً ”صحیح مسلم، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم معجم طبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ، جامع ترمذی اور مسند ابی عوانہ میں بھی یہ روایت اجمال و تفصیل کے ساتھ مختلف طریقوں سے موجود ہے۔ مترجم

اخبتی واللہ ما علی
الارض مومن غیری
وغیرک فارسل
بها الیه فقام
الیها فقامت تتوضاء
وتصلی فقالت
اللهم ان کنت
امنت بک وبرسولک
واحصنت فرجی
الاعلی زوجی فلا
تسلط علی ید
الکافر فغط حتی رکض
برجله فقالت اللهم
ان یمت یقال هی قتلته
فارسل فی الثانیة
اوالثالثة فقال واللہ ما
ارسلتم الی الا شیطانا
ارجعوها الی ابراهیم و
اعطوها هاجر فرجعت
الی ابراهیم فقالت
اشعرت؟ ان اللہ
کبت الکافر واخدم
ولیدة۔

زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن
نہیں ہے۔ اس جابر بادشاہ نے حضرت
سارہؑ کو اپنے پاس بلا بھیجا اور جب ان
کی طرف کھڑا ہوا تو حضرت سارہؑ فوراً وضو
کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ نماز شروع کر دی
اور یہ دعا کی "اے اللہ اگر میں تیرے اور
تیرے رسول کے ساتھ ایمان لائی ہوں
اور اپنے خاوند کے علاوہ کسی کو اپنے
پاس آنے کی اجازت نہیں دی تو کافر
کے ہاتھ کو مجھ پر مسلط نہ کرنا؛ چنانچہ وہ
گر پڑا اور اس کا پاؤں زمین میں دھنس
گیا۔ پھر حضرت سارہ نے دعا کی "اے
اللہ! اگر وہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ سارہ نے
اسے قتل کیا ہے؛ چنانچہ اسے چھوڑ دیا
گیا اور دو یا تین بار ایسے ہوا تو اس
ظالم نے کہا بخدا! تم نے میرے پاس
شیطان کو بھیجا ہے۔ اسے ابراہیمؑ کے
پاس لوٹا دو اور اسے ہاجرہ بھی دے دو
حضرت سارہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس
لوٹیں تو فرمانے لگیں تمہیں کچھ معلوم ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو خائب و خاسر بنا
دیا اور اس نے خدمت کے لیے ایک
خادمہ بھی دی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتداء میں عراق میں سکونت پذیر تھے۔ لیکن قوم نے جب آپ سے اچھا سلوک نہ کیا تو آپ شام کی طرف ہجرت فرما گئے اور تا زیست یہیں قیام فرما رہے۔ حضرت سارہؑ نے آپ کو وہ لڑکی ہبہ کر دی جو ظالم بادشاہ نے انہیں دی تھی۔ انہی کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تولد ہوئے تو حضرت سارہؑ غیرت کا مظاہرہ فرمانے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ حضرت ہاجرہؑ کو حضرت سارہؑ سے دور کر دیا جائے؛ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کر دیا۔ بعد ازاں حضرت سارہ کے بطنِ اطہر سے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو پیدا فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے کہ فرشتوں نے انہیں بشارت سنائی کہ عنقریب تمہارے گھر ایک بچہ جنم لے گا، جس کا نام اسحٰق ہو گا اور اسحٰق کے گھر یعقوب پیدا ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ۔

لما كان بين ابراهيم وبين اهله ما كان خرج باسماعيل وام اسماعيل ومعه شنة فيها ماء فجعلت ام اسماعيل تشرب من الشنة فيدر لبنها على صبيها حتى قدم مكة فوضعها تحت دوحة فوق زمزم فى اعلى المسجد وليس بمكة يومئذ	جب حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اہل بیت کے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تو وہ حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو لے کر گھر سے نکل پڑے اور اس وقت ان کے پاس ایک پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ تھا، جس سے حضرت اسماعیل کی والدہ پانی پیتی تھیں تو ان کے بچے (حضرت اسماعیل) کو وافر مقدار میں دودھ ملتا تھا وہ چلتے چلتے مکہ پہنچ گئے تو انہوں نے مشکیزے کو دوحہ کے نیچے اور مسجد کے بالائی جانب زمزم کے اوپر رکھ دیا مکہ میں ان دونوں کوئی نہ تھا، پانی بھی نہیں

احد وليس بها ماء۔ ووضع عندهما جرابًا فيه تمر و سقاءً فيه ماء ثم قفى ابراهيم منطلقًا فتبعته ام اسماعيل فلما بلغوا كداء نادته من ورائه يا ابراهيم اين تذهب وتتركنا بهذا الوادي الذي ليس به انيس ولا شيء؟ فقالت له ذلك مرارًا وجعل لا يلتفت اليها فقالت له: الله امرك بهذا؟ قال نعم قالت اذن لا يضيعنا وفي لفظ: الى من تتركنا؟ قال إلى الله قالت رضيت ثم رجعت فانطلق ابراهيم حتى اذا كان عند الثنية حيث لا يرونه استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهؤلاء الدعوات ورفع يديه فقال ربنا

تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دونوں کے پاس ایک تھیلی رکھی جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزہ جس میں پانی تھا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ پشت پھیر کر چلنے لگے تو حضرت اسماعیل کی والدہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیں جب مقام کداؑ[1] پر پہنچے تو انہوں نے پیچھے سے بلایا اور کہا اے ابراہیمؑ! آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہمیں اس وادی میں چھوڑ رہے ہیں جہاں کوئی آدمی نہیں؟ انہوں نے یہ بار بار کہا لیکن حضرت ابراہیمؑ نے پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا تو انہوں نے کہا کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا جی ہاں! تو انہوں نے کہا پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ام اسماعیلؑ نے کہا آپ ہمیں کس کے سپرد کر کے چلے ہیں؟ تو حضرت ابراہیم نے کہا خدا کے سپرد تو انہوں نے کہا پھر ہم اس پر راضی ہیں اور وہ واپس آگئیں۔ حضرت ابراہیم چلتے رہے حتیٰ کہ جب گھاٹی کے پاس پہنچ گئے جہاں سے وہ

---

[1] کدار وہ مقام ہے جہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ فتح الباری ج ۶ ص ۴۲۸

انی اسکنت من ذریتی
بواد غیر ذی زرع
عند بیتک المحرم ربنا
لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل
افئدۃ من الناس تهوی
الیهم وارزقهم من
الثمرات لعلهم
یشکرون" وجعلت ام
اسماعیل ترضعه
وتشرب من الشنّة
فیدر لبنها علی صبیها
حتی اذا نفد ما فی السقاء
عطشت وعطش ابنها
وجعلت تنظر الیه
یتلوی۔ او قال یتلبط
فانطلقت کراهیة ان
تنظر الیه فوجدت
الصفا اقرب جبل
الیها فقامت واستقبلت
الوادی تنظر هل تری
احدا فلم تر احدا
فهبطت من الصفا حتی
اذا بلغت الوادی رفعت

انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے تو حضرت ابراہیمؑ
قبلہ رو ہوئے اور انہوں نے ہاتھ اٹھا کر
یہ دعائیں کیں "اے ہمارے پروردگار!
میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کے
جنگل میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس
بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ
اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں پس تو کچھ
لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے
اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما
تاکہ یہ شکرگزاری کریں" حضرت اسماعیل کی
والدہ نے انہیں دودھ پلانا شروع کر دیا
اور خود مشکیزے سے پانی پیتی تھیں جس
سے ان کے بچے کو وافر دودھ مل جاتا تھا
حتی کہ جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو
انہیں پیاس لگ گئی اور بچے کو بھی۔ انہوں
نے دیکھا کہ بچہ پیاس کی شدت سے مضطرب
ہو ہو جا رہا ہے تو ان سے بچے کی یہ کیفیت
دیکھی نہ گئی اور وہ وہاں سے چل پڑیں حتی
کہ قریبی پہاڑ صفا پر چڑھ دوڑیں اور وادی
میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں تاکہ شاید کسی کو
دیکھ سکیں لیکن انہیں کوئی بھی نظر نہ آیا،
تو صفا سے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں
اپنی چادر کے کونے کو اٹھایا اور مقدور

رفعت طرف درعها ثم
سعت سعي الانسان
المجهود حتى جاوزت
الوادي ثم اتت المروة
فقامت عليها فنظرت
هل ترى احدًا؟ فلم
ترا احدًا ففعلت
ذلك سبع مرات۔ قال ابن
عباس قال النبي صلى الله
عليه وسلم فذلك سعي
الناس بينهما۔ ثم قالت لو
ذهبت فنظرت ما فعل۔
تعني الصبي۔ فذهبت فنظرت
فاذا هو على حاله كانه ينشغ
الموت فلم تقرها نفسها فقالت
لو ذهبت لعلي احس احدًا؟
فذهبت فصعدت الصفا
فنظرت فلم تحس احدًا حتى
اتمت سبعًا ثم قالت لو ذهبت
فنظرت ما فعل؟ فاذا هي
بصوت فقالت اغث ان
كان عندك خيرا فاذا
بجبريل قال فقال بعقبه

پھر دوڑ کر وادی سے نکل گئیں پھر مروہ پر
آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ
شاید کوئی نظر آجائے لیکن کوئی بھی نظر نہ
آیا؛ چنانچہ انہوں نے سات بار اسی طرح
کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ اسی وجہ سے لوگ صفا و مروہ کے درمیان
سعی کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ ذرا
بچے کو تو دیکھوں کہ اس کا کیا حال ہے؟
جب وہ آئیں اور دیکھا کہ وہ بدستور موت
و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے تو انہیں قرار
نہ آسکا اور کہنے لگیں کہ اگر پھر جا کر دیکھوں
تو شاید کوئی نظر آجائے؛ وہ گئیں اور صفا
پر چڑھ دوڑیں اور ادھر ادھر دیکھنے لگیں
لیکن انہیں کچھ نظر نہ آیا حتیٰ کہ انہوں نے
اسی طرح سات بار کیا، پھر خیال آیا کہ جا کر دیکھوں
تو سہی کہ بچے کا کیا حال ہے؟ جب وہاں پہنچیں
تو انہیں کچھ آواز سنائی دی۔ فرمانے لگیں
کہ اگر تمہارے پاس کوئی خیر ہے تو مدد کرو
چنانچہ حضرت جبریل نمودار ہوئے اور انہوں
نے اپنی ایڑی کو زمین پر مارا، جس سے
پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا، تو ام اسماعیلؑ نے
اسے گڑھے کی شکل دے دی۔ آنحضرت

على الأرض فانبثق الماء فذهبت أم إسمٰعيل فجعلت تحفن فقال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم يرحم الله أم إسمٰعيل لو تركت زمزم - أو قال لو لم تغرف من الماء لكانت زمزم عينًا معينًا. وفي حديثه فجعلت تغرف الماء في سقائها - قال فشربت و أرضعت ولدها فقال لها الملك لا تخافي الضيعة فإن ههنا بيت الله يبنيه هذا الغلام وأبوه أن الله لا يضيع أهله وكان البيت مرتفعًا من الأرض كالرابية تأتيه السيول فتأخذ عن يمينه وشماله فكانت كذلك حتى مرت بهم رفقة من جرهم مقبلين من طريق كداء فرأوا طائرًا عائفًا فقالوا ان هذا الطائر ليدور على ماء - لعهدنا بهذا الوادي وما فيه ماء

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اُم اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتیں تو زمزم ایک رواں دواں چشمہ کی صورت اختیار کر جاتا۔ اور حدیث ابن عباسؓ میں ہے کہ انہوں نے مشکیزے میں پانی ڈالنا شروع کر دیا، خود پانی نوش فرمایا اور بچے کو دودھ پلایا تو فرشتے نے اس سے کہا کہ کسی قسم کے نقصان سے نہ ڈرو۔ یہاں تو خدائے پاک کا ایک گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے اہل کو ضائع نہیں کرے گا اور اس وقت بیت اللہ ٹیلے کی طرح زمین سے مرتفع تھا، سیلاب آتے تو اس کے دائیں بائیں سے نکل جاتے۔ انہی حالات میں کداء کے راستہ سے آتے ہوئے یہاں سے خاندانِ جرہم کے ایک گروہ کا گزر ہوا تو انہوں نے ایک پرندے کو چکر لگاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ پرندہ تو پانی پر چکر لگا رہا ہے حالانکہ ہم اس وادی سے بخوبی واقف ہیں یہاں تو پانی نہیں۔ انہوں نے صورت حال کے مشاہدہ کے لیے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو انہوں نے دیکھا کہ فی الواقع یہاں پانی

فارسلوا جريا او جريين فاذا هم بالماء فرجعوا فاخبروهم فاقبلوا وقالوا أم اسمعيل أتأذنين لنا ان ننزل عندك قالت نعم، ولكن لا حق لكم في الماء قالوا نعم. قال ابن عباسؓ: قال النبي صلى الله عليه وسلم فألفى ذلك ام اسمعيل وهي تحب الأنس ـــ فنزلوا وارسلوا الى اهليهم فنزلوا معهم حتى اذا كان بها اهل ابيات منهم وشب الغلام وتعلم العربية منهم وانفسهم واعجبهم حين شب فلما ادرك زوجوه امرأة منهم وماتت ام اسمعيل وجاء ابراهيم بعد ما تزوج اسمعيل. يطالع تركته فلم يجد اسمعيل. فسأل امرأته عنه؟ فقالت خرج

ہے انہوں نے واپس جاکر خبر دی تو وہ سب لوگ یہاں آگئے اور ام اسماعیلؑ سے انہوں نے کہا کیا آپ اجازت دیں گی کہ ہم آپ کے پاس فروکش ہو جائیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں! لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا ہمیں تسلیم ہے ـــ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے ام اسماعیلؑ کو مسرت ہوئی کیونکہ وہ انسانوں سے محبت رکھتی تھیں خاندانِ جرہم کے یہ لوگ یہاں آباد ہو گئے تو انہوں نے خاندان کے باقی افراد کو بھی یہاں طلب کر لیا یہاں تک کہ یہاں کئی گھر آباد ہو گئے۔ حضرت اسماعیلؑ بھی جوان ہوئے تو آپ نے ان سے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی، جوانی کے عالم میں آپ انہیں نہایت اچھے لگتے تھے حتی کہ انہوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے ان کی شادی بھی کر دی اور کچھ عرصہ بعد ام اسماعیلؑ وفات پا گئیں۔ شادی کے بعد حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے اہل وعیال کو دیکھنے آئے۔ حضرت اسماعیلؑ گھر پر نہ تھے، ان کی بیوی سے پوچھا تو اس نے

يبتغي لنا. ثم سألها عن
عيشهم وهيئتهم؟ فقالت
نحن بشر، نحن في ضيق وشدة
فشكت اليه قال فاذا جاء
زوجك اقرئي عليه السلام
وقولي له يغير عتبة بابه
فلما جاء اسمعيل كانه انس
شيئا فقال هل جاءكم
من احد قالت نعم جاءنا
شيخ كذا وكذا. فسألنا عنك
فاخبرته وسألني كيف عيشنا
فاخبرته انا في جهد وشدة
قال فهل اوصاك بشيء
قالت نعم امرني ان اقرأ
عليك السلام ويقول
تغيّر عتبة بابك قال
ذاك ابي وقد امرني
ان افارقك الحقي
باهلك فطلقها وتزوج
منهم امرأة اخرى
فلبث عنهم ابراهيم ما
شاء الله، فقال لاهله
اني مطلع تركتي

بتایا کہ ہمارے لیے شکار وغیرہ لانے گئے ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا کہ تمہاری کیسے گزر بسر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بہت برا حال ہے، نہایت تنگی ترشی میں ہیں الغرض کہ اس نے شکوہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تیرا خاوند گھر آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ وہ اپنے دروازے کی دہلیز کو بدل دے حضرت اسماعیل جب واپس آئے تو انہوں نے ماحول کو کچھ خوشگوار سا پایا اور فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا جی ہاں ایک بوڑھا آیا تھا، جس نے آپ کے متعلق پوچھا؟ میں نے بتایا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا گزر بسر کیسے ہے؟ میں بتایا کہ نہایت تنگی ترشی میں ہیں۔ حضرت اسماعیل نے فرمایا کیا انہوں نے کچھ وصیت بھی کی؟ اس نے کہا جی ہاں تمہیں سلام کہتے تھے اور یہ پیغام دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو بدل دو۔ حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا کہ یہ تو میرے ابا جان تھے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تجھ سے علیحدگی اختیار کر لوں، جاؤ اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤ۔ یعنی حضرت اسماعیلؑ نے اسے طلاق دے

فجاء فقال لامرأته
این اسمعیل ؟ قالت
ذهب یصید قالت :
الا تنزل فتطعم وتشرب
قال وما طعامکم وشرابکم
قالت طعامنا اللحم وشرابنا
الماء قال اللهم بارك
لهم فی طعامهم وشرابهم
قال ابوالقاسم
صلی الله علیه وسلم
برکة دعوة ابراهیم
فهما لا یخلو
علیهما احد بغیر
مکة الا لم یوافقاه
قال النبی صلی الله
علیه وسلم ولم یکن لهم
یومئذ حب ولو کان
لهم حب دعا لهم فیه.
وسألها عن عیشهم و
هیئتهم ؟ فقالت نحن
بخیر وسعة وأثنت
علی الله : قال اذا جاء
زوجك فاقرئی علیه

دی اور اسی خاندان میں ایک دوسری
عورت سے شادی کر لی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت
ابراہیمؑ پھر گھر والوں سے کہنے لگے کہ میں
اپنے ماں کو دیکھنے جاتا ہوں۔ چنانچہ آپ
تشریف لائے اور حضرت اسماعیل کی بیوی
سے کہنے لگے اسماعیل کہاں ہے ؟ اس
نے بتایا کہ شکار کرنے گئے ہیں نیز کہا کیا
آپ تشریف نہیں رکھیں گے اور کچھ کھانا
پینا شوق نہیں فرمائیں گے ؟ حضرت ابراہیمؑ
نے فرمایا تم کیا کھاتے پیتے ہو ؟ اس نے
کہا گوشت کھاتے اور پانی پیتے ہیں۔
حضرت ابراہیمؑ نے دعا دی کہ اے اللہ
ان کے کھانے پینے میں برکت دے !۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حضرت
ابراہیمؑ کی دعا کی برکت ہے ورنہ مکہ کے
علاوہ کوئی اور جگہ ایسی نہیں جہاں صرف
یہ دونوں چیزیں موافق آئیں۔ نیز فرمایا کہ
اس وقت وہاں دانے نہیں تھے۔ ورنہ
دانوں کے لیے بھی ضرور دعا فرماتے۔
حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا کہ تمہاری گذر بسر
کیسے ہے ؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے
فضل وکرم سے ہم نہایت خوش وخرم ہیں
حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ جب تمہارا خاوند

السلام ومريه يثبت
عتبة بابه فلما جاء
اسمٰعيل قال هل اتاكم
من احد؟ قالت نعم
شيخ حسن الهيئة —
وأثنت عليه - فسألني
عنك فاخبرته فسألني
كيف عيشنا؟ فاخبرته
انا بخير - قال هل
اوصاك بشيئ؟ قالت
نعم، هو يقرأ عليك
السلام و يأمرك ان
تثبت عتبة بابك قال
ذاك ابي وانت العتبة
امرني ان امسكك ثم
لبث عنهم ما شاء الله
فقال لاهله انى مطلع
تركتي فجاء فوافق
اسماعيل يبري نبلا
له تحت دوحة قريبا
من زمزم فلما رآه
قام اليه فصنعا كما
يصنع الوالد بالولد

آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا
کہ اپنے دروازہ کی دہلیز کو باقی رہنے دو۔
جب حضرت اسماعیلؑ واپس آئے تو انہوں
نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟
انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں ایک نہایت
خوبصورت شکل وصورت والے بزرگ
تشریف لائے تھے اور انہوں نے آپ
کے متعلق پوچھا تو میں نے انہیں بتادیا۔
پھر انہوں نے مجھ سے گزر بسر کے متعلق
پوچھا تو میں نے کہا کہ ہم بخیریت ہیں حضرت
اسماعیلؑ نے پوچھا کہ تمہیں کوئی وصیت کی
اس نے کہا کہ تمہیں سلام کہتے تھے اور حکم
دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو
باقی رکھنا۔ حضرت اسماعیلؑ نے کہا کہ یہ تو
میرے اباجان تھے اور دہلیز سے مراد تو
ہے مجھے حکم دے گئے ہیں کہ تجھے اپنے
پاس ہی رکھوں۔ پھر کچھ عرصہ گزرا تو حضرت
ابراہیم اپنے اہل وعیال سے فرمانے لگے
کہ میں اپنے مال کو دیکھنے جاتا ہوں تشریف
لائے تو انہوں نے حضرت اسماعیلؑ کو
زمزم کے قریب دوحہ کے نیچے تیر درست
کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت اسماعیلؑ نے
دیکھا تو فوراً کھڑے ہو گئے اور انہوں نے

والولد بالوالد ثم قال: یا اسماعیل! ان الله امرنی بأمر، قال: فاصنع ما أمرک ربک، قال: وتعیننی؟ قال: واعینک قال: فان الله امرنی ان ابنی ھھنا بیتاً۔ واشار الی اکمة مرتفعة علی ما حولها۔ قال: فعند ذلک رفعا القواعد من البیت۔ فجعل اسماعیل یأتی بالحجارة وابراھیم یبنی، حتی اذا ارتفع البناء جاء بهذا الحجر، فوضعه له فقام علیه وھو یبنی واسماعیل یناوله الحجارة وھما یقولان رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

پیار اور محبت کا اس طرح مظاہرہ کیا جس طرح باپ اور بیٹا کرتے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ فرمانے لگے اسماعیل! خدا تعالیٰ نے مجھے ایک حکم دیا ہے؟ حضرت اسماعیلؑ نے کہا خدا تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا کیا آپ تعاون کریں گے؟ "ضرور تعاون کروں گا" اسماعیلؑ نے جواب دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں یہاں ——— ایک بلند ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ——— ایک گھر بناؤں، چنانچہ دونوں نے گھر کی بنیادوں کو استوار کر دیا۔ حضرت اسماعیل پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ گھر بناتے تھے حتیٰ کہ دیواریں بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیلؑ نے یہ پتھر لا کر رکھ دیا اور حضرت ابراہیمؑ اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرنے لگے۔ حضرت اسماعیلؑ بدستور پتھر پکڑاتے جاتے تھے اور دونوں بیک زبان کہہ رہے تھے لے ہمارے رب تو ہم سے قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ کی تولیت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس تھی اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی۔ آپ کی اولاد حجاز میں بکثرت پھیل گئی تھی اور کئی صدیوں تک ابراہیم و اسماعیل کے دین ——— دینِ اسلام ——— پر

قائم رہی، حتیٰ کہ آخری دور میں عمرو بن لحی نے دینِ ابراہیم میں تحریف کر کے شرک کی داغ بیل ڈال دی۔ عمرو بن لحی کا قصہ عنقریب تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

حضرت اسحاق علیہ السلام شام میں سکونت پذیر رہے بنی اسرائیل اور رومی انہی کی اولاد ہیں البتہ بنی اسرائیل کے باپ حضرت یعقوب بن اسحاق ہیں ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ہی اسرائیل ہیں ۔ جب کہ رومی عیص بن اسحاق کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو بے پایاں نوازشیں فرمائیں۔ ان میں سے یہ بطورِ خاص قابل ذکر ہے کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی انبیاء کرام مبعوث فرمائے سبھی آپ ہی کی اولاد میں سے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ۔ [1]	اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی۔

یہ سب انبیاء کرام حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تشریف لائے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کی طرف مبعوث فرمایا جب کہ سابقہ انبیاء کرام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف تشریف لاتے رہے علاوہ ازیں اور بھی بے شمار خصوصیات ہیں۔ جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے سرور دنیا و دیں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ انبیاء کرام پر شرف و فضیلت سے سرفراز فرمایا۔

عمرو بن لحی کے دین ابراہیم کو تبدیل کرنے اور شرک کی داغ بیل ڈالنے کا قصہ یہ ہے کہ ابتداء میں یہ آدمی صدقہ و خیرات نیکی و بھلائی اور دینی امور میں دلچسپی لینے کی وجہ سے نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا حتیٰ کہ انہی اوصاف کی وجہ سے لوگوں نے اسے بادشاہ تسلیم کر کے مکہ کی حکومت اور بیت اللہ شریف کی تولیت اس کے ہاتھ میں دے دی کیونکہ لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ یہ بہت بڑا عالم و فاضل اور ولی اللہ ہے اتفاق سے اسے شام کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس نے وہاں دیکھا کہ شامی بتوں کی پوجا پاٹ

---

[1] العنکبوت ۲۷۔

کرتے ہیں؛ چنانچہ اس نے بھی بت پرستی کو نہایت مستحسن سمجھا اور خیال کیا کہ شام چونکہ انبیاء کرام کی سرزمین ہے اور اس میں یہ کام کیا جا رہا ہے تو یقیناً اچھا ہوگا؛ چنانچہ جب وہ مکہ واپس لوٹا تو اپنے ساتھ "ہبل" نامی ایک بت بھی لیتا آیا اور اسے بیت اللہ میں رکھ دیا اور لوگوں کو اس کی عبادت کی دعوت دی۔ مکہ کے لوگوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا اور شرک شروع ہو گیا۔ مکہ کے لوگ چونکہ حرم اور بیت اللہ کی تولیت کی وجہ سے محترم سمجھے جاتے تھے اور اہل حجاز ان کے تابع تھے لہٰذا جب انہوں نے مکہ کے لوگوں کو بت پرستی میں مصروف پایا تو انہوں نے بھی اسے حق سمجھتے ہوئے اپنا لیا۔ اس طرح یہ باطل سارے حجاز میں پھیل گیا، جس کے ابطال اور دین ابراہیمی کے احیاء کے لیے اللہ تعالیٰ نے سید الاولین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

زمانہ جاہلیت کے لوگ بت پرستی میں مبتلا تھے اور ان میں ابراہیمی دین کے بھی کچھ آثار موجود تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عمرو بن لحی کی جاری کردہ بت پرستی دین ابراہیمی کے خلاف نہیں بلکہ یہ تو بدعتِ حسنہ ہے، حتیٰ کہ بنو نزار نے تلبیہ ہی اس طرح کہنا شروع کر دیا تھا۔

لبیك، لا شریك لك الا شریكا ھو لك، تملكه وما ملك۔	اے اللہ! ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جسے تو نے خود اپنا شریک بنا لیا ہے۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے۔

اسی کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ	وہ تمہارے لیے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن (لونڈی غلاموں) کے تم مالک ہو وہ اس (مال) میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے تمہارے شریک ہیں؟ اور (کیا) تم ان سے اس طرح

كَخِيفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ [1]

ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو؟ اسی طرح ہم عقل والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں

سب سے قدیم بت "منات" تھا، جسے قدید میں ساحل سمندر پر نصب کیا گیا تھا۔ اور تمام اہل عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اوس و خزرج تو اس کی تعظیم حد سے زیادہ کرتے تھے، اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا [2]

بے شک (کوہ) صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ کہ دونوں کا طواف کرے۔

پھر عربوں نے طائف میں "لات" کا بت بنالیا۔ لات کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ درحقیقت ایک نیک آدمی تھا، جو کہ حجاج کو ستو پلایا کرتا تھا۔ جب فوت ہو گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کی پوجا شروع کر دی۔ اسی طرح مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں "عزیٰ" کی بھی عبادت کی جانے لگی۔ یہی تین ان کے سب سے بڑے بت تھے۔ پھر جب شرک کی بیماری خوب پھیل گئی، تو لوگوں نے بت بھی بکثرت تراش لیے حتیٰ کہ سارا حجاز بت پرستی میں مبتلا ہو گیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے کئی گھر بھی بنا رکھے تھے۔ جس کی کعبہ کی طرح تعظیم کیا کرتے تھے، الغرض نہایت گمراہی میں مبتلا تھے۔ اور سچ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کیا کرتے اور (خدا کی)

---

[1] الروم ۲۸ [2] البقرۃ ۱۵۸

وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [1]	کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

اور ان حالات میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا تو وہاں کے عالموں، عابدوں، بادشاہوں اور عام لوگوں نے نہایت شدت کے ساتھ مخالفت کی حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ ابتدا اسلام میں آپ کے ساتھ کون تھا تو آپؐ نے فرمایا ایک آزاد اور ایک غلام یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما۔

اس تمام سرگزشت سے مقصود صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کس قدر مبنی برحق وصداقت ہے کہ

بدأ الاسلام غريبا وسيعود غريبا كما بدأ۔	اسلام کا آغاز غربت میں ہوا اور عنقریب غربت کی حالت میں لوٹے گا۔ جیسے کہ آغاز ہوا تھا۔

اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

لتتبعن سنن من كان قبلكم حذو القذة بالقذة حتى لو دخلوا جحر ضب لدخلتموه قالوا يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) اليهود والنصارى قال فمن؟	تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی ٹھیک اسی طرح اتباع کرو گے۔ جیسے جوتے کا ایک تلوہ دوسرے کے بالکل برابر ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اگر گوہ کی بل میں داخل ہوئے تو تم بھی یقیناً داخل ہو گے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! پہلے لوگوں سے مراد کیا یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ نہیں تو اور کون؟

---

[1] آل عمران ۱۶۴

اسی طرح آپ کا یہ ارشاد بھی خصوصی غور و فکر کا متقاضی ہے کہ :-

ستفترق هذه الامة على ثلاث و سبعين فرقة كلها في النار الا واحدة.	یہ امت تہتّر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی۔ اور ایک کے سوا سب جہنم رسید ہوں گے۔

یہ مسئلہ سب سے بڑا مسئلہ ہے، جو اسے صحیح طور پر سمجھ لے وہی درحقیقت فقیہہ ہے اور جو اس کے مطابق عمل کرے وہی سچا مسلمان ہے۔ اللہ رب العزت کے حضور نہایت عاجزانہ دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو اس مسئلہ کا فہم عنایت فرمائے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق سے بھی شادکام فرمائے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے جب بیت اللہ شریف کو تعمیر کیا تو اس کی تولیت حضرت اسماعیلؑ اور ان کی اولاد کے پاس تھی؛ البتہ بعد میں ان کے ماموؤں نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اور بنی اسماعیل نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ کیونکہ ایک تو ان کے پیش نظر اپنے ماموؤں کی قرابت اور عزت تھی اور دوسری بات یہ کہ وہ مکہ مکرمہ میں جدال و قتال نہیں چاہتے تھے لیکن بنو جرہم نے جب سرکشی کی راہ اختیار کر لی اور مکہ مکرمہ میں ظلم و تشدد کا بازار گرم کر دیا، تو بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ اور غبشان جن کا تعلق بنو خزاعہ سے ہے ــــ نے ان کے خلاف متعدد محاذ قائم کر کے لڑائی شروع کر دی اور میدان انہی کے ہاتھ رہا۔ لہٰذا بنو جرہم کو انہوں نے مکہ مکرمہ سے جلا وطن کر دیا۔ مکہ کو زمانہ جاہلیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عنایت فرما رکھا تھا کہ ظالموں کو یہاں استحکام نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔ جب بھی کسی نے یہاں بغاوت کی راہ اختیار کی اسے فوراً جلا وطن کر دیا گیا اور جس بادشاہ نے بھی مکہ مکرمہ کی بے حرمتی کا ارادہ کیا، وہ تباہ و برباد ہو گیا۔

غبشان اور بنو بکر کو جب بنو جرہم کے مقابلہ میں فتح نصیب ہوئی، تو بیت اللہ کے متولی غبشان بنے، بنو بکر نہ بن سکے۔ قریش کا شیرازہ ان دنوں منتشر تھا اور ان کا خاندان

یعنی بنو کنانہ مختلف گروہوں میں منقسم تھا لہٰذا بیت اللہ کی تولیت نسلاً بعد نسلٍ بنو خزاعہ میں رہی حتیٰ کہ ان کے آخری متولی حلیل بن حبشیہ کے حبالہ عقد میں قصی بن کلاب نے اپنی بیٹی دے دی۔

جب قصیؔ کو عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا اور مال و اولاد کی بھی فراوانی ہوگئی تو اتفاق سے انہی دنوں حلیل کا انتقال ہوگیا۔ قصیؔ نے سوچا کہ خزاعہ اور بنو بکر کے بجائے کعبہ کی تولیت اور مکہ مکرمہ کی امارت کا وہ زیادہ مستحق ہے کیونکہ قریشیوں کا تعلق آلِ اسماعیل سے ہے؛ چنانچہ اس نے قریش اور کنانہ کے بعض آدمیوں سے اس موضوع پر گفتگو بھی کی کہ خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ مکرمہ سے نکال دینا چاہیے۔ سب نے قصی کی رائے سے اتفاق کیا۔

غوث بن مرہ بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر عرفہ کے دن لوگوں کو حج کی اجازت دیا کرتا تھا۔ اور بعد میں یہ منصب ان کی اولاد کے پاس رہا۔ دراصل بات یہ تھی کہ ان کی والدہ جن کا تعلق جرہم خاندان سے تھا ــــــ کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی، اس نے نذر مانی کہ اگر اس کے ہاں بچہ ہوا تو خدمتِ کعبہ کے لیے اسے وقف کر دے گی؛ چنانچہ اس کے ہاں جب غوث نے جنم لیا تو وہ اپنے ماموؤں کے ساتھ کعبہ کی خدمت کرنے لگا اور اس کے ذمہ ڈیوٹی یہ لگائی گئی کہ وہ لوگوں کو حج کی اجازت دیا کرے؛ چنانچہ وہ کہا کرتا تھا ــــ

اللھم انی تابع تباعۃ
ان کان إثما فعلی قضاعۃ

ترجمہ: اے اللہ میں تو صرف نقشِ قدم پر چلنے والا ہوں اور اگر اس سلسلہ میں کوئی گناہ ہو تو وہ قضاعہ پر ہونا چاہیے۔

صوفہ کے لوگ عرفہ سے دوسروں کے ساتھ ہی واپس آتے تھے اور لوگ جب منیٰ سے کوچ کرتے تو یہ انہیں رخصت کرتے تھے۔ کوچ کے دن لوگ رمی جمار کیا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت تک رمی جمار نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ صوفہ کا کوئی

فرد آغاز نہ کرتا۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ عجلت پسند لوگ آکر صوفہ کے لوگوں سے کہتے کہ رمی جمار شروع کرو تاکہ ہم بھی اس سے فارغ ہو کر رخصت ہو جائیں۔ لیکن یہ جواب دیتے کہ نہیں بخدا! ابھی نہیں۔ جب آفتاب زوال پذیر ہو گا اس وقت رمی کریں گے اور جب آفتاب زوال پذیر ہو جاتا تو یہ رمی کرتے اور ان کی اتباع میں دوسرے لوگ بھی رمی جمار کرتے جب رمی سے فارغ ہو کر لوگ منی سے رخصت ہونے کا ارادہ کرتے تو صوفہ کے لوگ راستہ کے دونوں طرف کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کوئی راستہ سے نہ گزرتا، جب تک یہ اجازت نہ دیتے۔ جب صوفہ کا زور ٹوٹا تو بنی تمیم کے بنو اسعد بن زید مناۃ نے ان کی جگہ لے لی۔

مزدلفہ سے افاضہ کے احکام "عدوان" کے پاس تھے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے سے منتقل ہوتے ہوئے اس خاندان کے آخری رہنما کرب بن صفوان بن جناب تک پہنچ گئے۔ یہ وہی آدمی ہے جس پر اسلام کو غلبہ نصیب ہوا تھا۔ اس سال صوفہ نے بھی وہ کام سرانجام دیا جو زمانہ قدیم میں ان کا معمول تھا۔ چنانچہ عربوں نے بھی معلوم کر لیا کہ یہی اُن کا دین ہے۔ جو جرہم اور خزاعہ کے دور سے چلا آرہا ہے۔ قصیؒ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے ساتھ قریش، قضاعہ اور کنانہ کے سرکردہ افراد کو لے کر مقام عقبہ میں ان کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا کہ تمہارے بجائے اس کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ یہ سن کر صوفہ لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ قصیؒ نے ان کے ساتھ لڑائی کی۔ فریقین کے بہت سے آدمی تہ تیغ ہوئے بالآخر صوفہ کو شکست ہوئی اور میدان قصی کے ہاتھ رہا اور وہ ان تمام امور پر قابض ہو گیا، جن پر صوفہ کا قبضہ تھا قصیؒ کی فتح و نصرت کو دیکھ کر خزاعہ اور بنو بکر بھی کعبہ اور مکہ کی تولیت سے دست بردار ہو گئے کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ اگر انہوں نے مزاحمت کی تو قصی، صوفہ کی طرح انہیں بھی شکست سے دوچار کر دے گا۔ البتہ کچھ لوگوں نے آسانی سے قصی کی حکمرانی کو تسلیم کرنے کے بجائے جنگ کو ترجیح دی اور شدید جنگ ہوئی جس میں فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے بالآخر سب قصی سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے بنو بکر کے ایک سردار یعمر بن عوف کو اپنا منصف تسلیم کر لیا۔ یعمر نے فیصلہ کیا کہ خزاعہ کے بجائے

قصی کعبہ اور مکہ کا متولی ہو گا۔ قصی نے ان کا جس قدر خون بہایا ہے، وہ سب قصی سے پاؤں تلے۔ البتہ خزاعہ اور بنو بکر نے جو خوں ریزی کی ہے، اس کی انہیں دیت دینی پڑے گی۔ اسی دن سے یعمر کو یعمر الشداخ کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔

قصی نے مکہ مکرمہ کا متولی بننے کے بعد، متفرق مقامات پر بکھری ہوئی اپنی قوم کو مکہ میں جمع کیا۔ انہوں نے بھی اسے اپنے حکمران کے طور پر تسلیم کر لیا۔ قصی نے عربوں کے تمام رسوم و رواج کو برقرار رکھا، اس کا خیال تھا کہ ہمارے مذہب میں کسی قسم کی تبدیلی روا نہیں۔ اس نے نساۃ، آل صفوان، عدوان اور مرہ بن عوف کو بھی اپنے اپنے رسم رواج پر باقی رکھا۔ حتی کہ اسلام نے آکر ان سب رسوم کا خاتمہ کر دیا۔ قصی کے متعلق شاعر نے کہا تھا ؎

قصی لعمری کان یدعی مجمعا

بہ جمع اللہ القبائل من فہر

ترجمہ:۔ میری عمر کی قسم! قصی کو "جمع کرنے والے" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اس وجہ سے کہ ان کی بدولت اللہ تعالیٰ نے خاندانِ فہر کے مختلف قبائل کو جمع کر دیا تھا۔

قصی بن لؤی کو جب حکومت ملی اور ساری قوم اس کی اطاعت گزار بن گئی تو حجابہ سقایہ، رفادہ، ندوہ اور لواء کے امور اس نے اپنے ذمہ لے لیے تھے اور اس نے مکہ مکرمہ کو مختلف بلاکوں میں تقسیم کر کے ہر بلاک میں اپنی قوم کے افراد کو آباد کیا۔

مکہ مکرمہ میں آبادی کے وقت جب لوگوں کو کچھ درخت کاٹنے کی ضرورت پیش آئی تو وہ درخت کاٹنے سے ڈرے لیکن قصی نے اپنے رفقاء کو ساتھ لے کر اپنے ہاتھوں سے درختوں کو کاٹ دیا۔ قریش انہیں "مجمع" کے لقب سے اس لیے پکارتے تھے کہ اس نے قریشیوں کے منتشر شیرازے کو ایک جگہ مجتمع کر دیا تھا، قریشی اپنے لیے قصی کو نہایت باعثِ برکت سمجھتے تھے۔ جب بھی انہیں کسی عورت یا آدمی کے بیاہ شادی کا مسئلہ درپیش ہوتا، کسی معاملہ میں مشورہ مطلوب ہوتا یا جنگ کے لیے پرچم کی تقریب ہوتی تو قصی کے گھر میں جمع ہو جاتے تھے۔

قصی کی ہر بات اس کی زندگی میں بلکہ پسِ مرگ بھی قریشیوں کے لیے دینی امور کی طرح واجب الاتباع سمجھی جاتی تھی۔ امور کے تصفیہ کے لیے اس نے دار الندوہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ جب قصی سن رسیدہ ہوا تو عبد مناف کو بھی کافی قدر و منزلت نصیب ہو چکی تھی البتہ عبد الدار کو ابھی تک کوئی قابلِ ذکر مقام حاصل نہ ہوا تھا۔ لہٰذا قصی نے اُسے کہا کہ اگرچہ تیرے بھائی شرف اور بزرگی میں تجھ سے بڑھے ہوئے ہیں لیکن میں تجھے بھی انہیں کے ساتھ ملا دیتا ہوں۔ لہٰذا سنو!

- اب کوئی کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ جب تک آپ دروازے کو نہ کھولیں گے۔
- جنگ کے لیے قریشیوں کے جھنڈے کو تمہارے سوا کوئی نہیں باندھے گا۔
- مکہ میں ہر آدمی صرف تمہارے ہی مشکیزے سے پیئے گا۔
- موسم حج میں تمام لوگ تمہارا کھانا کھائیں گے۔
- قریشی اپنے تمام امور کا فیصلہ صرف تمہارے گھر میں کریں گے۔

گویا قصی نے دار الندوہ، حجابہ، لوار، سقایہ اور رفادہ انہیں سونپ دیا تھا۔

رفادہ کا مطلب یہ تھا کہ قصی نے قریشیوں پر فرض قرار دے رکھا تھا کہ موسم حج میں وہ اپنے مال کا کچھ حصہ اس کے پاس جمع کرایا کریں تاکہ حجاج کے کھانے کا بندوبست کیا جا سکے قصی کے اس حکم کے الفاظ یہ تھے۔

"قریشیو! تم اللہ کے پڑوسی اور اس کے گھر کے محافظ ہو۔ حجاج اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اور یہ مہمان سب سے زیادہ معزز ہیں لہٰذا جتنے دن وہ قیام پذیر رہیں۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام تمہارے ذمہ ہے۔"

قریشیوں نے قصی کے اس حکم کی پوری پوری اطاعت کی کیونکہ کوئی آدمی اس کی مخالفت نہیں کیا کرتا تھا اور نہ ہی کوئی آدمی اس کے کسی کام کی تردید کر سکتا تھا قصی کے انتقال کے بعد اس کے صاحبزادے اس کے نقشِ قدم پہ چلتے رہے اور ان کے مابین کوئی اختلاف نہ تھا۔

کچھ عرصہ بعد بنو عبد مناف نے ارادہ کیا کہ عبد الدار سے ان تمام امور کو چھین لینا

چاہیے کیونکہ وہ ان کے زیادہ حقدار ہیں۔ انہوں نے جب اس عزم کا اظہار کیا تو قریش دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ بنی عبد مناف کا حامی تھا۔ تو دوسرا عبد الدار کا اس وقت بنی عبد مناف کا سربراہ عبد شمس تھا۔ کیونکہ وہ سب سے معمر تھا اور بنی عبدالدار کا سربراہ عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار تھا۔ ہر گروہ نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے بڑی قسمیں اٹھائیں۔ عبد مناف کے لوگوں نے ایک برتن کو خوشبو سے بھرا اس میں اپنے ہاتھ ڈبوئے اور اس خوشبو کو کعبہ پر مل دیا۔ یہ گویا قسموں کی پختگی اور مر مٹنے کے عزم کا اظہار تھا اس رسم پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کا نام "مطیبین" پڑ گیا۔ عبد الدار کے لوگوں نے اپنے حلیفوں کے ساتھ عہد و پیمان کی تجدید کی، لہٰذا انہیں "احلاف" کہا جانے لگا۔ لیکن یہ لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی اور دونوں فریق صلح پر آمادہ ہو گئے صلح کی شرائط یہ طے پائیں کہ سقایہ اور رفادہ عبد مناف کو دے دیا جائے لیکن حجابہ لواء اور ندوہ بدستور خاندانِ عبد الدار کے پاس رہے، چنانچہ دونوں فریق اس پر راضی ہو گئے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے گم گشتہ راہ انسانیت کی ہدایت کے لیے دینِ اسلام کو بھیجا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کل حلف فی الجاھلیۃ لم یزدہ الاسلام الا شدۃ — جاہلیت کے ہر حلف کو اسلام نے مزید سخت کر دیا ہے۔

حلف الفضول کے موقعہ پر بنو ہاشم، بنو مطلب، اسد بن عبد العزیٰ، زہرہ بن کلاب اور تیم بن مرہ، عبد اللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ بزرگ بھی تھے۔ اور معمر بھی اور فیصلہ کیا تھا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم ہوگا۔ خواہ مکہ کا باشندہ ہو یا کوئی غریب شہری اس کا اس وقت تک ساتھ دیں گے، جب تک اس پر کیے گئے ظلم کا بدلہ نہیں لے لیتے۔ زبیر بن عبد المطلب نے اس واقعہ کو شعر کے سانچے میں یوں ڈھالا۔

ان الفضول تحالفوا وتعاقدوا ان لا یقیم ببطن مکۃ ظالم
امر علیہ تحالفوا وتعاقدوا فالجار والمعتر فیھم سالم

ترجمہ: فضل نامی کئی شخصیتوں نے مل کر حلفیہ طور پر عہد و پیمان کیا کہ اب مکہ میں کسی ظالم کو قرار

نصیب نہ ہو سکے گا۔ انہوں نے اس بات پر بھی حلفیہ عہد و پیمان باندھا کہ اب سے مکہ کے باشندے اور یہاں وارد ہونے والے غریب شہر سب امن و سلامتی سے زندگی بسر کریں گے۔

بعد میں سقایہ اور رفادہ ہاشم بن عبد مناف کے پاس منتقل ہو گئے کیونکہ عبد شمس ہمیشہ سفر میں رہتے تھے اور مکہ میں کم ہی رہتے تھے، ان کی اولاد تو بہت تھی۔ لیکن زیادہ دولت مند نہ تھے البتہ ہاشم صاحب ثروت تھے، انہوں نے موسم گرما اور سرما کے دو الگ الگ سفروں کو اختیار کیا تھا، مکہ میں سب سے پہلے ثرید بھی انہوں نے کھلایا؛ چنانچہ بعض شعراء نے اس کا تذکرہ کیا ہے ؎

عمرو الذی هشم الثرید لقومه
قوم بمكة مسنتين عجاف [1]

ترجمہ:۔ عمرو وہ ہے جس نے روٹیاں توڑ توڑ کر اور شوربے میں بھگو بھگو کر اپنی اس قوم کو کھلائیں جو کہ مکہ میں قحط کی وجہ سے دبلی پتلی ہو گئی تھی۔ اور کھانے کی بڑی مشتاق تھی ہاشم کے انتقال کے بعد مطلب بن عبد مناف کے حصہ میں سربراہی آئی، مطلب نہایت عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور سخاوت کی وجہ سے فیاض کے نام سے موسوم تھے۔ ہاشم نے مدینہ میں بنی نجار کی خاتون سلمی بنت عمرو سے شادی کی تھی جن کے بطن سے عبد المطلب پیدا ہوئے تھے۔ عبد المطلب جب جوان ہوئے تو ہاشم مدینہ گئے تاکہ انہیں اپنے پاس مکہ لے آئیں۔ لیکن عبد المطلب کی والدہ نے انکار کر دیا۔ ہاشم نے کہا کہ میں تو اسے اس لیے لینے آیا ہوں کہ اپنے باپ کی حکومت کو سنبھال لے۔ یہ سن کر اس نے اجازت دے دی۔ اور ہاشم اسے اپنے پاس مکہ لے آیا۔ اور تمام امور اس کے سپرد کر دیئے۔ چنانچہ یہ بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تمام امور سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہونے لگے بلکہ شرف و بزرگی کے اس مقام پر پہنچ گئے جس پر بزرگوں میں سے کوئی بھی نہ پہنچا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خاندان کے تمام افراد انہیں نہایت

---

[1] یہ شعر عبداللہ بن الزبعری کا ہے۔

محبت اور عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

اب ہم صرف اہم واقعات کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے جلد اصل موضوع کی طرف آنے کی کوشش کریں گے۔ غور فرمایئے کہ چاہِ زمزم کا قصہ اپنے دامن میں کس قدر عجائبات سمیٹے ہوئے تھا۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی جو نذر مانی تھی، اس میں کس قدر عجائبات مخفی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے پہلے اور بعد اور ایام رضاعت میں جو واقعات پیش آئے، ان میں کس قدر درس موعظت تھا، والدہ محترمہ، دادا جان اور چچا جان کے یکے بعد دیگرے کفالت کرنے میں کیا کیا حکمتیں مخفی تھیں۔ بحیرہ راہب سے پیش آنے والا واقعہ کس قدر تعجب انگیز تھا۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے آپ کے ساتھ سفر کے بعد کے تاثرات، خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ورقہ کے پاس آپ کا ذکر خیر اور ورقہ کا کہنا کہ ؎

لججت وکنت فی الذکری لجوجا
لھم طالما بعث النشیجا [1]

کس بات کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بنا رکعبہ کے وقت حجر اسود کے سلسلہ میں قریشیوں کے جھگڑا کا نہایت تدبر سے فیصلہ فرمانا، کس بات کی دلیل تھا۔

پھر حمس کا معاملہ بھی غور طلب تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قریشیوں نے ایک نئی بات شروع کر دی۔ کہنے لگے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں، حرم کے باشندے ہیں اور بیت اللہ کے متولی، جتنے حقوق ہمارے ہیں دیگر عربوں کے نہیں۔ لہذا جتنی تعظیم حرم کی ہے، حل میں سے کسی اور مقام کی نہیں ہونی چاہیے۔ بنا بریں انہوں نے وقوف عرفہ اور افاضہ ترک کر دیا۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں اور دین ابراہیم میں ان کی تعظیم کا ثبوت موجود ہے لیکن انہوں نے کہا کہ دیگر عربوں

[1] تمہاری یاد کی وجہ سے میں ہمیشہ غموں میں مستغرق رہا حتیٰ کہ شدت غم نے بارہا مجھ پر گریہ زاری کی کیفیت بھی طاری کی۔

کو عرفہ میں وقوف اور وہاں سے افاضہ (عرفات سے مزدلفہ آنا) کرنا چاہیئے ہم حمس[1]، اہل حرم کی علوِ شان کے منافی ہے کہ ہم حرم سے باہر نکلیں۔ پھر اس امر میں وسعت پیدا کرتے ہوئے انہوں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ یہ اعزاز ان تمام لوگوں کو بھی حاصل ہو گا جو اہل حرم عربوں کی اولاد میں سے ہیں، خواہ وہ حرم میں رہتے ہوں یا حرم سے باہر، چنانچہ کنانہ اور خزاعہ اسی وسعت کے باعث اس (خود ساختہ) اعزاز کے مستحق بنے۔ اسی پر بس نہیں پھر انہوں نے کچھ اور نئی باتوں کو بھی ایجاد کیا۔ کہنے لگے کہ حمس کے لیے حالتِ احرام میں پنیر اور مکھن کا استعمال جائز نہیں۔ بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں داخل نہیں ہو سکتے بلکہ صرف چمڑے سے بنے ہوئے خیموں کے سایہ میں بیٹھیں گے۔ اسی طرح حرم کے باہر سے آنے والے لوگوں پر انہوں نے پابندی لگا دی کہ حرم میں وہ اپنے لائے ہوئے سامانِ خورد و نوش کو استعمال نہیں کر سکتے۔ نیز حج یا عمرہ کی غرض سے آنے والے پہلا طواف صرف حمس کے لباس ہی میں کر سکتے ہیں۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو پھر عریاں طواف کریں یا اپنے کپڑوں میں طواف کریں لیکن طواف کے بعد انہیں اتار پھینکیں اور کوئی بھی انہیں استعمال کرنے کا مجاز نہیں۔ اس رسم کو انہوں نے "لقی" کا نام دیا اور سب عربوں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ سب نے اسے تسلیم کر لیا۔ آدمیوں نے تو بالکل برہنہ طواف شروع کر دیا۔ اور عورتیں بھی ایک چھوٹی سی قمیص کے سوا سب کپڑے اتار کر طواف کیا کرتی تھیں۔ ایک عورت نے تو طواف کرتے ہوئے بے ساختہ

---

[1] حمس کا لفظ تحمس سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ترفع اور علو مرتبت کے قصد سے دین میں تشدد کی راہ اختیار کرنے کے ہیں۔ قریش بھی اس نام سے اسی وجہ سے موسوم ہوئے کہ انہوں نے بھی لوگوں کی مخالفت کرتے ہوئے دین میں تشدد کی راہ اختیار کی تاکہ شرف اور علو شان میں دوسروں سے بڑھ جائیں۔ گویا یہ لوگ قریش کے صوفیاء کا گروہ تھا۔

یہ شعر بھی کہہ دیا تھا۔[1]

الیوم یبدو بعضہ او کلہ
وما بدا منہ فلا احلہ

اسی قسم کے رسم و رواج کے وہ پابند تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دینِ اسلام سے سرفراز فرمایا تو یہ حکم دے دیا کہ۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔[2] — پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو۔

لباس کے سلسلہ میں فرمایا

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا۔[3] — اے بنی آدم ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے)

نیز فرمایا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔[4] — اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے تیئں مزیّن کیا کرو۔

اسی طرح شیاطین کا رجم کیا جانا، کاہنوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دینا۔ سورہ جن کا نزول اور جنوں کے ایمان لانے کا قصہ بھی آپ کی نبوت کی بہت بڑی دلیل تھا۔ یہود مدینہ کے لوگوں کو ڈراتے تھے کہ پیغمبر آخر الزماں کی آمد آمد ہے۔ وہ ہماری مدد فرمائیں گے تو پھر ہمیں تم پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ یہود تو ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث اسلام نہ لا سکے البتہ ان کی یہ بات انصار کے اسلام لانے کا سبب بن گئی؛ چنانچہ

---

[1] سہیلی نے لکھا ہے کہ یہ بنو سلمہ بن قشیر کی عورت ضباعہ بنت عامر بن صعصعہ تھی۔ قریشیوں نے دراصل اس رسم کو اس لیے ایجاد کیا تھا تاکہ وہ حاجیوں کے ہاتھ کپڑے فروخت کر کے منہ مانگی قیمت وصول کر سکیں اور جب انہوں نے قیمتیں بہت زیادہ بڑھا دیں کہ لوگ خریدنے سے عاجز آ گئے تو پھر انہوں نے برہنہ طواف کرنے کا حکم دے دیا [2] البقرہ ۱۹۹ [3] الاعراف ۲۶ [4] ایضاً ۳۱۔

قرآن مجید میں بھی اسے بیان کیا گیا ہے۔ ابن الہیبان کا قصہ بھی مشہور ہے کہ اس نے یہودیوں سے پوچھا تھا کہ "اے گروہ یہود! ذرا بتاؤ تو سہی کہ میں شراب اور غلہ کی فراوانی والی زمین کو ترک کر کے افلاس اور بھوک کی اس زمین میں کیوں آیا ہوں؟ پھر خود ہی کہنے لگا کہ میں اس شہر میں اس لیے آیا ہوں کہ مجھے اس پیغمبر کا انتظار ہے، جن کی آمد آمد ہے اور اسی شہر میں وہ ہجرت کر کے تشریف لائیں گے"۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا ایمان لانا اور ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن حجش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو بن نفیل کا شرک سے بیزار ہو کر دین حق کی تلاش میں نکلنا گویا اس بات کی دلیل تھا کہ اب اللہ کی رحمت کا نزول ہونا ہی چاہیے۔

پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا اپنے پیروکاروں کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وصیت کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ کا تمام انبیاء کرام سے یہ عہد و پیمان لینا کہ تم نے آپؐ پر ایمان لانا ہوگا۔ آپ کی مدد کرنا ہوگی۔ (اگر تمہاری زندگی میں بعثت ہو) اور پھر اس عہد و پیمان کو آگے اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دینا ہوگا۔ یہ سب آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔ اس عہد و میثاق کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی ذکر فرمایا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ ۔ | اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کے آغاز کا قصہ صحیحین میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ سب سے پہلی وحی جو نازل ہوئی وہ یہ تھی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ | (اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝[1] | ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جن کا اس کو علم نہ تھا۔

پھر یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔

---

[1] سورہ علق آیت ۱-۵

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ○ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ○ [1]

اے (محمدؐ) جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو اٹھو۔ اور ہدایت کرو اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور ناپاکی سے دور رہو اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو اور اپنے پروردگار کے لیے صبر کرو۔

جسے معلوم ہو کہ یہ پہلی آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائیں، اسے بخوبی علم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے لوگوں کو شرک سے منع کیا ہے حتیٰ کہ ماؤں اور بہنوں سے نکاح کی حرمت سے قبل شرک کی حرمت کے احکام نازل فرمائے۔ اور وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ فرما کر نماز وغیرہ کے احکام سے قبل توحید کا حکم دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر مغضوب اور توحید کس قدر محبوب ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا اور دین کی دعوت پیش کی تو بہت کم لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور ابتدا میں اکثریت نے آپ کی اتباع کی اور نہ انکار کیا لیکن جب آپ نے مکہ کے لوگوں کے غلط دین پر تنقید کی اور ان کے بتوں کی برائی شروع کی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے زبردست مخالف ہو گئے اور اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے آلام ومصائب کا تختۂ مشق بنانا شروع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین کا یہ بھی تقاضا ہے کہ جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوں، ان سے عداوت رکھی جائے اور ان کے غلط دین کو پسندیدہ نگاہوں سے نہ دیکھا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکینِ مکہ کی چپقلش ایک طویل داستان ہے۔ اس داستان کے بعض گوشوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا ہے۔ سب سے مشہور قصہ

---

[1] سورہ المدثر آیت ۱۔۷

ابوطالب کا ہے۔ ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی جان، مال، اہل وعیال اور خاندان کے ذریعہ مدد کی اور اس سلسلہ میں بے پناہ آلام ومصائب کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا ابوطالب آپؐ کو راست باز سمجھتے تھے، آپؐ کے دین کی تعریف میں بھی رطب اللسان تھے اور آپؐ کے دشمنوں سے عداوت رکھتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود وہ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے اور انہوں نے آباؤ اجداد کے دین کو نہ چھوڑا۔ جب ان کا انتقال ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے استغفار کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت مبارکہ نازل فرماکر اس سے منع فرمادیا۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ؑ	پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہوگیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں۔ تو ان کے لیے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔

ذرا غور فرمائیے کہ اس واقعہ میں کس قدر واضح عبرت کتنی بلیغ نصیحت اور کس قدر وضاحت وصراحت ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو اپنے آپ کو اہل حق میں سے تو سمجھتے ہیں لیکن کسی دنیوی غرض کا شکار ہو کر حق کی اتباع نہیں کرتے۔

اسی طرح اس واقعہ پر بھی غور فرمائیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی موجودگی میں سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی اور تلاوت کرتے کرتے اس آیت پر پہنچے۔

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ؒ	بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں خدا کے ہو سکتے ہیں)

تو شیطان نے آپ کی تلاوت میں ان الفاظ کو بھی شامل کر دیا۔

تلک الغرانیق العلی	یہ جو اونچے اونچے بُت کھڑے کیے ہوئے
فان شفاعتهن	ہیں۔ خدا کے حضور ان کی شفاعت کی بھی

ؑ توبہ ۱۲: ۱۱۳ ؒ سورۃ النجم آیت ۱۹-۲۰

لترتجی - امید ہے۔

کفار نے سمجھا کہ شاید یہ کلمات فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائے ہیں لہٰذا انہوں نے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا اور چھوٹے بڑے تمام لوگوں نے ان کلمات کو سیکھ لیا اور بعض نے علی الاعلان یہ کہنا شروع کر دیا کہ بس اب ہمارا جھگڑا ختم، ہم اس بات کا تو اقرار کرتے ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ خالق و رازق اور تمام امور کا مدبر ہے۔ ہمارا مطالبہ صرف یہ تھا کہ ان بتوں کو بھی تسلیم کر لیا جائے کیونکہ یہ خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اب جب کہ آپ نے اس بات کو تسلیم فرمالیا ہے تو ہمارا کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔ یہی وجہ تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ کی آیت تلاوت پر پہنچ کر سجدہ فرمایا تو کفار بھی سجدہ ریز ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ یہ خبر سن کر وہ صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے، جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس ساری صورت حال کا علم ہوا تو آپ بہت غمگین ہوئے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں[1]۔

---

[1] افسوس کہ مصنف علام نے اس واقعہ کی اسنادی حیثیت کو پیش نظر نہیں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کچھ بھی کسی طرح بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ امام بزارؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے متعلق ہمیں نہیں معلوم کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل سند کے ساتھ مروی ہو۔ امام بیہقیؒ کہتے ہیں کہ یہ قصہ ازروئے علم روایت ثابت نہیں ہے۔ ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ زندیقوں کا بنایا ہوا ہے۔ امام رازیؒ اسے باطل اور موضوع قرار دیتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ جن روایات میں یہ قصہ مذکور ہے وہ سب مرسل یا منقطع ہیں۔ قاضی عیاض نے بھی لکھا ہے کہ کسی ثقہ نے اسے صحیح و متصل سند سے نہیں بیان کیا۔ اسی طرح علامہ عینیؒ، خطیبؒ اور سہیلیؒ وغیرہ بے شمار ائمہ نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ جو بات صحیح ہے وہ فقط اتنی ہے جو کہ "صحیح بخاری" میں ہے۔

عن ابن عباسؓ قال سجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنجم وسجد	حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں سجدہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۔۔۔۔ ۔۔۔ عَذَابَ يَوْمٍ عَقِيْمٍ[1]	اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اس کا یہ حال تھا کہ) جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا۔

جو اس قصہ کو پہچانتا ہو اور اسے آج کے مشرکوں کی بھی کیفیت کا علم ہو اور پھر وہ اسلام اور کفر کے درمیان تمیز نہ کر سکے تو کتنے تعجب کی بات ہے۔ یہ قصہ اس قدر واضح ہے کہ معمولی سے غور و فکر سے بھی تمام معاملہ عقل و شعور کی گرفت میں آسکتا ہے الا یہ کہ کسی کے قلب و سمع پر خدا تعالیٰ نے مہر لگا دی ہو اور اس کی آنکھوں پہ پردہ ڈال دیا ہو تو یہ الگ بات ہے۔ اس قسم کا آدمی بات سمجھنے سے قاصر رہتا ہے خواہ بزعم خود وہ کتنا ہی دانش مند ہو جیسا کہ بے توفیق صاحب فہم و ذکا لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ[2] الآیۃ۔	اور ہم نے ان کو ایسے مقدور دیتے تھے جو تم لوگوں کو نہیں دیتے اور انہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے تو جب کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے تو نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آسکے اور نہ آنکھیں اور نہ دل۔

معه المسلمون والمشركون والجن والانس۔	کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں جنوں اور انسانوں سب نے سجدہ کیا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ البدایۃ والنہایۃ فتح البیان ج ٦ ص ٢٠٠ - ٢٠٢، عمدۃ القاری ج ٩ ص ١٨١، الروض الانف ج ١ ص ٢٢٩ الشفاء ج ٢ وغیرھا۔ مترجم

[1] الحج ٥٢ - ٥٥ [2] الاحقاف ٢٦۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے غلبہ اور مسلمانوں کی سربلندی کا ارادہ فرمایا تو مدینہ طیبہ کے باشندوں یعنی انصار کو مشرف بہ اسلام ہونے کی توفیق بخش دی۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی کثرت تھی اور یہودیوں کے علماء یہ ہمیشہ ذکر کرتے رہتے تھے کہ یہ آخرالزماں پیغمبر کے ظہور کا زمانہ ہے جس کی یہ یہ صفات ہوں گی اور جب وہ تشریف لے آئے تو ہم ان کی اتباع کر کے تم پر یقیناً غلبہ حاصل کرلیں گے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ عزت اور فتح و نصرت اسی کی قدم بوسی کرے گی، جو اس پیغمبر کا اتباع کرے گا۔ اور اس کے مخالفوں کے حصہ میں ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ لہٰذا وہ پیغمبر آخرالزماں کے ظہور کے شدید متمنی اور منتظر تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی کرشمہ سازی ملاحظہ فرمایئے کہ جب آپ تشریف لے آئے تو ان بدطینت یہودیوں نے مخالفت کی راہ اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے اس بات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ۔ [1]	اور جب خدا کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آپہنچی تو اس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر خدا کی لعنت۔

جب انصار مشرف بہ اسلام ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ذلت کو عزت سے بدلنے کا سامان کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ	اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے۔ اور

[1] بقرہ آیت ۸۹۔

تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ [1] — ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اڑا (نہ) لے جائیں (یعنی بے خان ومان نہ کر دیں) تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی

ہجرت کے بے شمار فوائد ہیں اور مسائل بھی بہت ہیں لیکن سر دست ہم صرف ایک مسئلہ ذکر کریں گے اور وہ یہ ہے کہ کچھ مسلمانوں نے اہل وعیال، اعزہ واقارب اور وطن کی جدائی کو ناپسند کرتے ہوئے ہجرت نہ کی، تو ان سے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل خطاب فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ [2] — کہہ دو اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو خدا اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں۔ تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور جب قریشی جنگ بدر کے لیے نکلے تو یہ بھی بادل نخواستہ ان کے ساتھ نکلے اور جب ان میں سے بعض مسلمانوں کی تیر اندازی کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم نے تو اپنے بھائیوں کو قتل کر دیا؛ چنانچہ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ — جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں۔ تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے۔

---

[1] الانفال ۲۶ [2] التوبۃ ۲۴

فِی الْاَرْضِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز و ناتواں تھے

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وَکَانَ اللّٰہُ .... اور خدا معاف کرنے والا مہربان

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا[1] ۔ ہے۔

اپنے نفس کی بہتری چاہنے والوں کو اس قصہ پر غور فرمانا چاہیئے۔ کہ اس میں کس قدر درس عبرت ہے اگر وہ لوگ اپنی قوم کی خوشنودی کے لیے ظاہری طور پر قول و عمل سے کفر کا اظہار کرتے تو حضرات صحابہ کرامؓ اظہار افسوس نہ فرماتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلے نازل فرما چکے تھے کہ۔

مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ[2] جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے وہ نہیں جو کفر پر زبردستی مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

اگر صحابہ کرامؓ نے ان کے کسی ایسے قول و فعل کے متعلق سنا ہوتا جو انہوں نے کسی جبر و اکراہ کے بغیر مشرکوں کی خوشنودی کے لیے کہا یا کیا ہوتا تو وہ اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ نہ کہتے کہ ہم نے تو اپنے ہی بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ فرشتوں نے ان مقتولوں سے کہا۔

فِیْمَا کُنْتُمْ۔ تم کس حال میں تھے ؟

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تمہارا عقیدہ کیا تھا؟ یا یہ کہ تمہارے افعال کیسے تھے، بلکہ یہ پوچھا کہ فریقین میں سے تم کس کے ساتھ تھے؟ چنانچہ انہوں نے بھی جب معذرت کرتے ہوئے جواب دیا کہ

کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ۔ ہم ملک میں عاجز و ناتواں تھے۔

تو فرشتوں نے ان کی اس بات کی تکذیب نہیں کی بلکہ کہا کہ۔

اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً کیا خدا کا ملک فراخ نہیں تھا کہ تم اس میں

---

[1] النسآء ۹۷ – ۱۰۰ [2] النحل ۱۰۶

فَتُهَاجِرُوا فِيهَا۔ — ہجرت کر جاتے۔

اور اس کی مزید وضاحت اس جملہ سے بھی ہو جاتی ہے کہ:

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۔ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۔ [1]

ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے بے بس ہیں کہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ رستہ جانتے ہیں۔ قریب ہے کہ خدا ایسوں کو معاف کر دے اور خدا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔

اس سے مسئلہ کی انتہائی وضاحت ہو جاتی ہے کہ جب السابقون الاولون صحابہ کرام کا یہ حال ہے تو دوسروں کی تو بات ہی کیا؟ جب ان آیات سے مقصودِ خداوندی کو آپ سمجھ جائیں گے اور آج کے دین کے دعوے داروں کے نظریات پر بھی نظر رکھیں گے تو کئی امور از خود روشن ہوتے چلے جائیں گے مثلاً

ا۔ انسان طلبِ علم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، اس قسم کے مسائل غور و فکر کے بعد واضح ہوتے ہیں۔ جب یہ مسئلہ آیت کے نزول سے قبل صحابہ کرامؓ کے سامنے واضح نہ ہو سکا تو دوسروں کا ذکر کیا مذکور؟

(ب) ایمان وہ نہیں جسے آج لوگوں کی اکثریت ایمان سمجھتی ہے بلکہ ایمان تو یہ ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ حسن بصریؒ نے فرمایا:

"ایمان آرائش و زیبائش اور تمناؤں کا نام نہیں بلکہ ایمان وہ ہے جو دلوں میں پیوست ہو جائے اور اعمال اس کی تصدیق کریں"۔

ہماری بھی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نفع بخش علم عنایت فرمائے اور غیر نفع بخش علم سے بچائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے۔

"اے میرے بیٹے! کثرتِ مال و اولاد بہتری و بھلائی کی علامت نہیں بلکہ بہتری و بھلائی کی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو سمجھ سکو اور

---

[1] النساء ۹۷-۹۸

اور پھر اس کی اطاعت کرو۔

ہجرت سے قبل اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ[1] — اپنے ہاتھوں کو (جنگ سے) روکے رہو۔

لیکن جب مسلمان مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے اور وہاں مہاجرین وانصار کا مبارک اجتماع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کی مشروعیت کا حکم نازل فرمایا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[2] — (مسلمانو) تم پر (خدا کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لیے مضر ہو اور (ان باتوں کو) خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام نے اپنے تن، من، دھن کو نثار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں قلت وضعف اور دشمن کی کثرت وقوت کے باوصف کامیابی وکامرانی سے سرفراز فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے جہاد کے مشہور واقعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ واقعہ بدر سورۃ انفال میں، واقعہ قینقاع اور احد آل عمران میں، واقعہ بنی نضیر سورہ حشر میں، واقعہ خندق اور بنی قریظہ سورۃ احزاب میں، صلح حدیبیہ اور فتح خیبر سورہ فتح میں، فتح مکہ اور جنگ حنین سورہ نصر میں اور حنین اور غزوہ تبوک سورہ براءۃ میں اختصاراً ذکر کیا گیا ہے۔

جب سارا عرب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع فرمان ہو گیا، لوگ جوق درجوق اللہ کے دین میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں کے جہاد کا دائرہ عرب سے نکل

---

[1] النساء آیت ۷۷ [2] البقرۃ ۲۱۶۔

کر عجم تک پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں دس سال قیام اور تبلیغِ رسالت و ادائے امانت کے فرائض سے عہدہ برا ہونے کے بعد اپنے پاس بلا لیا۔

آپ کے وصال کے بعد ارتداد کا بہت بڑا اور مشہور فتنہ رونما ہوا، اس سے صرف وہی لوگ محفوظ رہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بدولت ثبات اور استقامت سے نوازا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس سلسلہ میں خدمات اس قدر عظیم ہیں کہ کوئی دوسرا صحابی آپ کا سہیم و شریک نہیں۔ آپ نے بھولی ہوئی باتیں یاد دلائیں، جن امور کی لوگوں کو واقفیت نہیں تھی ان کی تعلیم دی اور آپ نے لوگوں کی بزدلی و دون ہمتی کو شجاعت و بسالت سے بدل دیا اور آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو محفوظ رکھا اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ [1]	اے ایمان والو اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، خدا کی راہ میں جہاد کریں۔

کے متعلق حضرت حسن فرماتے ہیں کہ بخدا اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے رفقاء ہیں۔

مرتدین سے جہاد

مرتدین کے مختلف گروہ تھے۔ ایک گروہ نے تو دوبارہ بت پرستی شروع کر دی اور کہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو دنیا سے رخصت نہ ہوتے دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان تو رکھیں گے لیکن نماز نہیں پڑھیں گے۔ تیسرے گروہ نے کہا کہ

---

[1] المائدۃ ۵۴

ہم ایمان بھی رکھیں گے، نماز بھی پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے اور ایک چوتھا گروہ بھی تھا جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ ساتھ اس بات کا قائل تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کو اپنی نبوت میں شریک کر لیا تھا۔ دراصل بات یہ تھی کہ مسیلمہ نے کچھ جھوٹے شاہد مہیا کر لیے جنہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کو نبوت میں شریک کر لیا تھا۔ انہی شاہدوں میں سے علم و عبادت میں معروف ایک "الرجال" نامی آدمی بھی تھا۔ بہت سے لوگ اس کے علم و فضل کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اسی کے متعلق کسی شاعر نے کہا تھا:

یا سعادۃ الفؤاد بنت اثال طال لیلی بفتنۃ الرجّال
فتن القوم بالشہادۃ واللہ عزیز ذوی قوۃ ومحال

ترجمہ:۔ اے سعادۃ الفؤاد بنت اثال! "الرجال" کے فتنہ کی وجہ سے میری رات بڑی دراز ہو گئی ہے، اس نے شہادت دے کر قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ اللہ غالب اور صاحب قوت کی قسم! جو یہ کہہ رہے ہیں نہایت محال بات ہے۔

مرتدین میں ایک یمن کا گروہ بھی تھا جو اسود عنسی کے دعوئ نبوت کی تصدیق کر رہا تھا جب کہ دوسرا گروہ طلیحہ اسدی کے نبوت کے دعوے کو سچ تسلیم کر رہا تھا۔

حضرات صحابہ کرامؓ مرتدین کے ان تمام گروہوں کو کافر اور واجب القتل سمجھتے تھے۔ البتہ مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں مذبذب تھے؛ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب اُن کے خلاف بھی جہاد کا عزم فرمایا، تو صحابہ کرام نے کہا کہ آپ ان کے خلاف کیسے جہاد کر سکتے ہیں، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

امرت ان اقاتل الناس	مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد
حتی یقولوا لا الہ الا اللہ	کروں جب تک کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر
فاذا قالوھا عصموا منی	لیں۔ جب اس کلمہ کا اقرار کر لیں گے تو
دماءھم واموالھم الا	مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں
بحقھا۔ [1]	گے الا یہ کہ اس کلمہ کا کوئی حق ہو۔

[1] صحیح بخاری و مسلم۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اسی کلمہ کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اب اگر زکوٰۃ کی ایک رسی کی ادائیگی سے بھی انکار کریں گے، جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے تو میرا ان کے خلاف اعلان جہاد ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے اس جواب سے صحابہ کرامؓ کے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے اور مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد سے متعلق انہیں بھی انشراح نصیب ہو گیا، تو انہوں نے مانعین کے خلاف جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا۔ مسلمانوں نے بہت سے مرتدین کو واصل جہنم کیا اور ان کی عورتوں اور اہل وعیال کو قیدی بنا لیا۔

آج بھی مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس واقعہ پر غور وفکر کریں، جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے حجت بنا دیا ہے۔ اس واقعہ میں قابل غور امور یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو شہرت اور قبول فی الارض سے نوازا۔ پوری امت کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا موقف درست تھا، جہاد میں ذرہ بھر بھی توقف نہ کرنے کو آپ کے فضائل ومناقب میں شمار کیا گیا ہے اور جس دلیل کے پیش نظر صحابہ کرام کے لیے جہاد مشکل تھا، اسی دلیل سے آپ نے جہاد کا وجوب ثابت کر دیا اور یہ آپ کے غزارت فہم اور قوت استدلال کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں یہ مسئلہ کتاب وسنت میں بھی نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ قرآن مجید میں تو اس طرح کہ:۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔[1]

جب عزت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھے رہو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔

اور صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

امرت ان اقاتل الناس — مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد

---

[1] التوبہ ۵

حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ویقیموا الصلوۃ و یؤتوا الزکاۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ تعالی[1]

کروں حتی کہ وہ اس بات کی شہادت دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں جب وہ یہ کریں گے تو مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیں گے الا یہ کہ اسلام کا کوئی حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے پاس ہوگا۔

تو اس مذکورہ بحث سے ثابت ہوگیا کہ اس مسئلہ سے متعلق قرآن مجید میں اس قدر صراحت ہے کہ عامی سے عامی اور بلید سے بلید آدمی بھی سمجھ سکتا ہے، اسی طرح حدیث شریف میں بھی مذکور ہے اور پوری امت کے علماء کا اس پر اجماع ہے۔ اور جب آپ اس مسئلہ کا منفی اعتبار سے جائزہ لیں گے، تو یہ مزید واضح ہو جائے گا یعنی آپ اس بات پر غور فرمائیں کہ ہمارے زمانے میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جو بھی لا الہ الا اللہ کہہ دے۔ اس کا مال اور خون حرام ہے اور وہ مسلمان ہے اسے نہ کافر قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے خلاف جہاد کیا جا سکتا ہے، حتی کہ یہ علماء ان بادیہ لوگوں کے مسلمان ہونے کی بھی صراحت کر دیتے ہیں، جو بعثت کی تکذیب کرتے ہیں۔ شریعتوں کے منکر ہیں بلکہ من حیث الجملہ یہ اول سے لے کر آخر تک قرآن مجید کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اور اگرچہ زبانی طور پر تو دین کا اقرار کرتے ہیں لیکن حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کے منکر ہیں۔ علماء وقت ان تمام باتوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں اسلام کا کوئی شائبہ نہیں لیکن تعجب ہے کہ ان کے صرف زبانی لا الہ الا اللہ کہنے کی وجہ سے انہیں مسلمان بھی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ لا الہ الا اللہ کا انہیں ذرہ بھر فہم نہیں اور نہ انہیں اس بات کا شعور ہے کہ علماً، عملاً اور عقیدۃً لا الہ الا اللہ کا کیا تقاضا ہے۔

یہ مسئلہ تمام مسائل سے اہم ہے کیونکہ اسی پر کفر و اسلام کا انحصار ہے۔ اگر آپ انہیں سچا سمجھیں تو یہ خدا اور رسول کے ساتھ کفر کے مترادف ہوگا۔ جیسا کہ قبل ازیں کتاب و سنت

---

[1] صحیحین۔

اور اجماع کے حوالہ سے ذکر کیا گیا اور اگر آپ اللہ و رسول کو سچا مانیں تو یہ آپ سے دشمنی شروع کر دیں گے اور کفر کے فتوے لگائیں گے۔

قرآن اور رسول کے سامنے یہ کفر صریح مشرق و مغرب ساری زمین میں پھیلتا جا رہا ہے۔ اور بہت کم لوگ اس سے محفوظ ہیں۔ اگر آپ کو جنت کی امید ہے اور جہنم کا خوف ہے تو اس مسئلہ کو خالص کتاب و سنت کی روشنی میں سمجھو اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو کیونکہ اس بات کی شدید ضرورت ہے اور اس لیے بھی کہ اسلام اور کفر کا اسی پر انحصار ہے اور ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کے حضور یہ دعا بھی کیا کرو کہ "اے اللہ! مجھے رشد و بھلائی کا الہام فرما، اپنا فہم عنایت فرما، اپنی طرف سے علم نصیب فرما اور جب تک تو مجھے زندہ رکھے فتنوں کی گمراہیوں سے محفوظ فرما۔"

درج ذیل دعا بھی بکثرت پڑھا کرو کیونکہ صحیح سند سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللھم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔ [1]	اے اللہ! جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، چھپی ہوئی اور ظاہر باتوں کے جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے مابین ان امور میں فیصلہ فرمائے گا۔ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، حق میں جو اختلاف کیا گیا ہے اپنے حکم کے ساتھ مجھے اس میں ہدایت بخش کیونکہ تو جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت بخشتا ہے

شدت حاجت کے پیش نظر ہم اس مسئلہ کی کچھ مزید وضاحت کرتے ہیں تاکہ عقل مند اسی ایک ہی قصہ سے پوری بات کو سمجھ جائیں۔ مرتدین میں سے بنی حنیفہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ گویا عام لوگوں کے نزدیک صرف یہی مرتد تھے۔ حالانکہ جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں

---

[1] مشکوۃ، باب مایقول اذا قام من اللیل، فصل اول

نہ بنی حنیفہ بدترین مرتد اور کفر کے اعتبار سے سب سے بڑھے ہوئے تھے اور اس کے باوجود وہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھی پڑھتے تھے، اذان بھی دیتے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے اور "رجال" اور اس کے ہمنواؤں کی شہادت کے باعث یہ بھی کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بات کا حکم دیا ہے، تو غور فرمایئے کہ جو شخص صرف لاالہ الا اللہ کا تو اقراری ہے اور اس کے علاوہ اس میں اسلام کا کوئی شائبہ نہیں بلکہ اس نے عمداً اسلام کو خیر باد کہہ رکھا ہے اور استہزاء سے پیش آ رہا ہے تو کیا کوئی جاہل سے جاہل آدمی بھی اسے مسلمان قرار دے سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ بنی حنیفہ کو بالاتفاق کافر قرار دیا گیا ہے اللہ رب العزت سے نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ سوال ہے کہ ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھے، ہدایت کے بعد دوبارہ کجی سے دوچار نہ کرے اور اپنی رحمت سے سرفراز فرمایے، انه هو الوهاب۔

خلفاء راشدین کے عہد کا ایک اور واقعہ

بنو حنیفہ کے وہ لوگ جو جنگ میں کام آنے سے بچ رہے تھے۔ دوبارہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ انہوں نے مسیلمہ سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے کذب کا اقرار کیا۔ تو انہیں محسوس ہوا کہ ان سے ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہوا تھا۔ وہ اپنے اہل و عیال سمیت سرحدوں پر چلے گئے تاکہ راہِ خدا میں جہاد کرنے سے ان کے ارتداد کے آثار مٹ جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ [1]

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو خدا نیکیوں سے بدل دے گا۔

اور یہ بھی فرمایا۔

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَ

اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک

---

[1] الفرقان ۷۰

اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى۔ [1] کرے پھر سیدھے رستے چلے اس کو میں بخشش دینے والا ہوں۔

جہاد سے فراغت کے بعد انہوں نے کوفہ میں اقامت اختیار کرلی۔ چنانچہ انہی کے نام سے ایک محلہ مشہور ہوگیا۔ وہاں انہوں نے ایک مسجد بھی بنائی جو کہ مسجد بنی حنیفہ کے نام سے مشہور تھی۔ اتفاق سے کچھ مسلمانوں کا مغرب و عشاء کے درمیان ان کی مسجد کے پاس سے گزر ہوا۔ تو انہوں نے کچھ اس مفہوم کی گفتگو سنی کہ مسیلمہ حق پر تھا۔ جس نے یہ بات کہی سننے والوں نے اس کا انکار نہ کیا۔ چنانچہ ان کے معاملہ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس پیش کیا گیا۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ کو جمع کرکے مشورہ کیا کہ ان سے توبہ کرائی جائے یا انہیں قتل کردیا جائے۔ خواہ از خود توبہ ہی کیوں نہ کرلیں؟ بعض صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ ان سے توبہ نہ کرائی جائے بلکہ انہیں قتل کردیا جائے جب کہ بعض کا مشورہ یہ تھا کہ ان سے توبہ کرائی جائے، چنانچہ بعض سے توبہ کرائی گئی اور بعض کو قتل کردیا گیا۔

غور فرمائیے کہ کفر سے برأت اور مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اور نہایت دشوار اعمالِ صالحہ کے بعد جب خفیہ طور پر ان سے ایک ایسے کلمہ کا اظہار ہوگیا جو مسیلمہ کی مدح میں تھا، تو کسی نے بھی ان کے کفر میں ذرہ بھر توقف نہ کیا البتہ اختلاف اس بات میں تھا کہ ان کی توبہ قبول کی جائے یا نہ کی جائے؟ یہ قصہ تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری میں موجود ہے، خلفائے راشدین کے عہد کے اس واقع کو سامنے رکھتے ہوئے غور فرمائیے کہ یہ بعض بزعم خود علماء ان بدوؤں کو بھی مسلمان قرار دے رہے ہیں جن میں سوائے اس کے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں۔ اسلام کی اور کوئی بات نہیں۔ اس موقف اور صحابہ کرام کے اجماع میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

سارت مشرقة وسرت مغربا

شتان بین مشرق ومغرب

ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہمارا شمار ان لوگوں میں ہو جن کے

---

[1] طٰہٰ ۸۲

متعلق اس نے فرمایا ہے۔

فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ [1]

جب آگ نے اس کے ارد گرد کی چیزیں روشن کیں تو خدا نے ان لوگوں کی روشنی زائل کردی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے (یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے رستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔

اور نہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے، جن کے متعلق اس کا ارشاد ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ [2]

کچھ شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔

خلفائے راشدینؓ کے زمانہ کا ایک اور واقعہ

حضرت علی بن ابی طالبؓ کے بعض رفقاء نے عقیدت میں غلو سے کام لیتے ہوئے نعوذ باللہ انہیں خدا کہنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ آج کل بھی کچھ لوگ بعض نہایت سخت کافر و فاسق لوگوں کے متعلق اہلبیت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے انہیں کہا کہ اس عقیدہ سے توبہ کرو، تو انہوں نے انکار کر دیا آپ نے خندقیں کھدوائیں، انہیں ایندھن سے بھر دیا اور پھر آگ جلا دی اور آگ کے اس بے پناہ جلتے ہوئے الاؤ میں انہیں زندہ ڈال دیا۔ حالانکہ ان یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی آگ میں جلانا جائز نہیں، جن کے قتل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو۔ حضرت علیؓ کے اس اقدام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی زیادہ کافر تھے۔ باوجودیکہ یہ رات کو قیام کرتے تھے دن کو روزے رکھتے تھے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور اصحاب رسول سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے لیکن حضرت علیؓ کی عقیدت میں جب انہوں نے اس

---

[1] البقرۃ آیت ۱۷-۱۸ [2] الانفال ۲۲

قدر شدید غلو کا اظہار کیا، تو انہوں نے انہیں آگ میں زندہ جلا دیا۔ اور تمام صحابہ کرامؓ اور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ غالی لوگ کافر تھے۔ تو آج کے ان بدروؤں کو جو صرف لا الہ الا اللہ تو پڑھتے ہیں اور دین کی ان میں کوئی رمق نہیں، انہیں کیونکر مسلمان قرار دیا جا سکتا ہے؟ ان کے جرم کی نوعیت کا تعلق الوہیت سے ہے، نبوت سے نہیں جب کہ بنی حنیفہ کے مجرموں کا تعلق نبوت سے تھا، الوہیت سے نہیں لیکن ان بدروؤں کے جرم کا تعلق الوہیت سے بھی ہے اور نبوت سے بھی۔ نیز اس سے شہادتین کی اہمیت بھی کچھ آشکارا ہو رہی ہے کہ اسلام کی دو بڑی بنیادیں یہی ہیں

عہد صحابہؓ کا ایک واقعہ

اس واقعہ کا تعلق مختار بن ابی عبید ثقفی سے ہے۔ مختار تابعین میں سے تھا، عبداللہ بن عمرؓ کا داماد تھا اور نیکی وبھلائی کا علمبردار۔ عراق میں جب یہ ظاہر ہوا تو اس نے حضرت حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے خون کا مطالبہ شروع کر دیا۔ چنانچہ اس نے ابن زیاد کو قتل کر دیا اور اس طرح اس مطالبہ کی وجہ سے وہ لوگ بھی اس کی طرف مائل ہو گئے، جن پر ابن زیاد نے ظلم کیا تھا۔ اس کے حامیوں نے عراق پر تسلط حاصل کر کے وہاں شریعت اسلام کے شعائر کو ظاہر کیا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے رفقاء کو قضا اور امامت کے منصبوں پر فائز کیا اور خود بھی جمعہ وجماعت کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔ لیکن آخر میں اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کی طرف وحی آتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر بھیجا جس نے مختار کو قتل کر دیا اور اس کے لشکر کو شکست فاش دی۔ اس لشکر کے امیر مصعب بن زبیرؓ کی بیوی ـــــ جس کا باپ صحابی تھا ـــــ بھی مختار کے حامیوں میں سے تھی۔ مصعبؓ نے مطالبہ کیا کہ مختار کو کافر کہو۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ اپنے عقیدہ سے باز نہ آئے تو اسے قتل کر دو۔ چنانچہ وہ اپنے عقیدہ سے باز نہ آئی اور حضرت مصعبؓ نے اسے قتل کر دیا۔

مختار کے نبوت کی مقدس چادر پر دست درازی کی وجہ سے، علماء نے بالاتفاق سے کافر قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس نے شریعت اسلامیہ کا نفاذ کیا تھا اور صحابہ کرامؓ نے ایک صحابی کی بیٹی کو اس جرم کی پاداش میں قتل کر دیا کہ وہ مختار کو کافر نہیں کہتی تھی، تو اس کے متعلق آپ کیا فیصلہ فرمائیں گے جو بدوؤں کی حالت سے آگاہ ہوتے ہوئے انہیں کافر قرار نہ دے اور اہل اسلام سے سمجھے بلکہ جو انہیں اسلام کی طرف دعوت دے، یہ اسے کافر قرار دیں؟

یا ربنا نسألك العفو والعافية

تابعینؒ کے دور کا ایک واقعہ

یہ واقعہ جعد بن درہم کا ہے، جو کہ مشہور و معروف عالم اور عابد تھا لیکن جب اس نے کچھ صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کر دیا اور اکثر کے بقول اس کا یہ انکار مخفی طور پر تھا۔ لیکن اس کے باوجود خالد بن عبداللہ القسری نے اُسے عید الاضحیٰ کے دن قتل کر دیا اور کہا:۔

"لوگو! قربانیاں کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے، میں تو جعد بن درہم کی قربانی کروں گا۔ کیونکہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا دوست نہیں بنایا تھا اور نہ حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تھا۔"

چنانچہ علماء میں سے کسی نے بھی ان کے اس اقدام کی تردید نہیں کی بلکہ امام ابن القیمؒ نے تو ذکر فرمایا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خالد کا یہ اقدام مستحسن تھا۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں ؎

شکر الضحیة کل صاحب سنة　　لله درك من اخی قربان

ترجمہ:۔ ہر اہل سنت نے اس قربانی پر شکریہ ادا کیا ہے، قربانی کرنے والے بھائی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزائے خیر دے۔

جب یہ اس شخص کا حال ہے جو علم و عبادت میں مشہور اور صحابہ کرامؓ کا شاگرد تھا کہ اس کے قتل کیے جانے کے مستحسن ہونے پر اجماعِ امت ہے، تو بدوؤں کے بارے میں

ان خدا کے دشمنوں کے عقیدے کا آپ اندازہ فرمائیے؟

بنی عبید القداح کا واقعہ

ان لوگوں کا تیسری صدی ہجری میں ظہور ہوا۔ ان کے سربراہ عبید اللہ نے دعویٰ کیا کہ وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہے۔ جب یہ نمودار ہوا تو اس نے عابدوں اور مجاہدں کے جامے میں اپنے آپ کو پیش کیا۔ مغرب کی ہر ہر قوم کے بے شمار لوگ اس کے مطیع ہو گئے حتیٰ کہ مغرب میں اس کی بہت بڑی سلطنت بن گئی پھر یہ لوگ مصر اور شام کے بھی حکمران بن گئے اور انہوں نے بظاہر شریعت کا نفاذ کر دیا، جمعہ و جماعت کا اہتمام کرنے لگے اور عدل و انصاف کے لیے قاضیوں اور مفتیوں کا تقرر کر دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے شرک کرنا شروع کر دیا اور شریعت کی مخالفت بھی اور ان سے ایسے امور کا ظہور ہوا جو نفاق اور شدت کفر پر دلالت کرتے تھے۔ لہذا اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ یہ کافر ہیں اور شعائر اسلام کے اظہار کے باوجود ان کا ملک دار الحرب ہے۔

یہی وجہ تھی کہ مصر کے لوگ ان کی کفریات میں شریک نہ ہوتے اور وہاں کے علماء و عباد نے جن کی تعداد بھی بے شمار تھی، ان پر کفر کا فتویٰ لگایا حتیٰ کہ بعض اکابر اہل علم نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر ہمارے ترکش میں دس تیر ہوں تو ان میں سے ایک کو عیسائی حملہ آوروں کے خلاف استعمال کریں گے اور نو کو بنی عبید کے خلاف۔

سلطان محمود زنگی نے اپنے دور حکومت میں ان کی سرکوبی کے لیے صلاح الدین کے زیر قیادت ایک عظیم لشکر بھیجا، جس نے مصر کو فتح کر لیا اور اس لشکر اسلام نے مصر میں ان کے خلاف جہاد اس لیے موقوف نہ کیا کہ وہاں نیک لوگ بھی رہتے تھے۔ سلطان محمود نے جب مصر فتح کیا تو اس سے مسلمانوں میں بے پناہ مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی حتیٰ کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر "النصر علی مصر" کے نام سے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔ اسی طرح علماء نے بنی عبید کے کفر کے متعلق بھی بکثرت کتابیں تصنیف کی ہیں۔ حالانکہ ظاہری طور پر وہ بھی اسلامی شریعت کے علمبردار تھے۔

ان تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے غور فرمائیے کہ ہمارے پہلے دین اور آج کے دین میں کس قدر فرق ہے[1]؟ آج تو ہم ان بدؤوں کو بھی مسلمان سمجھ رہے ہیں، جن کے متعلق ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ وہ لاالٰہ الا اللہ کے مجرد اقرار کے علاوہ باقی مکمل دین سے برات کا اظہار کر چکے ہیں۔ ہم تو انہیں صرف اس شکل میں ہی کافر قرار دیتے ہیں کہ وہ یہودیت یا نصرانیت کو اختیار کرلیں حالانکہ ان کی موجودہ حالت بھی اس سے مختلف نہیں۔

اگر آپ اللہ اور رسول پر ایمان لے آئیں، اجماع امت کو صحیح تسلیم کرلیں اور اس مسئلہ میں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے برأت کا اظہار کریں اور یہ کہیں کہ اے اللہ! میں تجھ پر اور جو تو نے نازل فرمایا، ایمان رکھتا ہوں۔ تیری جو باطنی یا ظاہری مخالفت کی گئی ہے اس سے اظہار برأت کرتا ہوں۔ اور نہایت اخلاص کے ساتھ مکمل طور پر تیرا مطیع فرمان ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ تم صدقِ دل سے یہ کہہ رہے ہو تو پھر تمہارے لیے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ثبات اور استقامت کا سوال کرتے رہنا چاہیے اور یہ بھی ہمیشہ یاد رکھیے کہ وہ مقلب القلوب بھی ہے۔

قصۂ تاتار

مسلمانوں کے ساتھ نہایت برا سلوک کرنے کے بعد تاتاریوں نے مسلمانوں کے شہروں میں سکونت اختیار کی اور دینِ اسلام کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اسے مستحسن سمجھتے ہوئے مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن ایسے اعمال پیش نہ کر سکے جو از روئے شریعتِ اسلامیہ ان پر واجب تھے بلکہ ان سے کچھ ایسے اعمال کا ارتکاب ہوا جو شریعت سے بغاوت کے مترادف تھے۔ اگرچہ وہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتے تھے۔ نماز پنجگانہ اور جمعہ و جماعت کی پابندی بھی کرتے تھے اور ان بدوؤں کی طرح بھی نہ تھے لیکن اس سب کے باوصف علماء نے انہیں کافر قرار دیا اور میدانِ جہاد میں ان کے خلاف برسرپیکار رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان ممالک کو ان سے پاک کر دیا۔

اس ایک واقعہ سے بھی پوری بات سمجھ میں آسکتی تھی۔ لیکن ہم نے بات

---

[1] شیخ کی دعوت سے قبل نجد کی جاہلیت کی طرف اشارہ ہے۔

قدرے تفصیل سے ذکر کر دی ہے تاکہ تمام گوشے اجاگر ہو سکیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ فتنہ میں مبتلا کرنا چاہیں اس کے سامنے پہاڑ بھی ٹکرا جائیں تو اسے نفع نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ہم ان سلاطین و قضاۃ کے واقعات ذکر کرتے جنہوں نے کفریہ امور کا ارتکاب کرنے والوں کو اتمام حجت کے بعد قتل کر دیا۔ حالانکہ ان مقتولوں میں کئی حلاج جیسے عالم اور عابد و زاہد اور عمارہ جیسے منصف فقہاء بھی تھے، تو بات بہت طول پکڑ جاتی اور کئی مجلدات درکار ہوتیں لیکن ہم نے نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ یاد رہے کہ ان مقتولین میں سے کسی کا کفر بھی اس حد تک نہ پہنچا تھا جس تک یہ بدو پہنچے ہوئے ہیں اور پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ ان بدوؤں کی بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ جنہیں ان کا بخوبی علم ہے کہ جو بعثت کا انکار کرے، یا شک کرے، یا شریعت کو گالی دے یا کسی متفق علیہ فرع کا انکار کرے تو یہ سب کفر ہے۔ اسی طرح دائیں ہاتھ سے کھانے کا انکار، ٹخنوں سے نیچے کپڑے لٹکانے کی ممانعت کا انکار اور سنت فجر یا وتر کا انکار کرنے والوں کو تو یہ کافر سمجھتے ہیں۔ لیکن جو مکمل طور پر دین کے منکر ہوں، تکذیب کرتے ہوں اور دین کی تصدیق کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہوں، ان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ وہ زبانی طور پر لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور ہمیں کافر قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کسی مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہے، اسی پر اکتفا نہیں بلکہ انہوں نے یہ بھی فتویٰ دے رکھا ہے کہ اگر کسی نے ہم سے اللہ و رسول کے نام پر کوئی معاہدہ کیا ہوا ہو اور وہ اسے توڑ دے تو اسے بہت زیادہ ثواب ملے گا، اسی طرح اگر کسی کے پاس ہماری کوئی امانت ہو خواہ وہ مال یتیم ہو اسے کھانے کی کھلی اجازت دیتے ہیں۔ دہام بن دواس وغیرہ کے رسائل کے پیش نظر توحید کے مخالفوں اور بت پرستی کے حامیوں سے کہتے ہیں کہ تم تو انبیاء کے مقام پر فائز ہو۔ حالانکہ جس توحید کی ہم دعوت دیتے ہیں اور جس شرک سے ہم روکتے ہیں، یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کا دین یہی ہے لیکن یہاں سارا معاملہ ہی الٹ ہے اور جو اس مسئلہ کو نہ سمجھ سکے اسے اپنے آپ پر رونا چاہیے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ نسب

حضرت محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیّ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

یہاں تک تو یہ مبارک سلسلہ نسب نہایت صحت کے ساتھ معلوم ہے البتہ عدنان سے اوپر کے سلسلہ میں اختلاف ہے لیکن اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت اسماعیل ہی صحیح قول کے مطابق ذبیح ہیں اور یہ قول بالکل باطل ہے کہ حضرت اسحاقؑ ذبیح ہیں۔ اس بات میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں عام الفیل میں ہوئی گویا واقعہ اصحاب الفیل سے مقصود خداوندی اپنے محبوب پیغمبر اور اپنے پاک گھر کی تعظیم تھا، ورنہ اصحاب الفیل تو نصاریٰ اور اہل کتاب تھے، ان کا دین مکہ والوں کے دین سے بہرآئینہ بہتر تھا کیونکہ یہ لوگ تو بت پرست تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس انداز میں مدد فرمائی کہ بشریت انگشت بدنداں رہ گئی۔ یہ مدد اس عظیم الشان پیغمبر کے لیے تھی جسے انہی قریشیوں نے مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ نیز بلد حرام کی تعظیم بھی اللہ کے پیش نظر تھی۔

واقعہ اصحاب الفیل

محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے یمن کے گورنر ابرہہ بن صباح نے جب یہ دیکھا کہ لوگ ہر سال موسم حج میں مکہ مکرمہ ــــ شرفہا اللہ ــــ جاتے ہیں تو وہ آتش حسد میں جل اٹھا اور اس نے صنعاء میں ایک خوبصورت گرجا بنا کر نجاشی کو لکھا:۔

"میں نے تمہارے لیے ایک نہایت خوبصورت اور بے مثال گرجا بنایا ہے اور اس وقت تک اپنی کوششوں کو موقوف نہیں کروں گا، جب تک کہ لوگ بیت اللہ کے بجائے اس گھر کا حج شروع نہیں کر دیتے"۔

ابرہہ کی اس بات کو بنی کنانہ کے ایک آدمی نے بھی سن لیا؛ چنانچہ اس نے رات کو گرجا میں داخل ہو کر اسے بول و براز سے آلودہ کر دیا۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے پوچھا۔ یہ جرأت کسے ہوئی؟ اُسے بتایا گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ سے محبت رکھنے والوں میں سے کسی نے تمہاری بات کو سن لیا ہوگا۔ ابرہہ قسم کھا کر کہنے لگا کہ اگر یہ بات ہے تو میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک ان کے کعبہ کو پیوندِ خاک نہ کر دوں۔ اس نے اپنے ان عزائم سے نجاشی کو بھی باخبر کر دیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ مدد کے لیے اپنے ہاتھیوں کو بھی بھیج دیجیے۔ شاہِ حبشہ کی سواری کے لیے مخصوص ہاتھی کا نام "محمود" تھا، جو کہ بڑا عظیم جسیم اور طاقتور تھا۔ نجاشی نے دیگر ہاتھیوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی بھیج دیا۔ ابرہہ ہاتھیوں کے اس عظیم لشکر اور کیل کانٹے سے مسلح ہو کر مکہ معظمہ کی طرف چل پڑا۔ عربوں نے اس خبرِ وحشت اثر کو سنا تو ہکے بکے رہ گئے اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ابرہہ کے مقابلہ میں ہم پر جہاد فرض ہے۔

شاہانِ یمن میں سے ذونفر نامی ایک بادشاہ نے مقابلہ کیا لیکن ابرہہ نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ ذونفر کہنے لگا "بادشاہ سلامت! مجھے زندہ رکھنا، شاید میں تمہارے لیے بہتر ثابت ہو سکوں!"

ابرہہ کا لشکر جرار منزل بمنزل سفر کرتا ہوا جب بلاد خثعم کے پاس سے گزرا تو نفل بن حبیب خثعمی کئی قبائل عرب کے ساتھ مل کر اس کے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ لیکن اس نے اسے بھی شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ نفیل کہنے لگا "بادشاہ سلامت! میں سرزمین عرب میں راہ نمائی کے فرائض انجام دوں گا، میری قوم بھی تمہاری اطاعت قبول کرتی ہے۔ لہٰذا مجھے قتل نہ کرنا۔ ممکن ہے تمہارے لیے بہتر ثابت ہو سکوں"۔ ابرہہ نے حکم دیا کہ اسے قتل نہ کیا جائے اور راس کی راہ نمائی میں اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھتا رہا۔

ابرہہ جب طائف پہنچا تو مسعود بن معتب، خاندان ثقیف کے کئی آدمیوں کی معیت میں حاضر ہو کر کہنے لگا "بادشاہ سلامت! ہم آپ کے غلام ہیں، آپ کے ساتھ ایسے آدمیوں کو بھیجیں گے جو راستہ بتلائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ابورغال کو ابرہہ کے ساتھ بھیج دیا۔ مقام مغمس میں پہنچ کر ابورغال مر گیا۔ یہ وہی شخص ہے جس کی قبر کو رجم کیا جاتا ہے۔ ابرہہ نے اسود بن مقصود نامی ایک حبشی کو مقدمۃ الجیش کا امیر بنا کر پہلے روانہ کر دیا اور حکم دیا کہ لوگوں کے اونٹوں وغیرہ کو چھین لے، چنانچہ اس نے حرم میں پہنچ کر لوگوں کے مال مویشی کو خوب لوٹا، جس میں عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی تھے۔

ابرہہ نے حمیر کے ایک آدمی کو مکہ والوں کے پاس بھیجا اور کہا کہ وہاں کے شرفاء کو میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ میرا ارادہ لڑائی کا نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ اس گھر کو پیوند خاک کر دوں۔ حمیری نے جا کر عبدالمطلب کو یہ پیغام پہنچا دیا۔

عبدالمطلب نے کہا کہ ہم اس کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ لہٰذا اس کے عزائم کے درمیان حائل نہیں ہوں گے۔ یہ اللہ کا گھر ہے، جس کے معمار اس کے دوست ابراہیم تھے۔ اگر خدا تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے تو یہ اس کا گھر ہے اور حرم بھی اور اگر وہ ابرہہ کی رسی کو دراز کر دے تو بخدا! ہمیں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔

عبدالمطلب نے پیغامبر سے یہ بھی کہا کہ مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے چلو۔ وہاں پہنچے تو عبدالمطلب نے ذونفر سے کہا جو کہ عبدالمطلب کا دوست بھی تھا۔ ذونفر! کیا اس مشکل میں ہمارے سامنے کوئی تعاون نہ کرو گے؟" اس نے جواب دیا "وہ قیدی کیا تعاون کر سکتا ہے، جسے ہر وقت ڈر ہے کہ صبح قتل کیا جائے یا شام قتل کیا جائے البتہ ہاتھیوں کا سائس میرا دوست ہے، میں تمہیں اس کے پاس بھیجتا ہوں، تاکہ بادشاہ کو تمہارے مرتبہ سے روشناس کرائے" چنانچہ سائس جب عبدالمطلب کو لے کر ابرہہ کے پاس گیا تو کہنے لگا "یہ قریش کے سردار آپ سے ملاقات کی اجازت چاہتے ہیں، ان کا لڑائی کا ارادہ ہے اور نہ ہی آپ کی مخالفت کا۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ آپ انہیں اجازت دے دیں"۔

عبدالمطلب نہایت وجیہہ، باوقار، پُر ہیبت اور قد آور شخصیت کے مالک تھے۔ ابرہہ

نے

نے دیکھا تو اس کا دل آپ کی عظمت سے بھر گیا۔ نہ تو یہ کر سکا کہ آپ کو فرش زمین پر بٹھائے۔ اور خود تخت پر بیٹھا رہے اور نہ یہ کر سکا کہ ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے۔ آخر کیا تو یہ کیا کہ خود بھی تخت سے اتر کر فرش پر آ گیا اور جناب عبدالمطلب کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور ترجمان کے ذریعے آپ سے ملاقات کا مدعا پوچھا۔ آپ نے کہا کہ آپ کے لشکری میرے دو سو اونٹ پکڑ لائے ہیں، وہ واپس دے دیئے جائیں۔

ابرہہ نے اپنے ترجمان سے کہا۔ "ان سے کہو جب میں نے آپ کو دیکھا تھا تو میرا دل آپ کی عظمت سے بھر گیا تھا۔ لیکن اب میری رغبت جاتی رہی"۔ عبدالمطلب نے پوچھا وہ کیوں؟ ابرہہ نے کہا کہ "میں تو تمہارے آباؤ اجداد کے دین، تمہارے شرف، تمہاری عزت و عصمت یعنی تمہارے خدا کے گھر کو پیوند خاک کرنے آیا ہوں اور تم اس کی بابت مجھ سے کوئی بات نہیں کرتے اور اپنے دو سو اونٹوں کے متعلق پوچھ رہے ہو"؟

عبدالمطلب نے برجستہ جواب دیا۔

"میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لیے اونٹوں کی بات کرتا ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا"۔

ابرہہ نے نہایت فخر اور غرور سے کہا۔ "وہ اسے مجھ سے بچا سکا"۔ عبدالمطلب نے کہا، "وہ جانے اور آپ جانیں"۔

ابرہہ نے حکم دیا کہ ان کے اونٹ واپس کر دیئے جائیں۔ عبدالمطلب نے اپنے اونٹ لیے اور واپس آ کر قریشیوں کو سارا ماجرا کہہ سنایا اور انہیں حکم دیا کہ لشکر کے حملہ سے بچاؤ کے لیے گھاٹیوں اور پہاڑوں میں چھپ جاؤ اور خود بیت اللہ شریف میں جا کر دروازے کے کنڈے کو پکڑ کر یہ شعر پڑھنے لگے ۔

یارب لا ارجو لھم سواکا   یارب فامنع منھم حماکا
ان عدو البیت من عاداکا   فامنعھم ان یخربوا قراکا

ترجمہ:۔ خداوندا! تیرے سوا مجھے کسی سے امید نہیں، خداوندا! ان (ظالموں) سے اپنے حرم محترم کو بچا لے۔ بے شک اس گھر کا دشمن وہی ہے، جو تجھ سے دشمنی رکھتا

ہے، تو ان کو اپنے گھر کی تخریب سے روک لے۔

نیز انہوں نے یہ اشعار بھی پڑھے ؎

لاھم ان المرء یمنع رحلہ ... وحلالہ فامنع حلالک

لا یغلبن صلیبھم ... ومحالھم غدوا محالک

جروا جموع بلادھم ... والفیل کی یسبوا عیالک

ان کنت تارکھم و ... کعبتنا فامر ما بدالک

ترجمہ:۔ اے اللہ! ہر آدمی اپنے مسکن اور منزل کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ان (دشمنوں) کی صلیب اور تدبیر تیری تدبیر پہ غالب نہ آئے۔ انہوں نے اپنے لشکروں، تمام شہروں والوں اور ہاتھیوں کو لا جمع کیا ہے تاکہ تیرے عیال کو قیدی بنا لے جائیں۔ اے اللہ! اگر تو انہیں اجازت دینے والا ہے کہ وہ ہمارے قبلہ وکعبہ کو نقصان پہنچائیں، تو پھر تجھے اختیار ہے کہ تو جو چاہے کرے (ویسے ہم اس گھر کی بے حرمتی نہیں چاہتے۔)

پھر عبد المطلب بھی اپنے بچاؤ کے لیے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔

مغمس میں رات بسر کرنے کے بعد ابرہہ نے صبح مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ نفیل "محمود" نامی ہاتھی کے کان کو پکڑ کر کہنے لگا: "محمود! یہیں بیٹھ رہو۔ کیونکہ تم اللہ کے حرمت والے شہر میں ہو"۔ ہاتھی وہیں جم کر بیٹھ گیا۔ ہزار جتن کیا گیا لیکن ہاتھی مکہ کی طرف قدم بڑھانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ ہاتھی کے رُخ کو یمن کی طرف کر دیا گیا تو وہ نہایت تیز دوڑنے لگا۔ پھر اس کے رخ کو شام کی طرف کر دیا گیا تو بھی دوڑنے لگا۔ پھر مشرق کی طرف اس کے رخ کو کر دیا گیا۔ تو پھر بھی اس کی تیز رفتاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ لیکن جب اس کے رخ کو حرم محترم کی طرف کیا گیا تو پھر بیٹھ گیا۔ نفیل نے یہ منظر دیکھا تو بھاگ کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے عجیب قسم کے پرندے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے۔ جن میں سے ہر ایک کے پاس تین پتھر کے کنکر تھے۔ دو دو پنجوں میں اور ایک ایک منہ میں، جسے انہوں نے لشکر پر

پھینکنا شروع کر دیا۔ جس کو بھی یہ کنکر لگتے وہ فوراً تباہ و برباد ہو جاتا۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر بھاگ کر نفیل کو تلاش کرنے لگے تاکہ وہ یمن کا راستہ بتائے لیکن اسی اندھا دھند بھاگ دوڑ میں سارا لشکر ہاتھیوں سمیت تباہ و برباد ہو گیا۔ ابرہہ کا حال سب سے بدترین تھا۔ وہ بھاگتا جاتا تھا اور اوپر سے پرندے کنکر مارتے جاتے تھے۔ اس کا گوشت ایک ایک پورے کی مقدار میں کٹتا جاتا تھا۔ جہاں سے گوشت اڑتا وہاں پیپ پڑ جاتی حتیٰ کہ جب صنعا پہنچا تو پرندے کے نوزائیدہ بچے کی مانند باقی رہ گیا تھا۔ وہاں جاکر اس کا سینہ پھٹ گیا اور نہایت ذلت دخواری کے ساتھ مرا۔

والدِ گرامی کی وفات

آپؐ کے والد گرامی منزلت کی وفات کے متعلق اختلاف ہے کہ آپ کی ولادتِ باسعادت سے قبل ہوئی یا بعد؟ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ آپؐ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ آپؐ کے والد اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ البتہ اس بات میں اختلاف نہیں کہ آپؐ کی والدہ ماجدہ مکہ و مدینہ کے درمیان مقام ابواء پر راہگرائے ملکِ جاوداں ہوئیں، جب کہ مدینہ میں اپنے ننھیال کی زیارت سے واپس آ رہی تھیں اور آپؐ نے ابھی تک عمر شریف کی کچھ بہاریں بھی نہ دیکھی تھیں۔

والدہ کی وفات کے بعد عبد المطلب نے آپ کی کفالت شروع کر دی اور آپ پر اس قدر شفقت کرتے تھے کہ اپنے بیٹوں میں سے بھی کسی پر نہیں کرتے تھے۔ ہر وقت اپنے پاس رکھتے اور کبھی جدا نہ کرتے۔ عبد المطلب کے بیٹوں میں سے کوئی بھی آپ کے بستر پر بیٹھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہو جایا کرتے تھے ایک مرتبہ بنو مدلج کے قیافہ شناسوں کا ایک گروہ مکہ معظمہ میں آیا اور اسے عبد اللہ کے درِ یتیم کو دیکھنے کا شرف نصیب ہوا۔ آپ کو دیکھتے ہی یہ قیافہ شناس عبد المطلب سے کہنے لگے "اس لعل کی بخوبی نگہداشت کرو۔ مقامِ ابراہیم کے قدموں کے نشانات اس کے پاؤں کے بہت زیادہ مشابہ ہیں اور اس قدر زیادہ مشابہت ہمیں کسی اور کے قدموں میں نظر نہیں آئی"۔ عبد المطلب نے یہ بات سن کر ابو طالب سے کہا "دیکھو یہ قیافہ شناس کیا کہہ رہے ہیں۔ اس بچے کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو"۔

آپ عمر مبارک کی آٹھویں بہار دیکھ رہے تھے۔ کہ ننھے سے دل کو ایک اور صدمہ سہنا پڑا اور یہ تھا اپنے دادا عبد المطلب کی وفات کا صدمہ۔ عبد المطلب نے جو عبد اللہ کے دریتیم کے کفیل تھے، دنیا سے رخصت ہوتے وقت ابو طالب کو کفالت کی وصیت کی اور بقول بعض یہ اشعار بھی کہے ؎

اوصیك یا عبد مناف بعدی　　بموحد بعد ابیه فرد

وکنت کالام له فی الوجد　　تدنیه من احشائها والکبد

فأنت من ارجی بنی عندی　　لدفع ضیم ولشد عضد

ترجمہ:۔ اے عبد مناف! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد اس معصوم بچے کی حفاظت کرنا جو اپنے باپ کی وفات کے بعد تنہا ہے اور عادات و اطوار کے اعتبار سے یگانہ روزگار ہیں جب تک زندہ رہا سے ماں کا پیار دیتا رہا، وہ ماں جو شدتِ محبت سے بچے کو قلب و جگر سے چمٹا لیا کرتی ہے۔ ابو طالب! اپنے بچوں میں سے سب سے زیادہ مجھے تم سے امید ہے کہ اس سے مشکلات کو رفع کردگے اور قوتِ بازو ثابت ہو گے!

آپ کے دادا جان

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبد المطلب سردارانِ قریش میں شمار ہوتے تھے، اپنے امور کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے تھے، مکارمِ اخلاق سے آراستہ، مساکین کے غمگسار اور حجاج کے خدمت گار تھے، ظالموں کے دشمن تھے اور انتہائی مہمان نواز، سخاوت اور دریا دلی کا اندازہ اس سے فرمایئے کہ انسان تو انسان پہاڑوں کی چوٹیوں پر جاکر درندوں اور پرندوں کو بھی کھانا کھلاتے آپ کے بہت سے بیٹے تھے، جن میں حارث سب سے بڑا تھا، جس کا آپ کی زندگی ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ حارث کی اولاد میں سے عبیدہ ـــ جو کہ جنگ بدر میں شہید ہوئے ـــ ربیعہ، ابو سفیان اور عبد اللہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

عبد المطلب کے دوسرے بیٹے کا نام زبیر تھا۔ جو کہ حرب الفجار میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کا سربراہ تھا۔ شریف الطبع اور شاعر تھا۔ اسلام سے قبل دنیا سے چل بسا۔ البتہ اس کی اولاد میں سے عبد اللہ ـــ جنہیں اجنادین میں شہادت نصیب ہوئی ـــ ضباعہ

مجل، صفیہ اور عاتکہ کو شرفِ اسلام نصیب ہوا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ بھی عبدالمطلب ہی کے صاحبزادے تھے۔ دونوں دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔

عبدالمطلب کے بیٹے ابولہب کو اسلام نصیب نہ ہو سکا۔ جنگ بدر کے کچھ عرصہ بعد نہایت ذلت و خواری سے مرا۔ عتیبہ اس کا بیٹا تھا۔ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت ایک درندے نے اپنا شکار بنا لیا تھا۔ ابولہب کے بیٹوں میں سے عتبہ اور معتب فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ اسی طرح ابولہب کی بچی اُروی تھی، جس سے کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس نے شادی کی اور عامر اور اُروی دو بچے ہوئے، یہی اُروی، عفان بن ابی العاص بن امیہ کے حبالۂ عقد میں تھیں اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو جنم دیا پھر جب عقبہ بن ابی معیط کے نکاح میں آئیں تو ان کے بطن سے ولید بن عقبہ پیدا ہوئے۔ حضرت اُروی اپنے صاحبزادے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہیں۔

عبدالمطلب کی اولاد میں سے برّہ بھی ہیں، جو کہ ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کی والدہ ہیں عاتکہ بنت عبدالمطلب عبداللہ بن ابی امیہ کی والدہ ہیں، جنگ بدر سے قبل اسے ہی خواب آیا تھا۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ انہیں اسلام نصیب ہوا تھا یا نہیں اور حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب حضرت زبیر بن العوامؓ کی والدہ ماجدہ ہیں، جنہیں اسلام کا شرف نصیب ہوا اور ہجرت کی سعادت بھی۔ اُروی آل جحش — عبداللہ، ابو احمد، عبیداللہ، زینب اور حمنہ — کی والدہ ہیں۔

عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنت زید خاندانِ بنی نجار کی ایک خاتون تھیں۔ یہ اپنے خاندان میں مقیم تھیں اور عبدالمطلب ان کے شکم میں جب ہاشم حسب عادت تجارت کے سفر کو نکلے تو ان کا یہ سفر آخری سفر ثابت ہوا اور ملکِ شام کے شہر غزہ میں وفات پا گئے۔ ابورھم بن عبدالعزی اور ان کے رفقاء مدینہ میں ان کے ترکہ کو لے کر واپس لوٹے۔ انہی دنوں قبیلہ بنی نجار کی اس صاحبِ حسب و نسب اور ذی عزت بیوہ کے بطنِ اطہر سے عبدالمطلب تولد ہوئے، جن کا نام مادر مہرباں نے شیبۃ الحمد رکھا، جنہوں نے نہایت تکریم کے ساتھ اپنے ماموؤں کے زیر کفالت پرورش پائی۔ شیبۃ الحمد ایک دفعہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے

کہ انہوں نے کسی بچے سے کہا کہ "میں تو فرزندِ ہاشم ہوں" اسے کسی راہ گیر قریشی نے بھی سن لیا۔ اور اس نے واپس آکر ان کے چچا مطلب سے کہا کہ میں بنی قیلہ کے گھروں کے پاس سے گزر رہا تھا۔ کہ میں نے ایک بچے کو دیکھا جو اپنے آپ کو آپ کے بھائی ہاشم کی طرف منسوب کرتا تھا، لہٰذا اس جیسے بچے کو تو غریب الوطنی کی زندگی نہیں بسر کرنا چاہیے۔ مطلب نے یہ بات سن کر آپ کی تلاش میں مدینہ کی طرف رختِ سفر باندھ لیا۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو شدتِ جذبات سے ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور فرطِ محبت سے گلے لگا لیا اور یہ شعر پڑھنے لگے ؎

عرفت شیبة والنجار قد جعلت — أبناءها حوله بالنبل تنتضل
عرفت اجلاده فینا وشیمته — ففاض مني علیه وابل هطل

ترجمہ:۔ میں نے شیبہ کو پہچان لیا جب کہ بنو نجار کے فرزند اس کے ارد گرد تیر اندازی کر رہے تھے۔ میں نے بہادری اور اخلاق کے آثار کے باعث شیبہ کو پہچانا اور اسے دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔

پھر مطلب نے آپ کو اپنی سواری پر بٹھا لیا اور مکہ معظمہ واپسی کے لیے کوچ کا ارادہ کیا، تو آپ نے کہا "چچا جان! والدہ کی اجازت ضروری ہے"۔ مطلب آپ کی والدہ کے پاس آئے اور کہا کہ میں اپنے بھتیجے کو اپنے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر مادرِ مہرباں کا دل غمزدہ ہوا، کیونکہ وہ عزیز اور معصوم بچے کی جدائی کو گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ مطلب نے کہا کہ یہ بچہ مکہ جاکر اپنے باپ کی حکومت کا وارث ہوگا اور پھر نہیں معلوم نہیں کہ مکہ تو وہ مقدس سرزمین ہے، جہاں خدا کا حرم محترم ہے۔ یہ سن کر آپ کی والدہ نے اجازت دے دی اور مطلب آپ کو مکہ معظمہ لے آئے۔ لوگوں نے آپ کے متعلق کہنا شروع کر دیا۔ کہ یہ عبد المطلب ہے لیکن مطلب یہ سن کر کہتے "لوگو! تم پر افسوس ہو۔ یہ تو میرے بھائی ہاشم کے صاحبزادے ہیں"۔ مطلب نے اپنے بھائی کے اس یتیم بچے کی کفالت و تربیت کا پورا پورا حق ادا کر دیا حتیٰ کہ جب آپ جوان ہو گئے تو اس نے آپ کے والد ہاشم کے عہدے یعنی بیت اللہ شریف کی خدمت، حجاج کی مہمان نوازی، آبِ زمزم پلانے کی خدمت اور ان سے

متعلق دیگر امور آپ کے سپرد کر دیئے۔

مطلب نہایت شریف، اپنے خاندان کے سربراہ اور دریا دل تھے۔ کثرتِ سخاوت کی وجہ سے قریش انہیں فیاض کہتے تھے۔ قریش اور نجاشی کے درمیان انہی کی بدولت معاہدہ ہوا تھا۔ مطلب کی اولاد میں سے حارث، مخرمہ، عباد، انیس، ابوعمر اور ابورہم وغیرہ مشہور ہیں۔

مطلب کی وفات کے بعد آپ کو دیگر اشیاء کے ساتھ ساتھ جو چند قطعاتِ اراضی بطورِ وراثت ملے، ان پر ان کے دوسرے چچا نوفل بن عبد مناف نے جبراً قبضہ کر لیا، آپ نے بعض قریشیوں سے مطالبہ کیا کہ میری مدد کرو۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ اور آپ کے چچا کے درمیان مداخلت نہیں کریں گے۔ تو آپ نے اپنے ماموؤں کو ایک نہایت فصیح و بلیغ منظوم خط لکھا، جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

۱۔ یا طول لیلی لاحزانی واشغالی	هل من رسول الی النجار اخوالی
۲۔ بنی عدی و دینار و مازنها	ومالك عصمة الجیران عن حالی
۳۔ قد كنت فیهم وما اخشی ظلامة ذی	ظلم عزیزاً منیعاً ناعم البال
۴۔ حتی ارتحلت الی قومی وازعجنی	لذالك مطلب عمی بترحالی
۵۔ فغاب مطلب فی قعر مظلمة	ثم انبری نوفل یعدو علی مالی
۶۔ لما رای رجلاً غابت عمومته	وغاب اخواله عنه بلا والی
۷۔ فاستنفروا وامنعوا ضیم ابن اختكم	لا تخذلوه فما انتم بخذالی

ترجمہ (۱) ہائے افسوس! غموں اور کثرتِ کار کے باعث میری رات کس قدر طویل ہو گئی ہے اور ہے کوئی پیامبر جو میرے ماموؤں بنی نجار تک میرا پیام پہنچا دے۔

(۲) بنو عدی، دینار، مازن اور مالک کو میرا حال بتا دے۔

(۳) جب میں ان میں مقیم تھا تو کسی ظالم کے ظلم سے نہیں ڈرتا تھا، نہایت معزز تھا، قوی تھا اور فارغ البال بھی۔

(۴) حتیٰ کہ جب مجھے میرے چچا مطلب نے مجبور کیا تو میں اپنی قوم کے پاس کوچ کر آیا۔

(۵) جب مطلب تاریک قبر کی گہرائیوں میں غائب ہو گیا تو نوفل نے میرے مال پر ہلہ بول دیا۔

(۶) کیونکہ اس نے دیکھا کہ میں لاوارث ہوں، میرے چچا اور ماموں موجود نہیں ہیں۔

(۷) لہذا تم جلد میرے پاس پہنچو اور اپنے ہمشیرزادے کو ظلم سے بچاؤ۔ اسے ذلیل نہ ہونے دو اور امید ہے کہ تم مجھے ذلیل نہ ہونے دو گے۔

جب آپ کے ماموں ابوسعد بن عدی بن نجار نے آپ کا خط پڑھا تو آبدیدہ ہو گیا اور آپ کی مدد کے لیے اسی شہسواروں کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف چل پڑا۔ وادی ابطح میں آکر فروکش ہوا، تو عبدالمطلب سے ملاقات ہوئی۔ عبدالمطلب نے پوچھا ماموں جان! کیا یہی منزل مقصود ہے؟ کہا "ہرگز نہیں واللہ! حتی کہ نوفل سے ملاقات نہ کر لوں" عبدالمطلب نے بتایا کہ میں ابھی اسے حجر میں چھوڑ کر آیا ہوں، سردارانِ قریش میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابوسعد سنتے ہی سیدھا ان کی طرف گیا۔ نوفل نے دیکھا تو کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "ابوسعد! صبح بخیر! ابوسعد نے کہا "خدا تمہاری صبح بخیر نہ کرے اور تلوار سونت کر کہنے لگا، "اس گھر کے رب کی قسم! اگر تو نے میرے ہمشیرزادہ کی اراضی واپس نہ کی تو اس تلوار سے تمہارا کام تمام کر دوں گا۔" نوفل نے کہا "ٹھیک ہے میں اسے واپس کرتا ہوں" ابوسعد نے کہا "قریش کے معزز سردارو! تم اس واقعہ پر گواہ رہنا۔" ابوسعد مکہ میں تین دن تک شیبہ کے پاس رہا اور عمرہ کر کے مدینہ لوٹ آیا۔ عبدالمطلب نے اپنے اشعار میں بھی اس قصہ کا ذکر کیا ہے۔

أبى مازن وأبو عدي ... ودينار ابن تيم الله ضيمي

بهم رد الإله علي ركحي ... وكانوا في انتساب دون قومي

ترجمہ:۔ مازن، ابوعدی اور دینار بن تیم اللہ کسی کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ مجھ پر ظلم کر سکے، انہی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے میری اراضی مجھے واپس لوٹائی۔ حالانکہ انتساب میں یہ میری قوم نہیں، بلکہ ایک دوسری قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد نوفل نے بنی عبدشمس بن عبدمناف سے بنی ہاشم کے خلاف حلفیہ عہد و پیمان باندھا اور بنو ہاشم نے ان کے خلاف خزاعہ سے معاہدہ کیا اور یہی آگے چل کر فتح مکہ کے لیے سبب بنا، جیسا کہ تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔

جب خزاعہ نے دیکھا کہ بنی نجار نے عبدالمطلب کی مدد کی ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم نے بھی اسے جنم دیا ہے جیسا کہ تم نے اسے جنم دیا ہے لہذا ہم بھی اس کی مدد کریں گے۔ چنانچہ دارالندوہ جاکر حلفیہ عہد و پیمان کیا اور معاہدہ بھی لکھ لیا۔ یہ سب کچھ دراصل اس لیے تھا کہ عبدمناف کی والدہ کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔

پاک باز عبداللہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ بھی ذبیح تھے۔ اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ عبدالمطلب کو خواب میں چاہِ زمزم کی کھدائی کا حکم دیا گیا تھا اور زمزم کے مقام کی بھی خواب میں نشاندہی کر دی گئی تھی، اصل میں آل اسماعیل کے بجائے جرہم نے مکہ پر تسلط جما لیا تھا اور زمانہ دراز تک مکہ کے مالک رہے لیکن جب انہوں حرم میں فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کر دیا تو ان کے اور خزاعہ کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ خزاعہ کا تعلق قبائلِ یمن اور اہل سبا سے تھا۔ بنو اسمٰعیل اس لڑائی میں شامل نہ ہوتے، خزاعہ کو جنگ میں فتح ہوئی اور انہوں نے جرہم کو مکہ سے جلا وطن کر دیا۔ بنو جرہم نے جاتے جاتے حجر اسود، مقام ابراہیم اور چاہِ زمزم کو مدفون کر دیا خزاعہ کے بعد قصی بن کلاب کو مکہ پر غلبہ نصیب ہوا تو گویا قریش کی میراث دوبارہ قریش کو مل گئی قصی نے قریش کے بعض قبائل کو اندرونِ مکہ آباد کیا۔ انہیں قریش الا باطح کہا جاتا ہے جبکہ بعض دیگر قبائل کو مکہ کے بیرون آباد کر دیا اور انہیں قریش الظواہر کہا جاتا ہے۔

جرہم کے عہد سے لے کر عبدالمطلب کے وقت تک چاہِ زمزم مدفون رہا۔ عبدالمطلب کو خواب میں چاہِ زمزم کی جگہ دکھائی گئی تو انہوں نے اس جگہ کی کھدائی کی۔ چاہ میں سے انہیں دفن شدہ تلواریں، زیورات اور موتیوں سے آراستہ سونے کا ہرن بھی ملا۔ عبدالمطلب نے اُسے کعبہ میں لٹکا دیا۔ کھدائی کے وقت عبدالمطلب کے پاس صرف ان کا لڑکا حارث تھا۔ قریش نے جھگڑا کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں بھی اس سعادت میں شریک کر لیجئے۔ انہوں نے کہا "ایسا ہرگز نہیں کروں گا، کیونکہ یہ تو ایک ایسا کام ہے، جس کے لیے میں بطور خاص منتخب کیا گیا ہوں، اگر تمہیں تسلیم کرنے سے انکار ہے، تو جسے چاہو منصف مان لو، اس سے فیصلہ کرا لیتے ہیں"۔

انہی دنوں عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے دے اور سب جوان ہو کر میرے دست و بازو بن جائیں تو ان میں سے ایک کعبہ کے پاس قربان کر دوں گا عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے جب دس بیٹے دے دیئے اور سب کے سب جوان ہو گئے تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو اپنی نذر کے متعلق بتایا تو سب نے اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کرنے کا اظہار کر دیا۔ قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے چھری اٹھائی تاکہ انہیں قربان کر کے منت پوری کریں۔ آن کی آن میں بجلی کی طرح ہر طرف یہ خبر پھیل گئی۔ قریشیوں نے سنا تو عبدالمطلب پر زور دینے لگے کہ وہ اس ارادے سے باز رہیں عبدالمطلب نے کہا کہ میری منت کا کیا ہوگا؟ سردارانِ قریش نے کہا وہ اس طرح بھی پوری ہو سکتی ہے کہ عبداللہ کی بجائے دس اونٹ قربان کر دو۔ عبدالمطلب نے دس اونٹوں اور عبداللہ کے درمیان قرعہ اندازی کی تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ عبدالمطلب افسردہ ہو گئے۔ انہوں نے دس اور اونٹوں کا اضافہ کر کے قرعہ نکالا تو پھر بھی عبداللہ ہی کے نام نکلا حتی کہ وہ دس دس اونٹوں کا اضافہ کرتے ہوئے جب سو تک پہنچ گئے تو پھر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ اور عبدالمطلب نے عبداللہ کے بجائے سو اونٹ قربان کر کے اپنی منت کو پورا کیا۔ اس طرح عبداللہ کو دوبارہ زندگی ملی اور وہ ذبح ہوتے ہوتے رہ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انا ابن الذبیحین۔ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں

آپ کا اشارہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ کی طرف تھا۔

اس واقعہ کے بعد عبدالمطلب نے اونٹوں کو کھلا چھوڑ دیا، کسی انسان کو ان پر دست درازی سے منع کرتے تھے اور نہ کسی درندے کو اور اس واقعہ کے بعد عرب کے قریشیوں میں دیت کے طور پر سو اونٹوں کا رواج ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسلام میں دیت کے اسی نصاب کو برقرار رکھا۔

عبدالمطلب کے چاہِ زمزم کی کھدائی کا صفیہ بنت عبدالمطلب نے اپنے اشعار

میں، تذکرہ کیا ہے ؎

نحن حفرنا للحجیج زمزم سقیا الخلیل وابن المکرم
جبریل الذی لم یذمم شفاء سقم وطعام مطعم

ترجمہ:۔ ہم نے حجاج کے لیے زمزم کی کھدائی کی جو کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ، انکے قابل احترام صاحبزادے اور حضرت جبریل امین کا کنواں ہے، جس کا پانی بیماروں کے لیے شفا کا باعث ہے اور کھانے کے حاجت مندوں کے لیے کھانے کا کام دیتا ہے۔

ابوطالب غمگسار چچا

عبدالمطلب کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے یتیم بھتیجے کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ اور محبت وشفقت کے آنسوؤں سے بھتیجے کے چہرے سے گرد یتیمی کو دھو دیا اور اپنے بچوں سے زیادہ شفقت اور راحت کے ساتھ پالا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے آٹھویں سال سے لے کر نبوت کے دسویں سال تک یعنی تنتالیس برس تک ساتھ دیا، آپ کی طرف سے پوری پوری مدافعت کی اور ہر موقعے پر نہایت الفت وشفقت کا مظاہرہ کیا۔ ابومحمد بن قدامہ نے لکھا ہے کہ ابوطالب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

الا ابلغا عنی ذات بیننا لؤیا وخصّا من لؤی بنی کعب
بأنا وجدنا فی الکتاب محمدا نبیا کموسیٰ خط فی اول الکتب
وأن علیہ فی العباد محبۃ ولا خیر ممن خصّہ اللہ بالحبّ

ترجمہ:۔ ہماری طرف سے لؤی اور خاص طور پر لؤی بن کعب کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم نے سابقہ آسمانی کتابوں میں دیکھا ہے کہ حضرت محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بھی حضرت موسیٰ کی طرح نبی ہیں۔ ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں رچ بس گئی ہے اور اس سے زیادہ بہتر کوئی نہیں ہو سکتا، جسے اللہ تعالیٰ نے محبت کے لیے منتخب کر لیا ہو۔

نیز یہ شعر بھی ملاحظہ ہوں ؎

تعلم خیار الناس أن محمدا وزیرا لموسیٰ والمسیح ابن مریم

فلا تجعلوا لله ندا، واسلموا   فان طریق الحق لیس بمظلم

ترجمہ:۔ اچھے لوگوں کو بتادو کہ محمدؐ، موسیٰؑ اور مسیح بن مریم کے امور نبوت میں معین و مددگار ہیں۔ لہٰذا اے لوگو! تم خدا کے ساتھ شریک نہ بناؤ اور مسلمان ہو جاؤ کیونکہ حق کا راستہ تاریک نہیں ہے۔

لیکن اس کے باوجود خشیتِ عار کے باعث ابوطالب نے آپ کے دین کو قبول نہ کیا ابوطالب کا جب آخری وقت تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا "چچا جان! لا الٰہ الا اللہ کہہ دو، کیونکہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے کہ اس کے اقرار کے بعد خدا کے پاس تمہاری نجات کے لیے جھگڑا کر سکوں گا"۔ ابوجہل اور عبداللہ دونوں نے کہا: "ابوطالب! ملتِ عبدالمطلب سے اعراض نہ کر جانا۔ آپؐ بار بار ارشاد گرامی دوہراتے رہے، ان دونوں نے بھی اپنی تکرار کو جاری رکھا حتیٰ کہ ابوطالب کی زبان سے آخری کلمہ یہ نکلا کہ "میں ملتِ عبدالمطلب پر اپنے خاتمہ کا اعلان کرتا ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا چچا جان! میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا، جب تک مجھے منع نہیں کر دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت یہ آیت مبارکہ نازل فرمادی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ [1]

پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔

نیز یہ آیت مبارکہ بھی نازل ہوئی۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ [2]

(اے محمدؐ) تم جس کو دوست رکھتے ہو اسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

---

[1] التوبہ آیت ۱۱۳ [2] القصص آیت ۵۶

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابوطالب کی وفات پر ان کے بڑے حضرت علیؓ نے مرثیہ کہا تھا، جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں ؂

۱۔ أرقت لطير آخر الليل غردا	يذكرني شجوا عظيما مجددا
۲۔ أبا طالب مأوى الصعاليك ذا الندى	جوادًا اذا ما أصدر الامر أوردا
۳۔ فأمست قريش يفرحون بموته	ولست أرى حيا يكون مخلدا
۴۔ ارادوا أمورا زينتها حلومهم	ستوردهم يوما من الغي مرددًا
۵۔ يرجون تكذيب النبي وقتله	وان يفترى قدما عليه ويجحدا
۶۔ كذبتم وبيت الله حتى نذيقكم	صدور العوالي والحسام المهندا

ترجمہ :۔(۱) رات کے آخری حصہ میں گانے والے اس پرندے کی آواز سن کر بیدار ہو جاتا ہوں جو مجھے عظیم اور عالی مرتبت انسان کی موت یاد دلا دیتا ہے۔

(۲) میری مراد ابوطالب سے ہے جو کہ محتاجوں کا ملجاٴ و ماویٰ، سخی، بہادر تھا اور جب کسی کام کا فیصلہ کرتا تو اسے نافذ بھی کر دیتا تھا۔

(۳) قریشی اس کی وفات پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ حالانکہ کسی زندہ چیز نے بھی باقی نہیں رہنا۔

(۴) انہوں نے کچھ ایسے کھوٹے امور کا ارادہ کیا ہے جسے ان کی عقلوں نے گھڑا ہے، یہ امور انہیں یقیناً کسی دن گمراہی کے گھاٹ اتاریں گے۔

(۵) یہ لوگ نبی کی تکذیب، قتل، افترا اور انکار کے درپے ہیں۔

(۶) بخدا! تم غلط کہتے ہو اور شاید تم اس وقت تک ہماری بات کو نہ مانو جب تک ہم تمہیں نیزوں کی انیوں اور شمشیرانِ براں کا مزہ نہیں چکھا دیتے۔

ابوطالب نے دفات کے وقت چار لڑکے اور دو لڑکیاں اپنے پیچھے چھوڑیں۔ لڑکوں کے نام طالب، عقیل، جعفر اور علی ہیں۔ ہر ایک کی عمر میں دس سال کا فرق ہے۔ طالب ان میں سب سے بڑا تھا۔ عقیل طالب سے چھوٹا، جعفر عقیل سے چھوٹا اور حضرت علیؓ اپنے سب بھائیوں سے چھوٹے تھے۔

مشرکین مکہ نے جنگ بدر کے موقعہ پر طالب کو مجبور کیا تو وہ با دل نخواستہ ان کے ساتھ نکل پڑے۔ کفار کو جب شکست ہوئی اور انہوں نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا تو طالب مقتولوں میں نظر آئے اور نہ قیدیوں میں اور نہ ہی مکہ واپس لوٹے۔ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد بھی نہ چھوڑی عقیل جنگ بدر کے موقع پر گرفتار کر لیے گئے تھے ان کے پاس کوئی مال نہ تھا۔ لہٰذا انکے چچا حضرت عباسؓ نے ان کا فدیہ دے کر رہا کرایا۔ رہائی کے بعد یہ مکہ واپس لوٹ آئے اور ۸ھ تک وہاں مقیم رہے پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے، جنگ موتہ میں بھی اپنے بھائی جعفر کے ساتھ شریک ہوئے تھے، انہی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

وھل ترک لنا عقیل من منزل؟ کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے؟

جیسا کہ ذکر کیا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے زیر کفالت پرورش پا رہے تھے۔ عمر شریف کا نواں یا بارھواں سال تھا کہ ابوطالب آپ کو اپنے شام کی طرف سفر تجارت میں ساتھ لے گئے۔ بصرہ کے مشہور راہب بحیرہ نے جب آپ کو دیکھا تو ابوطالب سے کہا کہ اس نونہال کو شام نہ لے جانا تاکہ یہودی اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ ابوطالب نے اپنے کسی غلام کے ساتھ آپ کو مدینہ بھیج دیا۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ ابوطالب نے آپ کے ساتھ بلال کو بھیجا لیکن یہ بالکل غلط ہے کیونکہ بلال تو اس وقت شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہوں[1]

سفر شام سے شادی تک

یہ آپ کی عمر مبارک کا پچیسواں سال تھا۔ ذمہ داری، ہوشمندی اور فراست کا آفتاب جبین سعادت آثار سے طلوع ہو رہا تھا۔ تجارت کو اس عالم اسباب میں آذوقہ حیات کا ذریعہ بنایا۔ آپ کی دیانت اور راست بازی کا شہرہ سن کر خدیجہؓ نے بہت منت کے ساتھ آپ کی خدمتِ اقدس میں پیغام بھجوایا کہ میں آپ کے ذریعے اپنا سامانِ تجارت شام بھیجنا چاہتی ہوں۔ آپ نے ان کی استدعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور چند دن بعد سوئے شام تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی

---

[1] تفصیل اور تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمایئے۔ سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۲۵ - ۱۲۷ طبع جون ۱۹۷۳ء از امام العصر حضرت علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ۔ مترجم۔

آپ کے ہمراہ تھا۔ یہ مختصر سا قافلہ بصریٰ پہنچ گیا اور بہت زیادہ نفع حاصل کر کے جلد وطن واپس لوٹ آیا۔

واپسی پر خدیجہ آپ کی دیانت، امانت اور تجارت میں بے پناہ برکت دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے آپ کی خدمت میں شادی کا پیغام بھیج دیا، جسے آپ نے قبول فرمالیا۔ خدیجہ ؓ ہی سب سے پہلی عورت ہیں جنہیں آپ کی زوجیت کا شرف نصیب ہوا۔ ازواج مطہرات میں سے پہلے آپ ہی نے دنیا سے رخت سفر باندھا۔ آپ کی موجودگی میں آپ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔ ایک مرتبہ حضرت جبریل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

أن يقرأ عليها السلام من ربها ويبشرها ببيت في الجنة من قصب۔	خدیجہؓ کو ان کے رب کی طرف سے سلام پہنچا دو اور جنت میں زبرجد و یاقوت کے گھر کی بشارت سنا دو۔

غارِ حرا میں عبادت

جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا آپ پر خلوت اور خدا کی عبادت کی محبت غالب آتی جارہی تھی۔ آپ غارِ حرا میں خلوت نشینی اختیار فرما کر خدا کی عبادت میں مصروف ہو جایا کرتے تھے[1]۔ بتوں اور بت پرستی سے آپ کو شدید نفرت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس قدر احسن انداز میں پرورش فرمائی کہ آپ اپنی تمام قوم کی نسبت مروت کے اعتبار سے سب سے افضل، خلق کے اعتبار سے سب سے احسن، پڑوس کے اعتبار سے سب سے معزز، حلم کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر، بات کے اعتبار سے سب سے زیادہ راست باز اور امانت کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے ثابت ہوتے۔ انہی عاداتِ مبارکہ اور خصالِ حمیدہ کی بدولت قوم نے آپ کو امین کے لقب سے نوازا۔

کعبہ کی تعمیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کا پینتیسواں سال ہے، بارشوں اور سیلاب کے باعث خانہ کعبہ کی دیواروں کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔

---

[1] متفق علیہ [2] اس وقت آپ کی عبادت یہ تھی کہ آپ لوگوں کے متعلق غور و فکر فرماتے رہتے تھے کہ یہ ایسی جہالت کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، جو عقل اور فطرتِ سلیم کے منافی ہے نیز آپ یہ غور و فکر فرماتے رہتے کہ لوگوں کو اس تقلید کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جائے، ان تاریکیوں سے کیسے نکالا جائے اور ان

اور قریش از سر نو تعمیر کا ارادہ کر رہے ہیں۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کعبہ کی نگہداشت ان کی اولاد کے ذمہ تھی، پھر ان کے بعد جب جرہم کو غلبہ نصیب ہوا، تو وہ خانہ کعبہ کی حفاظت کرتے رہے حتیٰ کہ ایک ایسا دور آیا کہ کعبہ کی حفاظت کے بجائے انہوں نے کعبہ کی بے حرمتی شروع کر دی، کعبہ کی طرف لے جائے جانے والے ہدایا کو کھانا شروع کر دیا اور مکہ میں آنے والے لوگوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا، تو اللہ نے ان سے یہ دولت چھین کر خزاعہ کو دے دی، البتہ تین امور قبائل مضر کے پاس رہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حج کے دن عرفہ سے مزدلفہ کی طرف جانے کی اجازت دینا صوفہ کے ہاتھ میں تھا۔

(۲) قربانی کے دن کی صبح مزدلفہ سے منیٰ کی طرف واپسی کی اجازت یزید بن عدوان کے ہاتھ میں تھی۔ اس خاندان کا آخری فرد ابوسیارہ تھا، جس کے پاس یہ منصب رہا۔

(۳) حرمت والے مہینوں میں تقدیم و تاخیر کا معاملہ بنو کنانہ کے سردار حذیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور پھر بعد میں جنادہ بن عوف کے پاس منتقل ہو گیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کی پینتیسویں بہار تھی کہ قریشیوں نے کعبہ کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ کعبہ کی دیواروں کو پہلے کی نسبت بلند کر دیا جائے اور مسقف بھی، کیونکہ دیواروں کے بلند اور مسقف نہ ہونے کی وجہ سے کعبہ کے کنوئیں میں مدفون خزانے کو بعض لوگ چرا لے گئے تھے۔

قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا جو فیصلہ کیا، اسے چند اتفاقات نے مزید تقویت نصیب ہوئی۔ ایک تو یہ کہ انہی دنوں ایک رومی تاجر کا جہاز جو جدہ کے پاس سے گزر رہا تھا، سمندر میں زبردست طغیانی کے باعث خشکی پر چڑھ آیا اور ٹوٹ گیا، مکہ والوں کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے

بقیہ حاشیہ۔ مہلک بیماریوں کا علاج کیسے کیا جائے؟ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (اور آپ کو رستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا رستہ دکھایا) اور "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (اے محمدؐ!) کیا ہم نے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا (بیشک کھول دیا) اور تم پر سے بوجھ بھی اتار دیا، جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

جہاز کی لکڑی خرید لی اور اسے چھت کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ مکہ میں رہنے والے ایک قبطی نجار نے اس لکڑی کو چھت کے استعمال کے قابل بنا لیا۔

ایک نیک فال یہ پیش آئی کہ کعبہ کے تمام چڑھاوے اور نذریں لوگ حفاظت کے لیے کعبہ کے جس کنوئیں میں ڈال جایا کرتے تھے، اس میں ایک بہت بڑا سانپ پیدا ہو گیا تھا، لوگ اس سے بہت دہشت زدہ تھے۔ جب بھی کوئی اس کے قریب جاتا تو وہ بلند ہو ہو جاتا، منہ کھول لیتا اور آوازیں نکالنے لگ جاتا۔ ایک دن وہ اژدہا کعبہ کی دیوار پر دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ بھیجا جو اسے اٹھا کر لے گیا۔ یہ منظر دیکھ کر قریشی پکار اٹھے "ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے راضی ہے، جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے"۔ ہمارے پاس ایک معمار دوست ہے، لکڑی بھی مہیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے سانپ سے بھی بچا لیا ہے۔

بہر حال جب تمام رؤسائے قریش کعبہ کے انہدام اور تعمیر نو پر متفق ہو گئے، تو ابو وہب بن عمرو بن عائذ مخزومی نے کعبہ کے ایک پتھر کو پکڑا، تو وہ ہاتھ سے گر کر اپنی جگہ پر چلا گیا، تو انہوں نے قریشیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:-

"اے سرداران قریش! تعمیر کعبہ میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسب حلال سے ہو، زنا، سود اور ظلم کا ایک پیسہ بھی اس میں شامل نہ ہو"۔

تعمیر کعبہ میں شرکت کی سعادت کے لیے تعمیری امور مختلف قبائل میں تقسیم کر دیئے گئے دروازے کی جانب کی تعمیر عبد مناف اور زہرہ کے حصہ میں آئی۔ حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ بنی مخزوم اور قریش کے بعض دیگر قبائل کے ذمہ بیت اللہ کی پشت کی تعمیر بنی جمح اور بنی سہم اور حطیم بنی عبد الدار، بنی اسد بن عبد العزیٰ اور بنی عدی کے حصے میں آیا۔

قدیم عمارت کے انہدام کے وقت پھر سب لوگ ڈر گئے بالآخر ولید بن مغیرہ نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کدال سے کعبہ کی دیواروں کو گرانا شروع کر دیا۔ ولید کدال چلاتا جاتا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ دعا پڑھتا جاتا تھا۔

"اے اللہ! ہمیں خوف زدہ نہ کر ہم اچھا کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔

ولید نے حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف سے بیت اللہ کو ڈھانا شروع کیا تھا۔ لوگوں

نے ولید کا شریک کار بننے کے لیے ایک رات کا انتظار کرنا مناسب سمجھا اور فیصلہ یہ کیا کہ اگر ولید پر کوئی آفت نازل ہوئی، تو ہم کچھ نہیں گرائیں گے۔ بلکہ ولید کے گرائے ہوئے کو بھی اسی طرح اصل کے مطابق بنادیں گے۔ بصورتِ دیگر اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کام سے راضی ہے۔ دوسری صبح ولید جب ہاتھ میں کدال اٹھائے صحیح سلامت بیت اللہ شریف میں داخل ہوا تو سب لوگ اس کارِ خیر میں شریک ہو گئے۔

اہل مکہ نے بنیادوں کی اتنی گہرائی تک کھدائی کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیادیں نمودار ہو گئیں، جو کہ سبز رنگ کے پتھروں پر مشتمل تھیں اور وہ پتھر ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے۔ کسی نے جب ان پتھروں پر پھاوڑا چلایا تو اس قدر زور سے دھماکہ ہوا کہ تمام مکہ لرز لرز اٹھا۔ چنانچہ انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ سمجھ کر آگے کھدائی کا کام بند کر دیا اور انہی بنیادوں سے تعمیر کا کام شروع کر دیا۔

تعمیر کے لیے ہر قبیلے نے الگ الگ پتھر جمع کیے حتیٰ کہ جب کعبہ کی دیواریں اٹھ گئیں تو حجر اسود کی تنصیب کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ تلواریں بے نیام ہو گئیں۔ بنو عبدالدار اور بنو عدی بن کعب نے عرب کے دستور کے مطابق خون سے بھرے ہوئے پیالے میں انگلیاں ڈبولیں۔ یہ اس بات کا عہد تھا کہ ہم کعبہ کی دیواریں حجرِ اسود نصب کر کے رہیں گے یا پھر لڑ کر جان دے دیں گے۔ چار پانچ روز اسی کشمکش میں گزر گئے، پھر مسجد حرام میں جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے تاکہ جھگڑے کا فیصلہ کیا جا سکے۔ آخر کار بعض اہل روایت کے بقول ابوامیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی نے، جو قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا، یہ تجویز پیش کی کہ خانہ کعبہ میں جو شخص کل صبح سب سے پہلے داخل ہو اسی کو حکم مان لیا جائے اور جو وہ فیصلہ کرے سب اسے تسلیم کریں۔ اگلے روز سپیدہ سحر نمودار ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ محمد بن عبداللہ سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی سب بیک جنبش زبان پکار اٹھے۔

"یہ تو امین ہیں، یہ محمدؐ ہیں، ہم آپ کو حکم بنانے پر راضی ہیں"۔

جب آپ کو ساری صورتِ حال بتائی گئی تو آپ نے فرمایا میرے پاس ایک چادر لاؤ،

چادر لائی گئی تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود اس میں رکھ دیا اور فرمایا تمام قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی چادر کے کونے کو تھام لے اور پھر سب مل کر اسے اٹھائیں۔ جب سب نے مل کر اٹھایا اور حجرِ اسود تنصیب کے مقام پر پہنچ گیا تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو نصب فرما دیا۔

کعبہ کی اس تعمیرِ نو کے موقع پر آپ بھی باقی قریش کی طرح پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے۔ اس وقت برہنگی اور عریانی عربوں کے ہاں معیوب نہ تھی لہٰذا انہوں نے تہبند کھول کر کندھوں پر ڈال لیے تھے۔ آپ نے بھی تہبند کھولا تاکہ پتھر ڈھونے میں آسانی رہے لیکن آپ پر فوراً غشی طاری ہو گئی اور آپ کو آواز سنائی دی۔

استر عورتك۔ اپنے ستر کو چھپاؤ۔

اس کے بعد کبھی بھی زندگی بھر آپ کو برہنہ نہ دیکھا گیا۔

بیت اللہ شریف کو ابتدا میں کتان کے کپڑے کا غلاف پہنایا جاتا تھا، پھر یمنی چادروں کا پہنایا جانے لگا۔ ریشمی کپڑے کا غلاف سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے پہنایا۔

قریش نے سرمایہ کی قلت کے باعث حجر کو تعمیر سے خارج کر دیا اور دروازے کو زمین سے اونچا کر دیا تاکہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی بیت اللہ میں داخل نہ ہو سکے اور فی الواقع ان کی اجازت کے بغیر کوئی بیت اللہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

عمر شریف کی آپ چالیسویں بہار دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلعتِ نبوت سے سرفراز فرما دیا اور بشیر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراجِ منیر بنا کر گم گشتہ راہ انسانیت کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔

جاہلیت کے افق پر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل زمانہ جاہلیت کے کچھ حالات بھی ذکر کر دیئے جائیں۔

امام قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس صدیوں کا عرصہ تھا ان صدیوں کے سب لوگ ہدایت یافتہ اور دینِ حق کے پیروکار تھے۔ پھر جب ان میں اختلاف رونما ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، آپ پہلے رسول ہیں جنہیں

انسانیت کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ

ارشاد باری تعالیٰ :۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً [1] (پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا۔

کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سب کے سب لوگ دین اسلام کے پابند تھے۔

شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو پہلا حربہ استعمال کیا، وہ یہ کہ ان کے دلوں میں نیک اور بزرگ لوگوں کی تعظیم کا افسوں پھونک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۙ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا [2]

اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سب نیک لوگ تھے۔ جب ایک ہی مہینے میں ان کا انتقال ہوا، تو اعزہ و اقارب نے شدید صدمہ محسوس کیا اور ان کی یاد ہمیشہ تازہ رکھنے کے لیے ان کے بت تراش لیے۔ بعض اہل علم کے بقول ان کا نظریہ یہ تھا کہ ان نیک لوگوں کی تصویریں دیکھ دیکھ کر عبادت کا شوق پیدا ہوتا رہے گا، چنانچہ جب کوئی اپنے بھائی یا کسی برادر عم زاد کے پاس جاتا تو پہلے ان کی تعظیم کرتا۔ اس صدی کے بعد آنے والے لوگوں نے صلحاء کے ان بتوں کی پہلے لوگوں سے بھی زیادہ تعظیم کی اور ان کے بعد آنے والے لوگوں نے تو یہ موقف اختیار کر لیا کہ ہمارے آباؤ اجداد ان کی تعظیم محض اس وجہ سے کرتے تھے کہ انہیں امید تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے اور پھر انہوں نے تعظیم میں اس حد تک مبالغہ کیا کہ ان کی عبادت ہی شروع کر دی۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

اور پھر حضرت نوحؑ پر ایمان نہ لانے والوں کو طوفان میں غرق کر دیا، تو طوفان کا پانی ان بتوں کو بہا کر سرزمین جدہ میں لے آیا۔ پانی خشک ہوا تو یہ بت ساحل سمندر پر دیکھے گئے، پھر تند و تیز ہوا وہاں

---

[1] البقرۃ آیت ۲۱۳ [2] نوح آیت ۲۳۔

نے ان پر اس قدر مٹی ڈالی کہ یہ دبیز تہہ میں چھپ گئے۔

عمرو بن لحی اور دین ابراہیم

خاندانِ خزاعہ کا سردار عمرو بن لحی کاہن تھا اور ایک جن سے اس کا دوستانہ تھا۔ ایک مرتبہ اس جن نے عمرو سے کہا۔

"سعادت و سلامتی کے ساتھ تہامہ سے جلد کوچ کر کے جدہ جاؤ، وہاں تمہیں کچھ بت نظر آئیں گے، انہیں بے خوف و خطرہ تہامہ لے آؤ اور لوگوں کو ان کی پوجا کی دعوت دو، لوگ تمہاری دعوت پر لبیک کہیں گے"۔

عمرو نے جدہ جا کر ان بتوں کو تلاش کر لیا اور پھر اپنے ساتھ تہامہ لے آیا۔ حج کا موسم آیا تو اس نے عربوں کو ان اصنام کی پرستش کی دعوت دی۔ عوف بن عذرہ نے سب سے پہلے اس دعوت کو قبول کیا۔ عمرو نے اسے ود نامی بت دے دیا، جسے وہ دُومَۃُ الجَنْدَل کی وادی قریٰ میں اپنے گھر لے آیا اور اس نے اپنے ایک بیٹے کا نام بھی عبدِ ود رکھ دیا اور یہی پہلا شخص تھا جس نے عرب میں یہ نام رکھا۔ عوف کی اولاد نے ہمیشہ اپنے آپ کو اس بت کی خدمت و چاکری کے لیے وقف رکھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سرزمین عرب کو اسلام سے مشرف فرما دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس بت کے توڑنے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو بنو عذرہ اور بنو عامر درمیان میں حائل ہو کر آمادہ پیکار ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے لڑائی میں ان کے چھکے چھڑا دیئے اور ود کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

عوف بن عذرہ کی طرح مضر بن نزار نے بھی عمرو بن لحی کی بت پرستی کی دعوت کو تسلیم کر لیا۔ عمرو نے ہذیل کے ایک آدمی کو سواع دے دیا، جو کہ رہاط نامی ایک مقام پر رہتا تھا۔ بطن نخلہ میں مُضر قبیلے کے جو افراد رہتے تھے، وہ بھی اسی بت کی پرستش کرتے تھے۔ بنو ہذیل کی یہ بت پرستی ضرب المثل بن گئی جیسا کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے ؎

تراهم حول قبلتهم عكوفاً
كما عكفت هذيل على سُواع

ترجمہ:۔ (اے مخاطب!) تو انہیں اپنے قبلہ کے گرد (اس طرح چکر لگاتے ہوئے دیکھے

گا، جس طرح ہذیل ہمیشہ سواع کے گرد چکر لگاتے ہیں۔

مذحج نے بھی عمرو کی دعوت کو قبول کیا، تو اس نے نعیم بن عمر مرادی کو یغوث دے دیا۔ نعیم یمن میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر رہتا تھا۔ مذحج اور گرد و پیش کے قبائل نے اس بت کی پرستش شروع کر دی۔ خیوان کے قبیلے ہمدان نے بھی عمرو کی دعوت کو تسلیم کر لیا تو اُسے یعوق دے دیا گیا۔ ہمدان اور اس کے پڑوسی قبائل نے یعوق دے دیا گیا۔ ہمدان اور اس کے پڑوسی قبائل نے یعوق کی پوجا شروع کر دی۔ حمیر قبیلے کو عمرو نے نسر دے دیا، جسے انہوں نے سبا رمقام پر نصب کر دیا اور پڑوسی قبائل کے ساتھ مل کر اس کی عبادت شروع کر دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک ان بتوں کی پوجا ہوتی رہی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دستِ حق پرست سے ان کو پاش پاش کر دیا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رأیت عمرو بن عامر الخزاعی یجر قصبه فی النار فکان اول من سیب السوائب۔ [1]	میں نے دیکھا کہ عمرو بن عامر خزاعی اپنی آنتوں کو جہنم میں گھسیٹ رہا تھا، اسی نے سب سے پہلے سوائب کی طرح ڈالی تھی۔

اور ایک روایت میں ہے۔

وغیر دین ابراهیم۔	اسی نے سب سے پہلے دین ابراہیم میں تبدیلی شروع کی۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔

فکان اول من غیر دین ابراهیم	اسی نے سب سے پہلے دینِ ابراہیم میں تبدیلی

[1] سوائب، سائبہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ اونٹنی ہے جو زمانہ جاہلیت میں نذر وغیرہ کے لیے چھوڑ دی جاتی تھی یا وہ اونٹنی جس کے دس مادہ بچے ہوں تو اس پر نہ تو سوار ہوتے تھے اور نہ اس کے دودھ کو سوائے اس کے بچے کے اور مہمان کے کوئی پیتا تھا اور گھاس پانی وغیرہ سے بھی اس کو نہیں روکا جاتا تھا اور اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ مر جاتی۔

(مترجم)

ونصب الاوثان۔ کی اور اُسی نے بت نصب کیے۔

زمانہ جاہلیت کے لوگ اگرچہ بت پرست تھے لیکن پھر بھی ان میں ابراہیمی دین کی تعلیم مثلاً طوافِ کعبہ، حج اور عمرہ، وقوف عرفہ و مزدلفہ اور اونٹوں کی قربانی وغیرہ باقی تھی۔ بنو نزار نے تو باقاعدہ تلبیہ میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا۔

لبیک اللھم لبیک لبیک	حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں
لا شریک لک الا	تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جسے تو نے شریک بنالیا
شریکا ھو لک تملکہ	ہے، تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے
وما ملک۔	اس کا بھی تو ہی مالک ہے۔

ان کے اس عقیدہ کی تردید ہی کے لیے اللہ تعالیٰ یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ [1]	وہ تمہارے لیے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن (لونڈی غلاموں) کے تم مالک ہو وہ اس (مال) میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے تمہارے شریک ہیں؟ اور (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر (مالک سمجھتے) ہو (اور کیا) تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو؟ اسی طرح ہم عقل والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

صنمِ منات منات سب سے قدیم صنم تھا، جو کہ مکہ و مدینہ کے درمیان قدید مقام پر مشلل کی طرف سے ساحلِ سمندر پر نصب تھا۔ تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ لیکن اوس اور خزرج تو بے پناہ تعظیم کرتے تھے۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ نازل فرمائی

---

[1] الروم آیت ۲۸۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا[1]	بے شک (کوہ) صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے

فتح مکہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا تھا اور انہوں نے اسے توڑ کر ذرّہ ذرّہ کر دیا۔

صنمِ لات طائف کے لوگوں نے لات کی پرستش شروع کر رکھی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی حجاج کو ستو پلایا کرتا تھا، جب فوت ہوا تو اہل طائف نے اسی کی قبر کو صنم کدہ بنا لیا، یہ صنم کدہ مربع شکل کی چٹان میں بنایا گیا تھا اور بنو ثقیف اس کے خدمت گار تھے، انہوں نے قبر کے اوپر ایک مکان بھی تعمیر کر رکھا تھا۔ تمام عرب اس کی بے پناہ تعظیم کرتے تھے یہ بت کدہ مسجد طائف کے منارہ کی جگہ کے قریب تھا۔ عرب زید اللات اور تیم اللات وغیرہ نام بھی رکھ لیتے تھے۔ جب بنو ثقیف مسلمان ہو کر دولتِ توحید سے آشنا ہوئے تو سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو بھیجا، انہوں نے اس صنم کدے کو پاش پاش کرنے کے بعد نذر آتش کر دیا۔

عزیٰ، لات کی نسبت کم عمر کا بت کدہ تھا اور ذاتِ عرق کے بالائی جانب وادی نخلہ میں واقع تھا۔ اس بت کدے کے اوپر بھی ایک گھر بنایا گیا تھا، جس سے آواز سنائی دیتی تھی، قریش اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا، انہوں نے اسے تہس نہس کر دیا۔ یہاں ببول کے بھی تین درخت تھے۔ حضرت خالدؓ نے ان کو بھی کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب انہوں نے تیسرے درخت کو کاٹا تو وہاں سے ایک حبشی عورت نمودار ہوئی، جس کے بال پریشان تھے، ہاتھوں کو کندھوں پر رکھے ہوئے تھی، کچلیوں کو نکالے ہوئے تھی اور اس کے خدمت گار اس کے پیچھے پیچھے تھے حضرت خالدؓ نے یہ منظر دیکھا تو فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

یا عز کفرانک لا سبحانک   انی رأیت اللہ قد اھانک

---

[1] البقرۃ آیت ۱۵۸۔

ترجمہ :۔ اے عزیٰ میں تیرا انکار کرتا ہوں، تیری تعظیم نہیں کرتا۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل وخوار کر دیا ہے۔

پھر حضرت خالدؓ نے اس کے سر پر اس قدر قوت سے ضرب لگائی کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کوئلوں کی شکل میں منتشر ہو گئی۔ حضرت خالدؓ نے اس کے خادم کو بھی قتل کر دیا۔

صنم ہبل قریش نے خود کعبۃ اللہ میں بھی کئی بت رکھے ہوئے تھے، جن میں سب سے بڑا ہبل تھا، یہ سرخ رنگ کے عقیق سے انسانی صورت پر تراشا ہوا تھا۔ قریشیوں میں جب کوئی لڑائی جھگڑا ہو جاتا یا وہ سفر کا ارادہ کرتے تو اس کے پاس آکر قرعہ اندازی کرتے۔ جنگ اُحد کے دن اسی کے متعلق ابوسفیان نے کہا تھا۔

اُعْلُ ھُبَلُ۔ اے ھبل تو سر بلند ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ کہ اس کے جواب میں تم یہ کہو۔

اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلّ۔ اللہ ہی اعلیٰ اور سب سے بلند وبالا ہے۔

اسی طرح اِساف اور نائلہ بھی مشہور بت تھے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اساف بنو جرہم کے ایک مرد اور نائلہ ایک عورت کا نام تھا انہوں نے بیت اللہ میں بدکاری کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا۔ لوگوں نے انہیں بیت اللہ شریف سے نکال کر باہر رکھ دیا تاکہ دوسروں کے لیے باعث عبرت ہوں جب عرصہ بیت گیا اور بت پرستی شروع ہوئی، تو لوگوں نے ان کی بھی پوجا شروع کر دی۔

ذوالخلصہ مکہ و مدینہ کے درمیان خثعم اور بجیلہ کے خاندانوں نے ذوالخلصہ کی پرستش شروع کر رکھی تھی۔ اسی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے فرمایا تھا۔

الا تریحنی من ذی الخلصۃ۔؟ کیا آپ ذوالخلصہ کو تباہ کر کے مجھے راحت نہیں پہنچائیں گے؟

حضرت جریرؓ نے یہ ارشاد نبوی سنا تو نہایت دلیری سے مشن پر روانہ ہو گئے، ہمدانیوں نے مقابلہ کیا لیکن آپ نے نہایت شجاعت وبسالت کا مظاہرہ فرمایا، ذوالخلصہ کو ذرہ ذرہ کر

دیا اور کامیاب و کامران واپس لوٹے۔

قضاعہ، لخم، جذام، عاملہ اور غطفان کے قبائل کے مشارف الشام میں بت تھے الغرض مکہ کی ہر ہر وادی کے لوگوں نے اپنے اپنے بت تراش رکھے تھے۔ جب وہ سفر کا ارادہ کرتے تو گھر سے رخصت ہوتے وقت بتوں سے برکت حاصل کر کے جاتے۔

صنم عم انس ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ خولان کے بت کا نام عم انس تھا، انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ [1]	اور (یہ لوگ) خدا ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں خدا کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال (باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) تو خدا کا اور یہ ہمارے شریکوں (یعنی بتوں) کا تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو خدا کی طرف نہیں جا سکتا اور جو حصہ خدا کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے۔ یہ کیسا برا انصاف ہے۔

جب اللہ تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کی دعوت دینے کے لیے مبعوث فرمایا، تو قریش آپ کے ارشادات پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ [2]	کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

عربوں نے کعبہ کے ساتھ کچھ اور بت خانے بھی بنا رکھے تھے، جن کی وہ کعبہ ہی کی طرح تعظیم کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح فرمایا تو اس وقت بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، آپ ان کے چہروں اور آنکھوں پر نیزہ مارتے ہوئے فرماتے جا رہے تھے۔

---

[1] الانعام آیت ۱۳۶ [2] ص آیت ۵۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ ۱؎ — حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا۔ بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔

اور بت سر کے بل گرتے جاتے تھے، پھر آپ کے ارشاد کی تعمیل میں بتوں کے ٹکڑوں کو بیت اللہ شریف سے نکال کر باہر پھینک کر نذر آتش کر دیا گیا۔

دور جاہلیت کی اس بت پرستی کے تذکرے کے بعد ہم پھر سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آغاز وحی

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا، آپ جو خواب بھی دیکھتے، اس کی تعبیر سپیدہ سحر کی طرح نمودار ہو جاتی، پھر آپ خلوت گزینی کو پسند فرمانے لگے اور اس مقصد کے لیے غار حرا تشریف لے جاتے۔ گھر واپس لوٹنے تک عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے اور زاد کے ختم ہونے تک شہر تشریف نہ لاتے، جب ختم ہو جاتا تو مراجعت فرماتے اور حضرت خدیجہؓ زاد راہ تیار فرما دیتیں آپ کا یہی معمول تھا کہ فرشتہ آپ کے پاس پیام حق لے کر اسی غار میں آیا۔ فرشتے نے کہا پڑھو، آپ نے فرمایا میں تو پڑھنا نہیں جانتا، فرشتے نے آپ کو پکڑ زور سے دبایا اور کہا پڑھو آپ نے پھر فرمایا میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے آپ کو پکڑ کر پھر زور سے دبایا اور کہا کہ پڑھو آپ نے پھر فرمایا کہ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے آپ کو پکڑ کر زور سے دبایا اور کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ ۲؎ — (اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔

آپ پر کپکپی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور گھر تشریف لے آئے۔ حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ سے فرمایا "مجھے چادر اڑھاؤ"، "مجھے چادر اڑھاؤ" انہوں نے آپ کو چادر اڑھا دی۔ آپ کو

۱؎ بنی اسرائیل آیت ۸۱

جب سکون محسوس ہوا، تو آپ نے حضرت خدیجہؓ کو پورا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہے حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیتے ہوئے عرض کیا: "ہرگز نہیں! بخدا اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ اقربا پر شفقت فرماتے ہیں، مصیبت زدہ لوگوں کے بوجھ اٹھا لیتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں، بیکسوں کی مدد کرتے ہیں، حق کی راہ میں پیش آنے والے مصائب میں اعانت فرماتے ہیں"۔ پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے برادر عم زاد ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی کے پاس لے گئیں۔ ورقہ نے زمانہ جاہلیت میں نصرانیت اختیار کرلی تھی اور عبرانی زبان میں انجیل کی کتابت کیا کرتے تھے، نہایت عمر رسیدہ تھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا "ابن عم! ذرا اپنے برادر زادے کی بات سنیئے"؟ ورقہ نے کہا "برادر زادے! کیا بات ہے"؟ آپؐ نے تمام واقعہ ورقہ کو سنایا، ورقہ سن کر بول اٹھا:۔

"یہی وہ ناموس ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر نازل کیا تھا، کاش میں جوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب قوم آپ کو نکال دے گی"۔
آپؐ نے فرمایا کیا قوم مجھے نکال دے گی؟

ورقہ نے کہا "جی ہاں! اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی، اس کی مخالفت کی جاتی رہی اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو آپ کی خاطر خواہ مدد کروں گا۔ پھر ورقہ نے درج ذیل اشعار کہے ؎

لججت، وکنت فی الذکری لجوجا
لھم طالما بعث النشیجا

۲۔ ووصف من خدیجۃ بعد وصف
فقد طال انتظاری یا خدیجا

۳۔ ببطن المکتین علی رجائی!
حدیثک أن أری منہ خروجا!

۴۔ بما خبرتنا من قول قس
من الرھبان اکرہ ان یعوجا

۵۔ بأن محمدا سیسود قوما
یخصم من یکون له حجیجا

۶۔ ویظهر فی البلاد ضیاء نور
یقیم به البریة أن تموجا

۷۔ فیلقی من یحاربه خسارا
ویلقی من یسالمه فلوجا

۸۔ فیالیتی اذا ما کان ذاکم
شهدت وکنت أولهم ولوجا

۹۔ ولوجا بالذی کرهت قریش
ولو عجت بمکتها عجیجا

۱۰۔ أرجی بالذی کرهوا جمیعا
الی ذی العرش ان سفلوا عروجا

۱۱۔ وهل امر السفالة غیر کفر
بمن یختار من سمک البروجا

۱۲۔ فان یبقوا وابق تکن امور
یضج الکافرون لها ضجیجا

۱۳۔ وان اهلک فکل فتی سیلقی
من الاقدار متلفة خروجا

ترجمہ: (۱) تمہاری یاد کی وجہ سے میں ہمیشہ غموں میں مستغرق رہا حتیٰ کہ شدتِ غم نے بارہا مجھ پر گریہ زاری کی کیفیت طاری کی۔

(۲) خدیجہؓ سے مختلف اوصاف معلوم ہونے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ وہی نبی ہیں، جن کا مجھے عرصہ دراز سے انتظار تھا۔

(۳) مجھے یہی امید تھی کہ یہ نبی مکہ یا مدینہ میں مبعوث ہوں گے، اب تمہاری بات سن کر مجھے

یقین ہو گیا ہے۔

(۴) پادری کی جو تم نے مجھے بات بتائی ہے، میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی بات سے ہٹ جائے۔

(۵) بات یہ کہ محمدؐ اپنی قوم کا سربراہ ہو گا اور اپنے مخالفین پر حجت سے غالب آئے گا۔

(۶) شہروں میں ہدایت کا نور اور روشنی پھیل جائے گی اور مخلوق کو اضطراب کے بجائے سکون نصیب ہو گا۔

(۷) ان سے لڑائی کرنے والے خائب و خاسر اور صلح و صفائی رکھنے والے فوز و فلاح سے ہمکنار ہوں گے۔

(۸) اے کاش! مجھے وہ وقت نصیب ہو جب ان کی قوم ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے گی، تو میں انہیں ان کے مقام سے آگاہ کر دوں گا اور معتمد علیہ ثابت ہوں گا۔

(۹) میں ضرور اس دین میں داخل ہو جاؤں گا، جسے قریش خواہ پسند نہ کریں اور چیخ چیخ کر مکہ سر پر اٹھالیں۔

(۱۰) جس بات کو تمام قریش ناپسند کرتے ہوئے پستی میں گر جائیں گے، مجھے امید ہے اسے اختیار کر کے عرش والے تک رسائی حاصل کی جا سکے گی۔

(۱۱) آسمانوں کی بلندیوں کو اختیار کرنے والوں کے مقابلہ میں کفر کو پسند کرنے والے یقیناً پستی میں ہیں۔

(۱۲) اگر یہ باقی رہے اور میں بھی رہا تو ہم یقیناً ایسے امور ملاحظہ کریں گے، جن کی وجہ سے کافروں کو نالہ و شیون کرنا پڑے گا۔

(۱۳) اور اگر میں چل بسا تو ہر نوجوان کو بالآخر ایسے امور کا سامنا کرنا پڑے گا، جو اس کی وفات پر منتج ہوں گے۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی بھی رک گئی، وحی کے رک جانے کی وجہ سے آپ پر حزن و ملال کی سی کیفیت طاری ہو گئی حتیٰ کہ یہ کیفیت کبھی کبھی اس قدر شدت اختیار کر جاتی کہ آپ اپنے تئیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرانے کا ارادہ فرما لیتے لیکن فوراً جبریل

حاضر ہو جاتے اور کہتے کہ "اے محمدؐ! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں"۔ یہ مژدہ جاں فزا باعث تسکین خاطر ثابت ہوتا لیکن جب فترتِ وحی کی مدت دراز ہو جاتی، تو آپ پھر افسردہ خاطر ہو جاتے اور بہ شدتِ غم کی وجہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرنے کا عزم کر لیتے۔ لیکن جبریل امین حاضر ہو کر آپ کو تسلی دیتے۔

ایک مرتبہ آپؐ کسی راستے پر تشریف لے جا رہے تھے کہ آسمان سے آپؐ کو آواز سنائی دی، آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ تو آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے مجھے وہی فرشتہ نظر آیا جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا، مجھے ڈر محسوس ہوا تو میں گھر واپس آ گیا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ[1]	اے (محمدؐ) جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو، اٹھو اور ہدایت کرو۔

اس کے بعد وحی کا مبارک سلسلہ تواتر اور تسلسل کے ساتھ شروع ہو گیا۔

وحی کی اقسام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والی وحی کی انواع و اقسام مختلف تھیں، جن میں سے چند مشہور حسب ذیل ہیں۔

اول:۔ خواب، عبید بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ پھر انہوں نے استشہاد کے طور پر درج ذیل آیت شریفہ تلاوت کی۔

إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ	میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں

دوم:۔ فرشتے نظر آئے بغیر وحی کو آپ کے دل میں القا کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان روح القدس نفث	بے شک روح القدس نے میرے دل میں اس
فی روعی أنه لن تموت	بات کو القا کیا ہے کہ اس وقت تک کوئی نفس
نفس حتی تستکمل رزقها	نہیں مرے گا جب تک اپنے رزق اور اجل کی

---

[1] المدثر آیت ۱-۲۔

وأجلها فاتقوا الله واجملوا	تکمیل نہ کرے لہذا اللہ سے ڈر جاؤ اور اچھے
فی الطلب ولا یحملنکم	طریقے سے رزق طلب کرو، رزق کی تاخیر تمہیں
استبطاء الرزق علی ان	اس بات پر مجبور نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانی کر
تطلبوه بمعصية الله فان	کے رزق طلب کرنے لگو، کیونکہ اللہ کے پاس
ما عند الله لا ینال الا	جو ہے، اسے اسکی اطاعت ہی سے حاصل
بطاعته۔	کیا جاسکتا ہے۔

سوم: فرشتہ کسی آدمی کی صورت اختیار کر کے آپ سے مخاطب ہوتا تھا، اس صورت میں صحابہ کرامؓ بھی کبھی کبھی فرشتے کو دیکھ لیا کرتے تھے۔

چہارم: گھنٹی کی آواز کی صورت وحی آپ کے پاس آتی تھی۔ یہ سب سے سخت صورت تھی، اس میں فرشتہ آپ کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا تھا۔ وحی کی اس صورت کی شدت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ سخت سردی کے دن بھی آپ کی مبارک پیشانی سے پسینہ پھوٹ پھوٹ پڑتا، اگر سواری پر سوار ہوتے تو جانور کے گھٹنے زمین پر لگ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ کے ران مبارک حضرت زید بن ثابتؓ کے ران پر تھے کہ وحی آئی اور شدت کے باعث حضرت زیدؓ کے ران ٹوٹنے کے قریب ہو گئے۔

پنجم: فرشتہ آپ کے پاس اپنی اصلی شکل وصورت میں آکر اللہ کے حکم کو پہنچاتا، اس قسم کی وحی صرف دو مرتبہ آئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم میں ذکر فرمایا ہے۔

ششم: جو اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات آسمانوں سے اوپر خود وحی فرمائی اور نماز وغیرہ کی فرضیت کا حکم دیا۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ وحی فرمائی کہ اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیں، جس نے (تمام کائنات کو) پیدا فرمایا، یہی آغازِ نبوت ہے اور اس مقام پر صرف اپنے نفس میں پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا، تبلیغ کا نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ نازل فرمائی اور تبلیغ کا حکم دیا، گویا نبوت کا آغاز اِقْرَاْ سے اور رسالت کا آغاز یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم

دیا کہ قریبی رشتے داروں کو خدا کا حکم پہنچائیں، پھر اپنی قوم، اڑوس پڑوس کے قبائل، تمام عرب اور پھر تمام دنیا کے لوگوں کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا حکم دیا۔

دس سال تک آپ نے جہاد اور جزیہ کے بغیر دعوت الی اللہ کے حکم کو جاری رکھا، اس اثنا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہی حکم تھا کہ صبر کا مظاہرہ فرمائیں اور دشمنوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہجرت اور جہاد کا حکم دیا کہ جو لڑائی پر آمادہ ہوں ان کے خلاف جہاد کیا جائے، اور جو آمادہ نہ ہوں ان سے نہ لڑا جائے، پھر حکم ہوا کہ مشرکوں کے خلاف جہاد کرو حتی کہ رد ئے زمین پر خدا کے دین کا بول بالا ہو جائے۔

پہلے ایمان لانے والے

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو ہر قبیلہ کے چند آدمیوں نے دعوت کو فوراً قبول کر لیا لیکن سب سے زیادہ سبقت کا مظاہرہ کرنے والے صدیق امت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ جنہوں نے وزیر کی حیثیت سے آپ کے ساتھ دعوت کا کام کیا اور آپ کی کوششوں سے حضرت عثمانؓ، طلحہؓ اور سعدؓ مشرف بہ اسلام ہو گئے، اسی طرح آپ کی دعوت پر لبیک کہنے میں حضرت خدیجہؓ نے بھی نہایت سبقت کا مظاہرہ فرمایا۔ حضرت علیؓ بھی فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اس وقت آپ کی عمر بھی صرف آٹھ برس تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں پرورش پا رہے تھے۔ یاد رہے کہ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے چچا ابوطالب سے تربیت کے لیے لیا ہوا تھا۔

حضرت زید بن حارثہؓ

حضرت زید بن حارثہؓ بھی فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ آپ حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے شادی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا۔ آپ کے والد حارثہ اور ایک چچا فدیہ دے کر آپ کو چھڑانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہنے لگے: "اے اپنی قوم کے سردار کے صاحبزادے! تم اللہ کے حرم کے رہنے والے اور اس کے پڑوسی ہو، غلاموں کو آزاد کرتے ہو، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہو، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، تاکہ آپ ہمارے بیٹے کو جو آپ کا غلام

ہے۔ فدیہ لے کر احسن انداز میں رہا فرما دیں"۔ آپؐ نے فرمایا اس کے علاوہ کوئی اور سوال؟ انہوں نے کہا کہ بس یہی ہے۔ آپ نے فرمایا "میں اسے بلا کر اختیار دے دیتا ہوں، اگر تمہیں پسند کرے، تو تم لے جا سکتے ہو اور اگر مجھے پسند کرے تو بخدا! جو مجھے پسند کرتا ہے میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں"؟ انہوں نے کہا "بہت خوب۔ عدل و انصاف یہی ہے"۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ کو بلایا اور فرمایا "کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو"؟ انہوں نے کہا "جی ہاں! یہ میرا باپ اور چچا ہیں" پھر آپ نے فرمایا: "زید تم مجھے بھی پہچانتے ہو، میرے ساتھ کچھ عرصہ رہنے کا بھی تمہیں موقع ملا ہے، تم چاہو تو میرے پاس رہو اور اگر چاہو تو اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جا سکتے ہو"۔ حضرت زیدؓ نے جواب دیا "میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، آپ ہی میرے لیے باپ اور چچا کے قائم مقام ہیں"۔ وہ دونوں بولے "زید تم پر افسوس! کیا تم آزادی، باپ، چچا اور اہل بیت کے بجائے غلامی کو ترجیح دیتے ہو"؟ حضرت زیدؓ نے جواب دیا: "اس آدمی کی شان ہی کچھ ایسی ہے کہ میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سنا تو خوش ہوئے اور حجر کے پاس تشریف لے جا کر فرمانے لگے۔

"میں شہادت دیتا ہوں کہ زید میرا بیٹا ہے میں اسے اپنا وارث بناتا ہوں اور وہ میرا وارث ہوگا"۔

جب حضرت زید کے باپ اور چچا نے یہ منظر دیکھا تو وہ خوش ہوئے اور واپس چلے گئے اس کے بعد حضرت زید کو زید بن محمد پکارا جانے لگا۔ حتیٰ کہ اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ [1]	اے مومنو! لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ خدا کے نزدیک یہی درست بات ہے۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حضرت زیدؓ سے قبل کوئی شخص مسلمان ہوا ہو۔

ورقہ بن نوفل بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ جامع ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خواب میں اچھی حالت میں دیکھا۔

---

[1] الاحزاب ۵

اس کے بعد ایک ایک کر کے لوگ اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے اور قریش کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن جب آپ نے ان کے دین کے عیوب اور بتوں کی برائی بیان فرمانا شروع کی تو پھر قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی دشمنی پر کمربستہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے ذریعہ آپ کی حفاظت کا سامان کر دیا۔ ابوطالب شریف النفس بھی تھے اور اپنی قوم کے سردار بھی۔ اس میں بھی اللہ احکم الحاکمین کی طرف سے کئی حکمتیں اور مصلحتیں تھیں جو غور و فکر کرنے سے آشکارا ہو سکتی ہیں کہ ابوطالب اپنی قوم کے دین پر ہی رہے۔

حضرات صحابہ کرام میں سے بعض کی پشت پناہی تو ان کے خاندان نے کی۔ لیکن اکثر و بیشتر آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنائے گئے، ان میں سے حضرت عمار بن یاسرؓ، ان کی والدہ حضرت سمیہؓ اور ان کے گھر کے دیگر افراد کو تو راہِ خدا میں بے پناہ مصائب اور شدائد کا سامنا کرنا پڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آل یاسر کو قریش کے عذاب میں مبتلا دیکھتے تو دردانگیز لہجے میں تسلی دیتے۔

صبرا یا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ۔ — صبر کا مظاہرہ کرنا اے آل یاسر! جنت کا وعدہ یقیناً تمہارے لیے ہے۔

سُمیہ شہیدہؓ ایک مرتبہ ابوجہل کا حضرت سمیہؓ کے پاس سے گزر ہوا۔ جب کفار انہیں، ان کے صاحبزادے عمارؓ اور خاوند یاسرؓ کو ستا رہے تھے۔ ابوجہل نے یہ دیکھ کر جہالت اور شقاوت کی انتہا کر دی اور حضرت سمیہؓ کے فرج میں اس قدر زور سے نیزہ مارا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت سمیہؓ وہ پہلی سعادت مند شخصیت ہیں جنہیں راہِ خدا میں شہادت نصیب ہوئی اور جن کے مقدس خون نے سب سے پہلے شجر اسلام کی آبیاری کی۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا جب بھی کسی مسلمان غلام کے پاس سے گزر ہوتا جسے کفار ستا رہے ہوتے تو آپ سے برداشت نہ ہو سکتا اور اسے خرید کر راہِ خدا میں آزاد کر دیتے مثلاً حضرت بلالؓ، جنہیں راہِ خدا میں زبردست تکلیفیں دی گئیں، عامر بن فہیرہؓ اور بنی عدی کی ایک لونڈی، جسے حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل ستایا کرتے تھے، ان سب کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر راہِ خدا میں آزاد کیا۔

ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ کے والد ابوقحافہ عثمان بن عامرؓ نے آپ سے کہا "بیٹا تم کمزور کمزور سے لوگوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو، اگر تندرست اور توانا لوگوں کو خرید کر آزاد کرو تو وہ تمہارے دست و بازو ثابت ہوں"۔ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا ابا جان! اس سلسلہ میں میرا جو ارادہ ہے اس کی شاید آپ کو خبر نہیں۔

حضرت بلالؓ کو تو راہِ خدا میں زبردست عذاب دیا گیا لیکن آپ بڑی سے بڑی تکلیف کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کر کے احد احد کا نعرہ لگاتے اور آتش سامانیوں کے درمیان بھی خدا کی توحید کا اقرار کرتے۔

دعوت کا آغاز

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان حق پر دعوت کے آغاز میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ کفار قریش نے ان میں سے اپنے اپنے اعزہ و اقارب کو آلام و مصائب کا تختہ مشق بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

امام ترمذی نے اپنے استاد محمد بن صالح کے واسطے سے عاصم بن عمر بن قتادہ اور یزید بن رومان سے روایت ذکر کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تین سال تک دعوت کا کام خفیہ طور پر کرتے رہے اور چوتھے سال آپ نے علی الاعلان اعلان حق شروع فرما دیا اور مسلسل دس سال تک آپ نے مکہ مکرمہ میں دعوت کا کام جاری رکھا۔ ہر سال حج کے موسم میں نیز عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کی سالانہ منڈیوں کے اوقات میں لوگوں کے منازل پر جا جا کر انہیں دین کی دعوت دیتے اور فرماتے کہ میرا ساتھ دو تاکہ میں خدا کے پیغام کو پہنچا سکوں اور اس اعانت کے بدلے خدا تمہیں جنت دے گا لیکن کوئی بھی آپ کی نصرت اور حمایت کے لیے تیار نہ ہوتا۔ آپ دامانِ صبر ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور ہر ہر قبیلہ کے لوگوں سے فرماتے: "لوگو! لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لو، فلاح پا جاؤ گے، عرب کے مالک بن جاؤ گے، عجم تمہارے زیر نگین ہو جائے گا اور جب تم دنیا سے رخصت ہو گے تو جنت میں بھی بادشاہ ہو گے"۔

ابولہب ہر وقت آپ کے پیچھے پیچھے رہتا اور کہتا لوگو اس کی بات نہ مانو، یہ صابی ہے کذاب ہے (نعوذ باللہ)۔ ابولہب کی باتیں سن کر لوگ اچھے طریقے سے پیش نہ آتے بلکہ ایذا رسانیوں پر اتر آتے اور کہتے: "تمہارا خاندان اگر تمہاری بات نہیں مانتا تو اس لیے کہ وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے"

آپ یہ سن کر فرماتے: "اللہ اگر تو چاہتا تو یہ لوگ اس طرح کے نہ ہوتے"۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ:۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ [1] — اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو۔

تو آپ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو آواز دی جیسے کوئی خاص اعلان کرنا چاہتے ہوں، جس نے بھی آپ کی پکار کو سنا، صفا کی طرف چلا آیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا "اگر میں یہ کہوں کہ ایک ہتھیار بند لشکر دامنِ کوہ سے تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم اس کا یقین کر لو گے؟" سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا "یقیناً ہم آپ کی بات مان لیں گے، آپ اس قدر راست باز اور صادق القول ہیں کہ کبھی کذب سے کام نہیں لیتے"۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا "یہ تو سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی تم یقین کر لو کہ موت تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس کا عذاب نہایت سخت ہے"۔ بتوں کے پجاری یہ سن کر بدک گئے۔ ابولہب کہنے لگا "تم پر افسوس ہو کیا اتنی سی بات کے لیے اتنے بہت سے آدمیوں کو جمع کیا تھا؟" اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر سے مدافعت کرتے ہوئے وحی نازل فرما دی۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ [2] — ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین برس تک تو خفیہ طور پر دعوت الی اللہ کا کام کیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ [3] — پس جو حکم تم کو (خدا کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو۔

تو آپ نے علانیہ طور پر لوگوں کو خدا کی طرف بلانا شروع فرما دیا۔

حضرت سعدؓ کی شجاعت

یہ نبوت کا چوتھا سال ہے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک مشرک کے سر کو شدید زخمی کر دیا ہے۔ اس اجمال کی

---

[1] الشعراء آیت ۲۱۴ [2] سورۃ اللھب [3] الحجر آیت ۹۴

تفصیل یہ ہے کہ ابتداء میں حضرات صحابہ کرامؓ گھاٹیوں میں جمع ہو کر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک کافر نے جب صحابہ کرامؓ کو چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے دیکھا تو اس نے اور اس کے دیگر قریشی ساتھیوں نے صحابہ کرامؓ کو گالیاں دیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی ایمانی غیرت نے جوش مارا تو انہوں نے اس کافر کو شدید زخمی کر کے لہولہان کر دیا۔ یہ کسی کافر کا پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔

مشرکوں کا استہزاء سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب محفل میں تشریف فرما ہوتے اور عمار بن یاسرؓ، خباب بن ارتؓ، صہیب رومیؓ اور بلالؓ اور ان جیسے شمع رسالت کے جانثار پروانوں کو قریش آپ کے گرد ہالہ کیے ہوئے دیکھتے تو استہزاء کرتے اور کہتے کیا یہ ہیں اس پیغمبر کے ہم نشین، ہمارے بجائے جن پر خدا نے احسان فرمایا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب نازل فرمایا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ [1]	بھلا خدا شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟

نیز یہ آیت مبارکہ بھی نازل فرمائی۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ [2]	اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد خدا کیلئے وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش وہ (اُسے) جانتے۔

ایک مرتبہ ابوجہل لاف زنی کرنے لگا کہ اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لوں، تو ان کی گردن روند ڈالوں، چنانچہ ابوجہل کو بتایا گیا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں، وہ آپ کے پاس آکر کہنے لگا کیا میں نے نہیں نماز سے منع نہیں کیا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ڈانٹ پلائی۔ کہنے لگا کیا تم مجھے ڈانٹ پلاتے ہو۔ حالانکہ میں تو تمام اہل بطحاء سے معزز ہوں؛ بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا اللہ کی قسم! مکہ میں میری مجلس سے زیادہ معزز اور کوئی مجلس نہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا	بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے ایک

---

[1] الانعام آیت ۵۳ [2] النحل ۱۶

إِذَا صَلَّىٰ ۝ [1] بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے اپنے چہرے کو خاک میں آلودہ کرتے ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو ابوجہل کہنے لگا لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں دیکھ لوں تو ان کی گردن روند ڈالوں؛ چنانچہ اس گمانِ فاسد کو لے کر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا۔ جونہی اس نے جلالِ نبوت کو دیکھا ہاتھوں سے منہ چھپاتے ہوئے دم دبا کر بھاگ آیا، اور کہنے لگا میرے اور ان کے درمیان آگ کی خندق دہشت اور پر حائل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ابوجہل میرے قریب آنے کی کوشش کرتا تو فرشتے اس کے ایک ایک عضو کو کاٹ کاٹ کر اچک لے جاتے۔ اسی واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیات کی طرف اشارہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں تھا، یا امام صاحبؒ کو کسی اور ذریعہ سے علم ہوا۔

كَلَّآ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَيَطْغَىٰٓ ۝ مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے جب کہ اپنے تئیں

أَن رَّءَاهُ ٱسْتَغْنَىٰٓ ۝ [2] غنی دیکھتا ہے۔

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

صحابہ کرامؓ پر جب کفار قریش کے ظلم وستم کی رفتار اور تیز ہو گئی تو نبوت کے پانچویں سال حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا اور فرمایا وہاں ایک ایسا شخص حکمران ہے، جس کی حکومت میں ظلم نہیں ہوتا۔ حبشہ کی طرف ہی قریش بغرضِ تجارت جایا کرتے تھے۔ ہجرت کرنے والوں کا یہ قافلہ بارہ آدمیوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھا اور ان میں سے بھی حضرت عثمان بن عفان اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ علیہ وسلم کو سبقت کا شرف نصیب ہوا۔ ان کے علاوہ زبیرؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، ابن مسعودؓ، ابوسلمہؓ اور ان کی اہلیہؓ بھی ان مہاجرین میں شامل تھے۔ یہ حضرات رات کو خفیہ طور پر گھروں سے نکلے۔ اتفاق سے خدا کا کرنا یہ ہوا کہ جب یہ مقدس قافلہ ساحل پر پہنچا تو وہاں دو تجارتی کشتیاں تیار کھڑی تھیں، جو انہیں لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئیں، قریش جب ان کے تعاقب میں ساحل پر پہنچے تو انہوں نے وہاں کسی

---

[1] العلق ۹-۱۰ [2] العلق ۶-۷

کو بھی نہ پایا۔

صحابہ کرامؓ نے رجب میں ہجرت کی شعبان اور رمضان حبشہ میں مقیم رہے اور شوال میں جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرلی ہے اور ایذارسانیوں سے باز آگئے ہیں، تو وہ مکہ واپس آگئے۔

دراصل بات یہ تھی کہ جب سورہ نجم نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے فرماتے ان آیات پر پہنچے۔

أَفَرَءَيْتُمُ اللَّٰتَ وَالْعُزَّىٰ ۝	بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور تیسرے
وَمَنَوٰةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝ [1]	منات کو (کہ یہ بت کہیں خدا کے ہو سکتے ہیں)،

توشیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ بھی جاری کرادیئے۔

تلك الغرانيق العلى وان	یہ بڑے خوبصورت اور اعلیٰ ہیں اور ان کی شفاعت
شفاعتهن لترتجى ۔	کی (قبولیت کی) امید کی جاتی ہے۔

مشرک یہ سن کر کہنے لگے کہ آپ نے قبل ازیں تو کبھی ہمارے خداؤں کا بھلائی کے ساتھ تذکرہ نہیں کیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ خلق، رزق، موت اور حیات خدا کے اختیار میں ہے لیکن ہمارا موقف یہ تھا کہ ہمارے یہ بت خدا کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے اور اسی بات کا آج آپ نے اقرار فرمالیا ہے۔ چنانچہ جب آپ سجدہ کی آیت پر پہنچے تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مشرکوں نے بھی سجدہ کیا البتہ ایک قریشی بوڑھے نے سجدہ نہ کیا بلکہ اس نے مٹھی بھر کنکریاں لے کر اپنی پیشانی سے لگالیں اور کہنے لگا بس مجھے یہی کافی ہے۔[2]

---

[1] النجم آیت ۱۸-۱۹ [2] "محدثین کی تحقیق کے مطابق یہ قصہ غرانیق بالکل بے اصل ہے، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں جن مفسرین وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی مسند یا مرفوع بیان نہیں کیا البتہ بزار کی روایت مرفوع ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس روایت کی کوئی ایسی سند معلوم نہیں جس سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہو۔ اور مشرکوں نے سجدہ قرآن مجید کی عظمت، قوتِ اسلوب، عظمت آیات، حلاوتِ الفاظ اور اس کی جلالتِ شان سے مسحور ہو کر کیا تھا خصوصاً اس وقت قرآن مجید کی سحر آفرینیوں کا کیا عالم ہوگا جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تلاوت فرمائی ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آپ کی زبان سے جاری ہونے والے ان کلمات کا علم ہوا تو آپ نے خوفِ خدا کے پیشِ نظر نہایت شدید حزن و ملال کا مظاہرہ فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ نازل فرمائی۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ - الآیات

اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اس کا یہ حال تھا کہ) جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا ہے۔ خدا اس کو دور کر دیتا ہے۔ پھر خدا اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے۔

اس واقعہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوام اور استمرار کے ساتھ بتوں کی برائی بیان فرماتے رہے تو کفار قریش پھر پہلی حالت پر لوٹ آئے اور مسلمانوں کو آلام و مصائب پہنچانے میں نہایت شدت اختیار کر گئے۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

حبشہ سے آنے والے مہاجرین جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے، تو انہیں صورت حال سے آگاہی ہوئی لہٰذا انہوں نے مکہ میں داخل ہونے سے توقف کیا اور پھر ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی قریشی کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوا لیکن قریش نے ان پر مصائب و شدائد کی انتہا کر دی اور اپنے ہی

بقیہ حاشیہ۔ یاد رہے کہ یہ قصہ قرآن مجید کی ان آیات کے بھی معارض ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو شیطان کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ و مصؤن رکھا ہے مثلاً ارشاد باری ہے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ - الحجر ۴۲

جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بد راہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔

اسی وجہ سے بعض جلیل القدر محدثین مثلاً امام ابن خزیمہؒ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل بلکہ بعض زنادقہ کا وضع کردہ ہے اور پھر اس قصہ مضمون کی جو متعدد صورتیں منقول ہیں، ان میں نہایت صریح تعارض کے پیش نظر بھی اسے موہوم قرار دینے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ مترجم لے الحج ۵۲-۵۱ ف

اعزہ واقارب نے ایذا رسانیوں کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے اور نجاشی نے ان مظلوموں سے جو حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس سے انہیں نہایت تکلیف ہوئی۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مظلوم ساتھیوں کی یہ حالتِ زار دیکھی نہ گئی اور آپ نے انہیں دوبارہ حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا، جس کی انہوں نے فوراً تعمیل کی۔ دوبارہ ہجرت کرنے والوں کا یہ قافلہ تراسی مردوں ——— اگر ان میں حضرت عمار بن یاسر بھی شریک ہوں تو ——— اور انیس عورتوں پر مشتمل تھا۔

جب انہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ ہجرت فرما جانے کی خبر سنی تو ان میں سے تراسی مرد اور آٹھ عورتیں مدینہ شریف آگئیں، دو آدمی مکہ میں انتقال کر گئے تھے۔ سات کو محبوس کر لیا گیا تھا۔ اور یاد رہے کہ ان مہاجرین میں سے چوبیس کو جنگ بدر میں شرکت کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی نجاشی کے نام

ماہ ربیع الاول ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا، جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، نیز اس میں لکھا کہ ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کا آپ کے ساتھ نکاح کر دے۔ حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے خاوند عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تھی لیکن حبشہ جا کر عیسائی ہو گیا اور عیسائیت پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔ آپ نے اپنے مکتوب گرامی میں یہ بھی لکھا تھا کہ باقی صحابہ کرامؓ کو واپس بھیج دے۔

نجاشی نے جب آپ کے مکتوب گرامی کو پڑھا تو وہ فوراً مشرف بہ اسلام ہو گیا اور کہنے لگا اگر مقدور میں ہو تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ حضرت ام حبیبہؓ کا اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر دیا اور اپنے پاس سے چار سو دینار حق مہر ادا کیا اور باقی صحابہ کرام کو بھی آپ کے فرمان کے مطابق دو کشتیوں میں سوار کر کے بھیج دیا، جو کہ فتح خیبر کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

قریشی وفد نجاشی کے دربار میں

جنگ بدر کے بعد قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے اور غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم ان لوگوں سے انتقام لے سکتے ہیں جو نجاشی کے پاس ہیں لہٰذا مال و دولت جمع کر کے نجاشی کے پاس بطور ہدیہ بھیجو شاید وہ اس طرح ان لوگوں کو تمہارے سپرد کرنے پر آمادہ ہو جائے اور اس کام کے لیے دو دانشوروں کو منتخب کر لو۔ تمام امور پر اتفاق کے بعد انہوں نے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو ہدایات دے کر بھیجا[1]۔ سمندری سفر طے کرنے کے بعد جب وہ نجاشی کے دربار میں پہنچے تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور سلام کرنے کے بعد کہنے لگے "بادشاہ سلامت! ہماری قوم آپ کی خیرخواہ ہے اور اس نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔ تاکہ آپ کو آگاہ کر دیں کہ ان لوگوں سے بچ جاؤ جنہوں نے آپ کی پناہ لی ہے، انہوں نے ایک ایسے آدمی کا اتباع کیا ہے جو (نعوذ باللہ) کذاب ہے، رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور صرف بیوقوف لوگ ہی اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہم نے ان پر نہایت سختی کی اپنے شہر کی ایک ایسی گھاٹی میں انہیں محصور کر دیا، جس سے کوئی باہر نکل سکتا تھا اور نہ باہر کا آدمی اندر جا سکتا تھا۔ جب بھوک اور پیاس کی شدت سے بے حال ہو گئے تو ان کے برادر عم زاد نے انہیں آپ کے پاس بھیج دیا تاکہ آپ کے دین اور ملک کو خراب کر دیں۔ ان سے بچ جاؤ اور انہیں ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم ان سے نپٹ لیں یاد رہے کہ ان کی خرابی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جب آپ کے دربار میں آئیں گے تو آپ کے سامنے سجدہ نہیں کریں گے اور نہ ایسے سلام کریں گے جیسا کہ آپ کے دربار کا معمول ہے، کیونکہ وہ آپ کے دین سے بیزار ہیں"۔

بادشاہ نے صحابہ کرامؓ کو بلایا، جب وہ تشریف لے آئے تو دروازے پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے بلند آواز سے صدا دی "بادشاہ سلامت! اللہ کا گروہ اندر آنے کی آپ سے اجازت طلب کرتا ہے" نجاشی اس صدائے دلآویز کو سن کر کہنے لگا۔ ان سے کہو ایک مرتبہ پھر ان کلمات کو دوہرائے۔ حضرت جعفرؓ نے پھر پُردرد آواز سے ان الفاظ کو دوہرایا تو نجاشی نے کہا "اللہ کے حکم سے داخل ہو جاؤ اور تم اسی کی حفاظت میں ہو"۔ صحابہ کرامؓ تشریف لائے تو

---

[1] ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ بھی ان کے ہمراہ تھا۔

نجاشی کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوئے۔ نجاشی نے پوچھا تم نے مجھے سجدہ کیوں نہ کیا؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: "ہم تو صرف اس ایک اللہ ہی کے حضور سجدہ کے قائل ہیں، جو آپ کا بھی خالق و مالک ہے، ہم بھی اس قسم کے تحیّہ و سلام کے قائل تھے، جب بت پرست تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہم میں اپنے ایک سچے پیغمبر کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے ہمیں اس تحیّہ و سلام کا حکم دیا ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور وہ ہے السلام علیکم کہنا اور اہل جنت کا سلام بھی یہی ہے"۔ نجاشی کو ان باتوں کے سننے کے بعد یقین ہو گیا کہ ان کا موقف مبنی بر حق ہے اور تورات و انجیل کی تعلیم کے عین مطابق۔ نجاشی نے پوچھا تم میں سے دروازے پر اجازت طلب کرنے والا کون تھا؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ میں اجازت طلب کر رہا تھا۔ نجاشی نے کہا اپنے موقف کی مزید وضاحت کرو۔ حضرت جعفرؓ نے کہا: آپ بادشاہ ہیں۔ آپ کے دربار میں کثرتِ کلام زیب دیتی ہے نہ ظلم و زیادتی کی بات، اپنے رفقاء کی طرف سے جواب دینا میں پسند کروں گا، ان دونوں کو بھی حکم دیجئے کہ گفتگو کے لیے ایک کو منتخب کریں اور پھر آپ بغور ہماری گفتگو سماعت فرمائیں۔

عمرو بن عاص یہ سن کر حضرت جعفرؓ سے کہنے لگا ٹھیک ہے آپ بات کریں۔ حضرت جعفرؓ نجاشی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ ان سے پوچھیے کہ ہم غلام ہیں یا آزاد؟ اگر ہم غلام ہیں تو آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ ہمیں ہمارے آقاؤں کے پاس لوٹا دیں؟ عمرو نے جواب دیا کہ یہ غلام نہیں بلکہ آزاد اور نہایت معزز ہیں، حضرت جعفرؓ نے فرمایا "کیا ہم نے کوئی ناحق خون بہایا ہے، جس کا ہم سے قصاص طلب کیا جا رہا ہے"؟ عمرو نے جواب دیا "بالکل نہیں، تم نے تو کسی کا ایک قطرہ خون بھی نہیں گرایا"۔ حضرت جعفرؓ نے کہا "کیا ہم نے لوگوں کے مال و دولت پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے، جس کا ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے؟ عمرو نے جواب میں کہا "نہیں تم نے تو کسی سے ایک قیراط بھی نہیں چھینا۔

یہ گفتگو سن کر نجاشی فوراً بول اٹھا تو پھر تم ان سے اے قریشیو! کیا چاہتے ہو؟ عمرو نے کہا۔ بات یہ ہے کہ ہم اور یہ اپنے آباؤ اجداد کے دین پر تھے لیکن انہوں نے اسے چھوڑ کر ایک دوسرے دین کو اختیار کر لیا ہے۔

نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے مخاطب ہو کر کہا سچ سچ بتاؤ کہ تمہارا کیا دین تھا اور اب تم نے کونسا دین اختیار کر لیا ہے؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔ ہم نے اپنے پہلے دین کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ شیطانی دین تھا، ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ اب ہم نے جس دین کو اختیار کیا ہے، وہ اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے۔ جسے خدا کا پیغمبر ہمارے پاس لایا ہے نیز ہمارے پیغمبر ہمارے پاس خدا کی طرف سے ایک کتاب بھی لائے ہیں۔ جو کہ حضرت مسیح بن مریمؑ کی کتاب جیسی ہے اور اس کے موافق بھی ہے۔

نجاشی نے کہا "تم نے ایک امر عظیم کے متعلق گفتگو کی ہے، اب ذرا رک جائیے" پھر نجاشی نے ناقوس بجائے جانے کا حکم دیا، جسے سنتے ہی سب علماء اور راہب نجاشی کے دربار میں جمع ہو گئے۔ نجاشی ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا "تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کو نازل فرمایا۔ کیا حضرت عیسیٰ اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی آئے گا؟ انہوں نے کہا "اللہ کی قسم! ایک نبی ضرور آئے گا ان کی آمد کی ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور فرمایا ہے، جو اس پیغمبر کے ساتھ ایمان لائے گا، وہ مجھ پر ایمان لائے گا اور جو ان کے ساتھ کفر کرے گا، وہ میرے ساتھ کفر کرے گا"

پھر نجاشی نے روئے سخن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف کیا اور کہا "یہ (نبوت کا دعویٰ کرنے والا) شخص تم سے کیا کہتا ہے؟ کس چیز کا تمہیں حکم دیتا ہے اور کس سے منع کرتا ہے؟"

حضرت جعفرؓ نے کہا "وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور یتیموں کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ہمیں یہ بھی حکم دیتے ہیں کہ ہم صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں"۔

نجاشی نے کہا "ذرا اس میں سے کچھ پڑھ کر بھی سناؤ، جو وہ پڑھتے ہیں تو حضرت جعفرؓ نے سورہ عنکبوت اور سورہ روم کی تلاوت فرمائی، جسے سنتے ہی نجاشی کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں نجاشی کہنے لگا یہ پاکیزہ کلام کچھ اور بھی سناؤ"۔ حضرت جعفرؓ نے سورہ کہف کی تلاوت فرمائی وفد قریش کی جب کوئی چال کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے نجاشی کو مسلمانوں سے ناراض کرنے کے لیے

ایک اور حربہ اختیار کیا اور کہا کہ یہ "حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو دشنام دیتے ہیں"۔ نجاشی یہ سن کر مسلمانوں سے کہنے لگا کہ تم حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے جواب میں سورہ مریم تلاوت فرمائی، جب حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کا اس سورہ مبارکہ میں تذکرہ سنا تو نجاشی نے ایک چھوٹا سا تنکا لیا اور کہا بخدا! جو تم کہتے ہو حضرت عیسیٰ کا مقام اس سے اس تنکا برابر بھی زیادہ نہیں، اسی واقعہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اشارہ فرمایا ہے

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ [1] الآیات۔	اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو (سب سے پچھلے) پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ (خدا کی جناب میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم ایمان لے آئے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ لے اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ خدا پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آتی ہے ایمان نہ لائیں۔

یہ سنتے ہی نجاشی حضرت جعفرؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا، جاؤ! میرے ملک میں تم بالکل امن سے رہو گے، تم پر دست درازی کرنے والا جواب دہ ہو گا۔ آج کے بعد میرے ملک میں ملت ابراہیمی کو کوئی بھی گزند نہ پہنچا سکے گا۔"

نجاشی کی وفات

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ نجاشی دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، تو آپ نے ان کے لیے غائبانہ طور پر نماز جنازہ پڑھی منافقوں نے مذاق اڑایا کہ یہ پیغمبر بھی عجیب ہیں کہ حبشہ کی زمین میں مرنے والے کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ کو نازل فرمایا تھا۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ	اور بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو خدا پر اور اس

[1] المائدہ ۵: ۸۳-۸۴

لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۔ [1]

(کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں۔ اور خدا کے آگے عاجزی کرتے ہیں۔

بعض سیرت نگاروں کے بقول قریشیوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کی تلاش میں اپنے اس وفد کو ہجرت مدینہ سے قبل بھیجا تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ نبوت کے پانچویں سال تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے گھر میں چھپ چھپ کر صحابہ کرامؓ کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا اسلام

سنہ ۶ میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عمر فاروق مشرف بہ اسلام ہوئے

حضرت حمزہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا کے قریب تشریف فرما تھے کہ وہاں سے ابوجہل کا گزر ہوا۔ ابوجہل نے برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور آپ کی شان میں گستاخی کی۔ آپ خاموشی کے ساتھ اس کی باتوں کو سن کر صبر کا مظاہرہ فرماتے ہوئے بیت اللہ کی طرف تشریف لے گئے۔ صفا کے متصل عبداللہ بن جدعان کا گھر تھا۔ عبداللہ کی ایک لونڈی نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؛ چنانچہ جب اس نے معزز قریش حمزہ بن عبدالمطلب کو تیر کمان لٹکائے شکار سے واپس آتے دیکھا۔ تو سارا ماجرا کہہ سنایا حمزہ بن عبدالمطلب یہ سنتے ہی شدید غصے کے عالم میں ابوجہل کی تلاش میں بیت اللہ کی طرف چل دیئے ابوجہل کو اپنی مجلس جمائے بیٹھے دیکھا تو للکارا "اے ابوجہل! تم میرے برادر عمزادے کو گالیاں دیتے ہو، حالانکہ میں بھی ان کے دین کو قبول کر چکا ہوں" یہ کہا اور اس زور سے کمان ابوجہل کے سر پر ماری کہ اس سے خون پھوٹ پھوٹ پڑا۔ بنو مخزوم اور بنو ہاشم آپس میں الجھنے لگے تو ابوجہل نے کہا "ابو عمارہ (حضرت حمزہ) کو کچھ نہ کہو۔ میں نے اس کے بھتیجے کو بہت گالیاں دی ہیں۔ حضرت حمزہؓ کے اس انتقام لینے کی وجہ سے قریشیوں کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی معمولی حیثیت کے مالک نہیں بلکہ اپنے خاندان کے نہایت معزز فرد ہیں۔

---

[1] آل عمران ۱۹۹

عمر فاروقؓ اسلام لے آئے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اللھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیک اما عمر بن الخطاب او ابی جھل بن ھشام۔

اے اللہ عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے اسے مسلمان ہونے کی توفیق عنایت فرما کر اسلام کو غلبہ عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے پوچھا "آپ کا نام فاروق کیسے پڑا؟" فرمانے لگے "حضرت حمزہ مجھ سے تین دن قبل مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے میرا سینہ بھی کھول دیا۔ سب سے پہلے جو میں نے قرآن مجید کی آیت سنی اور میرے دل میں پیوست ہوئی وہ یہ تھی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔

اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کے (سب) نام اچھے ہیں۔

اس کے سنتے ہی مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر شدید محبت ہو گئی کہ آپ سے بڑھ کر اور کوئی محبوب نہ تھا؛ چنانچہ میں نے پوچھا کہ آپؐ کہاں ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ آپ دار ارقم میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں بھی دار ارقم کی طرف چلا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور شمع رسالت کے جانثار پروانے آپ کے گرد ہالہ کیے ہوتے تھے۔ حضرت حمزہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ میں نے دروازے پر دستک دی تو صحابہؓ کچھ سہم سے گئے۔ حضرت حمزہؓ نے پوچھا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا عمر آئے ہیں۔ حضور نے فرمایا دروازہ کھول دو اور انہیں آنے دو۔ میں داخل ہوا تو آپؐ نے میرے گریبان کو پکڑ کر جھنجوڑا کہ میں جلالِ مصطفوی کی تاب نہ لاتے ہوئے گرنے کے قریب تھا۔ پھر آپ نے فرمایا "عمر! باز نہ آؤ گے"؟ آپ کے یہ الفاظ قلب و جگر میں اتر اتر گئے اور میں نے بلند آواز سے کہا "اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ" میری زبان سے کلمہ شہادت سنتے ہی سب حاضرین مجلس نے جوش میں آ کر نعرہ تکبیر بلند کیا کہ گرد و پیش گونج اٹھا حتی کہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے لوگوں تک بھی یہ آواز پہنچ گئی۔ میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا۔ "موت ہو یا حیات کیا ہم حق پر نہیں؟ ارشاد

ہوا "کیوں نہیں" میں نے عرض کیا تو "پھر یہ چھپ چھپ کر خدا کی عبادت کیوں؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ببانگِ دہل اپنے دین کا اظہار کریں گے اور علی الاعلان اللہ کی توحید کے ترانے گائیں گے" آپؐ نے اجازت عنایت فرمائی تو ہم توحید کا برملا اعلان کرنے کے لیے دو گروپوں میں منقسم ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے۔ ایک گروپ میری قیادت میں تھا اور دوسرے کی قیادت شیرِ خدا حضرت حمزہؓ فرما رہے تھے۔ حضرت حمزہؓ کا جوش ایمان اس دن دیدنی تھا۔ جب ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے اور وہاں بیٹھے ہوئے قریشیوں نے ہمیں دیکھا تو ان پر غم کی بدلیاں چھا گئیں۔ اس سے قبل وہ کبھی بھی اس طرح افسردہ نہ ہوئے تھے۔ اسی دن بارگاہِ رسالت سے مجھے "فاروق" کا لقب ملا۔

حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد حرام میں آکر اپنے اسلام کا اظہار کیا تو پہلے تو ہم بیت اللہ شریف کے اردگرد حلقے بنا کر بیٹھ گئے، پھر سب نے مل کر طواف کیا۔ گویا آج تک کی جانے والی سختیوں کے خلاف ہم انصاف طلب کر رہے تھے۔

ابوطالب کی حمایت

قریشیوں نے جب حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے شجاعت و بسالت کے پیکر لوگوں کو مشرف بہ اسلام ہوتے دیکھا تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ترقی کی یہی رفتار رہی تو ہمارے آباؤ اجداد کے دین کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ باہمی مشورہ کے بعد وہ عمارہ بن ولید کو لے کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہنے لگے "ابوطالب! اس حسین وجمیل قریشی جوان کو تم لے لو اور اس شخص کو ہمارے سپرد کر دو۔ جو آپ اور آپ کے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کرتا ہے تاکہ ہم اسے قتل کر ڈالیں"؟ ابوطالب نے جواب دیا، کتنی بری ہے تمہاری یہ تدبیر کہ اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اس کی پرورش کروں اور مجھ سے میرا بیٹا مانگتے ہو کہ اسے قتل کر دو"۔ ابوطالب کا یہ جواب سن کر مطعم بن عدی بن نوفل کہنے لگا کہ "ابوطالب! قوم نے تم سے انصاف ہی کی بات کہی ہے اور انہوں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ تم اس کام میں آڑے نہ آؤ۔ ابوطالب نے جواب دیا: "اللہ کی قسم! تم نے مجھ سے قطعاً انصاف نہیں کیا تم نے مجھے ذلیل و رسوا کرنے کا سامان کیا ہے۔ تم میں ہمت ہے تو جو چاہو کر لو"۔ سردارانِ

قریش نے کہا "ابوطالب! محمدؐ کی حمایت سے ہاتھ اٹھا کر اسے ہمارے حوالے کر دیجئے کیونکہ بتوں کی مذمت کر کے اس نے جو ہمیں تکلیف پہنچائی ہے وہ تمہیں بھی پہنچائی ہے، ورنہ تم لڑائی کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم اس وقت تک تمہارے بھتیجے کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے، جب تک اسے (خاکم بدہن) قتل نہیں کر دیتے یا وہ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنے سے باز نہیں آجاتا۔

قریشیوں کے جانے کے بعد ابوطالب دیر تک ان کی باتوں پر غور کرتے رہے۔ بالآخر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا "تمہاری قوم میرے پاس آئی تھی اور یہ بات مجھ سے کہہ گئی ہے۔ تم میری اور اپنی جان پر رحم کرو۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو، جسے اٹھانے کی مجھ میں طاقت ہے اور نہ تم میں، لہٰذا ایسی باتیں نہ کہا کرو، جو ان کی طبیعتوں پر گراں گزرتی ہیں" آپ نے ابوطالب کی یہ باتیں سننے کے بعد نہایت اطمینان سے جواب دیا "خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اپنے فرض کے ادا کرنے سے نہ رکوں گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ عنایت فرما دے گا یا اس طلب کے حصول کی خاطر، میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا" اس جواب کو سن کر ابوطالب آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے "بھتیجے! تم اپنا کام جاری رکھو، خدا کی قسم! میں تمہیں ہرگز ان کے سپرد نہ کروں گا"۔

ابوطالب نے نہ صرف اپنی حمایت کا پورا پورا یقین دلایا بلکہ اپنے اعزہ و اقارب سے بھی کہا کہ میرے اس بھتیجے کی مدد کرو، چنانچہ ابولہب کے سوا سب بنو ہاشم اور بنو مطلب نے ابوطالب کی دعوت پر لبیک کہا۔ ابوطالب نے اپنی حمایت کا تذکرہ اپنے ان اشعار میں بھی کیا ہے

۱۔ واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم
حتی اوسد فی التراب دفینا

۲۔ فاصدع بأمرک ما علیک غضاضۃ
وابشر وقر بذاک منک عیونا

۳۔ ودعوتنی وعرفت انک ناصحی
ولقد صدقت وکنت ثم امینا

۴۔ وعرضت دینا قد عرفت بأنہ
من خیر أدیان البریۃ دینا

۵۔ لولا الملامۃ أو حذار مسبۃ
لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

ترجمہ (۱) اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں اور مرکر مٹی میں دفن نہیں ہوجاتا یہ لوگ اپنے تمام لشکروں اور جماعتوں کے باوصف آپ کے پاس ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

(۲) تمہیں بشارت ہو اور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو کہ تم اپنے دین کی کھلم کھلا تبلیغ کرسکتے ہو اور اس میں کوئی سبکی کی بات نہیں۔

(۳) تم نے مجھے بھی اس دین کے قبول کرلینے کی دعوت دی ہے، مجھے معلوم ہے کہ تم میرے خیرخواہ ہو اور تم سچ کہتے ہو اور پھر تم امین بھی تو ہو۔

(۴) اور تم نے ایسے دین کو پیش کیا ہے کہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ وہ دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔

(۵) اگر ملامت یا دشنام طرازیوں کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بھی کھلم کھلا تمہارے دین کو تسلیم کرلیتا۔

شعب ابی طالب

قریشیوں کو جب ہر اعتبار سے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے دیکھا کہ اسلام کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہے تو انہوں نے مسلمانوں پر پہلے سے زیادہ سختیاں شروع کردیں اور سب نے متفق ہوکر یہ فیصلہ کیا کہ وہ کسی مسلمان کو پاس بیٹھنے نہ دیں گے، خرید و فروخت نہ کریں گے اور نہ کسی مسلمان کے گھر جائیں گے حتی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد کردیں۔ تاکہ (خاکم بدہن) آپ کو قتل کردیا جائے۔
انہوں نے اس بات پر بھی عہد و پیمان باندھے کہ بنو ہاشم سے کسی قیمت پر بھی صلح نہ کریں گے ان پر کسی قسم کی شفقت یا رحمدلی نہ کی جائے گی۔ اِلّا یہ کہ وہ آپؐ کو ان کے سپرد کردیں۔ قریشیوں کے اس بائیکاٹ کے بعد ابوطالب سب کو سمیٹ کر پہاڑ کے درہ میں لے گئے، جہاں ان کی زمین تھی۔ اسے شعب ابی طالب کہتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں پورے تین سال تک یہاں رہے یہ مدت نہایت ابتلاء و امتحان کی تھی۔ قریشیوں نے مسلمانوں

کے لیے بازار میں خرید و فروخت کا سلسلہ بھی باقی نہ رہنے دیا۔ حتیٰ کہ سامانِ خورد و نوش یا دیگر اشیاء کے کر جب باہر کے تاجر مکہ میں آتے تو قریشی آگے بڑھ کر سب کچھ خرید لیتے تاکہ بنو ہاشم تک کوئی چیز بھی پہنچنے نہ پائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ پر کئی کئی دن کے فاقے گزرنے لگے حتیٰ کہ بھوک کی شدت سے بلبلاتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی سے باہر بھی سنائی دیتی تھیں۔ گھاٹی میں پناہ نہ لینے والے مسلمانوں پر بھی عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ شعب میں محصور جب سب لوگ سونے کی تیاریاں کرتے تو ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر سونے کے لیے کہتے جب لوگ سو جاتے تو ابوطالب اپنے بستر پر آپؐ کے بجائے اپنے کسی بیٹے، بھائی یا برادر عم زاد کو سلا دیتے اور آپؐ کو اس کے بستر پر سونے کے لیے کہتے۔ یہ شدتِ احتیاط کے پیشِ نظر تھا۔ الغرض پورے تین سال کی یہ مدت سخت آلام و مصائب اور ابتلاء و امتحان کی مدت تھی۔ ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدہ لامیہ میں انہی دلدوز واقعات کو نظم کیا ہے ؎

ولما رأيت القوم لا ود فيهم وقد قطعوا كل العرى والوسائل

اور جب میں نے قوم (کفار قریش) کو دیکھا کہ محبت سے نا آشنا ہے اور تمام اسباب و وسائل کو منقطع کر رہی ہے۔

وقد صارحونا بالعداوة والأذى وقد طاوعوا أمر العدو المزايل

انہوں نے ہمارے ساتھ عداوت اور ایذاء کو کھلم کھلا اختیار کر رکھا ہے اور نہایت سخت دشمن کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔

صبرت لهم نفسي بسمراء سمحة وأبيض عضب من تراث المقاول

میں نے اپنے نفس کو روکے رکھا اور صبر کا مظاہرہ کیا حالانکہ میرے پاس بھی اپنے عظیم آباؤ اجداد کی وراثت سے لچکدار نیزے اور قاطع تلواریں ہیں۔

وأحضرت عند البيت رهطي وأسرتي وأمسكت من أثوابه بالوصائل

بیت اللہ کے پاس میں نے اپنے خاندان اور قبیلہ کے افراد کو جمع کیا اور میں نے بیت اللہ شریف کے غلاف کے پردوں کو تھام لیا۔

أعوذ برب الناس من كل طاعن　　علينا بسوء أو ملح بباطل

میں ہر اس انسان سے اللہ کی پناہ مانگتا تھا جو ہمارے متعلق برے عزائم رکھتا ہو یا کسی بھی باطل کام کو کر گزرنے والا ہو۔

ومن كاشح يسعى لنا بمغيظة　　ومن ملحق في الدين ما لم نحاول

اور میں اس دشمن سے بھی پناہ مانگتا ہوں، جس کی تمام تر کوششیں ہمیں غیض وغضب میں مبتلا کرنے کے لیے ہیں اور جو سیرت واخلاق میں ہمارے ارادے کے برعکس کچھ امور کو داخل کرنے والا ہے۔

وثور ومن أرسى ثبيرا مكانه　　وراق ليرقى في حراء ونازل

میں جبل ثور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اور اس کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس نے کوہ ثبیر کو اس کی جگہ پر نصب کر دیا اور اس کے ساتھ بھی پناہ مانگتا ہوں جو نیکی کے لیے حرا میں آتا جاتا ہے۔

وبالبيت حق البيت من بطن مكة　　وبالله ان الله ليس بغافل

اور میں اس گھر کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جو وادی مکہ میں سے اس بات کا مستحق ہے اور اللہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی بات سے غافل نہیں ہے۔

وبالحجر الاسود اذ يمسحونه　　اذا اكتنفوه بالضحى والأصائل

حجر اسود کی پناہ مانگتا ہوں، جب یہ لوگ اسے چھونے اور صبح و شام اس کا احاطہ کر لیتے ہیں۔

وموطئ ابراهيم في الصخر رطبة　　على قدميه حافيا غير ناعل

نہایت ملائم چٹان پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں سے پائمال جگہ کی پناہ مانگتا ہوں جس پر ابراہیم کے برہنہ، جوتے نہ پہنے ہوئے قدموں کے نشان ہیں۔

وأشواط بين المروتين الى الصفا　　وما فيهما من صورة وتماثل

مروہ وصفا کے درمیان سعی کرتے ہوئے جو چکر لگائے جاتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان جو صورت و تماثیل ہیں ان سے پناہ مانگتا ہوں۔

وبالمشعر الأقصى اذا عمدوا له　　إلال إلى مفضى الشراج القوابل

عرفہ کی پناہ مانگتا ہوں جب کہ وہاں تک پہنچنے کے لیے لوگ جبل الال کا قصد کرتے ہیں۔

اور وہاں سے برساتی نالیوں کے انتہا تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

ومن حج بیت اللہ من کل راکب　　ومن کل ذی نذر ومن کل راجل

بیت اللہ کا حج کرنے والے ہر پیادہ اور سوار اور ہر نذر ماننے والے کی پناہ مانگتا ہوں۔

ولیلة جمع والمنازل من منی　　وهل فوقها من حرمة ومنازل

مزدلفہ کی رات اور منی کی منزلوں کی پناہ مانگتا ہوں اور کیا اس سے زیادہ کوئی قابل احترام حرمت اور قابل احترام منازل ہو سکتے ہیں؟

فهل بعد هذا من معاذ لعائذ؟　　وهل من معیذ یتقی اللہ عادل

کیا پناہ مانگنے والے کے لیے اس سے زیادہ قابل احترام کوئی جائے پناہ ہو سکتی ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہو اس سے زیادہ عادل کوئی پناہ مانگنے والا ہو سکتا ہے؟

کذبتم وبیت اللہ نترك مكة　　ونظعن إلا أمركم فی بلابل

بیت اللہ کی قسم! تمہاری امیدیں باطل ہیں کہ ہم مکہ چھوڑ دیں گے۔ یاد رکھو جب بھی ہم یہاں سے کوچ کریں گے تو تمہیں بھی حزن وملال اور غموں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

کذبتم وبیت اللہ نبزی محمدًا　　ولما نطاعن دونه ونناضل

بیت اللہ کی قسم! تمہاری یہ بات بھی باطل ہے کہ محمد ﷺ غالب نہ آئیں گے۔ حالانکہ ہم نے تو ابھی تک تیروں اور نیزوں کے سامنے آپ کا دفاع کیا ہی نہیں ہے۔

ونسلمه حتی نصرع حوله　　ونذهل عن أبنائنا والحلائل

بخدا! ہم کبھی بھی محمد ﷺ کو تمہارے سپرد نہ کریں گے خواہ ہمارے درمیان کس قدر معرکہ گرم ہو جائے۔ اور آپ کی حفاظت کے لیے ہم کثرت سے آپ کے گرد و پیش جمع ہو جائیں گے حتیٰ کہ اپنے بچوں اور بیویوں سے بھی غافل ہو جائیں گے

وینهض قوم فی الحدید الیکموا　　نهوض الروایا تحت ذات الصلاصل

لوہے کے ہتھیاروں سے لدی پھندی قوم تمہارے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑی ہو گی، جس کے ہتھیاروں کی آواز مشکیزوں میں چھلکتے ہوئے پانی کی طرح ہو گی۔

وإنا لعمر الله إن جد ما أرى   لتلتبسن أسيافنا بالأماثل

اللہ کی قسم! جس چیز کو میں دیکھ رہا ہوں، اگر طول پکڑ گئی تو ہماری تلواریں یقیناً تمہارے معززین کا کام تمام کر دیں گی۔

بكفي فتى مثل الشهاب سميدع   أخي ثقة حامي الحقيقة باسل

ایسی تلواریں جو کہ آگ کے شعلہ کی طرح پھرتیلے، سردار، قابلِ اعتماد، اہل وعیال و مال کی حفاظت کرنے والے اور نہایت بہادر جوان کے ہاتھ میں ہوں گی۔

وما ترك القوم لا أبا لك سيدا   يحوط الذمار غير ذرب مواكل

تمہارا باپ نہ ہو! کیا قوم نے ایک ایسے معزز سردار کو چھوڑ دیا ہے جو کہ قابلِ حفاظت چیز کی حفاظت کرنے والا، مسلح ہے اور امور کو دوسروں کے سپرد کرنے والا نہیں ہے۔

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه   ثمال اليتامى عصمة للأرامل

وہ گورے مکھڑے والا جس کے روئے زیبا کے واسطے سے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست۔

يلوذ به الهلاك من آل هاشم   فهم عنده في رحمة وفواضل

آل ہاشم کے تباہ حال لوگ اس سے فریاد رسی کرتے ہیں اور وہ ہاشمی اس کے نزدیک نہایت قابلِ احترام اور صاحب نعمت ہیں۔

فعتبة لا تسمع بنا قول كاشح   حسود كذوب مبغض ذي دغاول

عتبہ! تم ہمارے بارے میں کسی کٹر دشمن، حاسد، کاذب، مبغض اور مصیبتیں برپا کرنے والے کی بات کو نہ سنو!

ومر أبو سفيان عني معرضا   كما مر قيل من عظام المقاول

ابوسفیان میرے پاس سے نہایت سرکش اور متکبر انسان کی طرح اعراض کرتے ہوئے گزر گیا۔

يفر إلى نجد وبرد مياهه   ويزعم أني لست عنكم بغافل

وہ نجد اور اس کے ٹھنڈے پانیوں کی طرف بھاگ گیا اور وہ گمان کرتا ہے کہ میں تم

سے غافل نہیں ہوں۔

أمطعم إني اخذلتك في يوم نجدة ولا معظم عند الامور الجلائل

اے مطعم! میں نے تو تمہیں کسی سخت مشکل کے دن اور سخت آلام و مصائب کے وقت ذلیل نہیں کیا تھا۔ (یعنی تم بھی مجھے ذلیل نہ کرو۔)

أمطعم ان القوم ساموك خطة واني متى أوكل فلست بآكل

اے مطعم! اگر لوگوں نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے تو مجھے بھی تکلیف پہنچی ہے اور میں جب مغلوب ہوں گا تو بجز تمہارے سوا کسی کی طرف التجا نہیں کروں گا۔

جزى الله عبد شمس ونوفلا عقوبة شر عاجلا غير آجل

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے عبد شمس اور نوفل کو بُرائی کی سزا جلد بلا تاخیر کے دے۔

فعبد مناف أنتم خير قومكم فلا تشركوا في أمركم كل واغل

اے عبد مناف! تم بہترین قوم ہو، تم اپنے معاملہ میں کسی طفیلی کو شرکت کی اجازت نہ دو۔

وكنتم قديما حطب قدر فانتم الآن حطاب أقدر ومراجل

تم قدیم زمانہ میں تو ایک ہنڈیا کے لیے ایندھن جمع کرتے تھے لیکن آج کیا ہو گیا ہے کہ مختلف ہنڈیوں کے لیے ایندھن جمع کر رہے ہو۔

فكل صديق وابن اخت نعده لعمري وجدنا غبه غير طائل

بخدا! ہم ہر دوست اور ہمشیرزادے کو اپنا سمجھتے تھے لیکن ہم نے اس کے انجام کو بے سود پایا ہے۔

سوى ان رهطا من كلاب بن مرة براء الينا من معقة خاذل

البتہ بنو کلاب بن مرہ کا ایک گروہ بری ہے اور اس نے کسی رسوا کرنے والے کی سی نافرمانی کا ارتکاب نہیں کیا۔

ونعم ابن اخت القوم غير مكذب زهير حساما مفردا من حمائل

زہیر، ہمارا بہترین ہمشیرزادہ ہے اور بلاشک وہ نیام سے نکالی ہوئی شمشیر یکتا ہے۔

لعمري لقد كلفت وجدا بأحمد واخوته دأب المحب المواصل

میری عمر کی قسم! مجھے احمدؐ اور اس کے بھائیوں سے بے پناہ محبت ہے۔ جس طرح ایک محبِ مخلص کی عادت ہوتی ہے۔

فمن مثله فی الناس أی مؤمل　　اذا قاسه الحکام عند التفاضل

لوگوں میں اس (احمدؐ) جیسا کون ہے؟ اور کوئی ہے جس کے بارے میں امید لگائی گئی ہو جو اس کے ہم پلہ ثابت ہو سکے۔ جب حکام تفاضل کے وقت تقابل کر رہے ہوں۔

حلیم رشید عادل غیر طائش　　یوالی الٰها لیس عنه بغافل

وہ صاحب حکمت و رشد و عدل ہے، باوقار ہے اور ایسے خدا کو اس نے دوست بنا رکھا ہے جو اس سے غافل نہیں ہے۔

فواللّٰه لولا ان اجیئی بسبة　　تجر علی أشیاخنا فی المحافل

اللہ کی قسم! اگر میں کوئی ایسی قابلِ ملامت چیز نہ لاسکا جو ہمارے قبائل کے سرداروں کے سر آتی ہو۔

لکنا اتبعناه علی کل حالة　　من الدهر جدا غیر قول التهازل

تو زمانہ بھر ہر حال میں ہم ان کے تابع رہیں گے اور میں یہ سچ کہتا ہوں مذاق نہیں۔

لقد علموا أن ابننا لا مکذب　　لدینا ولا یعنی بقول الأباطل

ان سب نے معلوم کر لیا ہے کہ ہمارا بیٹا ہمارے نزدیک راست باز ہے۔ اور وہ باطل اقوال کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

حدبت بنفسی دونه وحمیته　　ودافعت عنه بالذری والکلاکل[1]

میں نے اپنے نفس کے ساتھ ان کی حفاظت کی ہے اور اپنی تمام تر قوتیں صرف کر کے ان سے دفاع کیا ہے۔

---

[1] ابوطالب کا یہ مکمل قصیدہ پورا نوے اشعار پر مشتمل ہے، جن میں سے شیخ الاسلام نے صرف بیالیس ۴۲ اشعار کا انتخاب پیش فرمایا ہے۔ مفتی بلاد ہر سک شیخ علی فہمی نے ابوطالب کے اس قصیدہ کی "طلبة الطالب فی شرح لامیة ابی طالب" کے نام سے بہترین شرح بھی لکھی ہے، جو کہ ۱۳۲۷ھ میں مطبع روشن سے طبع ہوئی تھی۔ اشعار کا ترجمہ کرتے وقت یہ شرح ہمارے پیش نظر رہی ہے۔ - مترجم

نقضِ صحیفہ ہشام بن عمرو جس کا تعلق بنی عامر بن لوی سے تھا، راتوں کو چھپ چھپ کر شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کے پاس کھانا پہنچایا کرتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ زہیر بن ابی امیہ مخزومی سے کہا کہ تم اس بات سے خوش ہو کہ کھاؤ پیو، عیش کرو اور تمہارے ماموں آلام و مصائب کا تختہ مشق بنے ہوئے ہوں؟ یاد رہے زہیر کی والدہ عاتکہ عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ زہیر کہنے لگے افسوس میں تن تنہا کیا کر سکتا ہوں؟ بخدا! ایک اور آدمی میرے ساتھ مل جائے تو میں اس معاہدے کی دھجیاں اڑا دوں۔ ہشام نے کہا میں حاضر ہوں۔ اس نے کہا ایک تیسرا ساتھی بھی تلاش کر لینا چاہیے۔ ہشام نے جواب دیا ابوالبختری بن ہشام حاضر ہے۔ زہیر نے کہا چوتھا آدمی بھی ہونا چاہیے۔ ہشام نے بتایا کہ زمعہ بن اسود ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہے۔ زہیر نے کہا کہ اگر ہم پانچ ہو جائیں تو بہت بہتر ہو گا۔ ہشام نے کہا کہ پانچویں مطعم بن عدی ہمارے ہم نوا ہیں؛ چنانچہ یہ پانچ شخص کوہ حجون کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے آپس میں پختہ عہد و پیمان کیا کہ وہ اس صحیفہ کو چاک کر کے دم لیں گے، جس میں قریشیوں نے بائیکاٹ کے متعلق لکھ رکھا ہے۔

زہیر نے کہا اس کارِ خیر کا آغاز میں کروں گا۔ عہد و پیمان کے مطابق جب وہ کعبہ میں آئے تو سب قریشی وہاں موجود تھے۔ جو کعبہ کی طرف نظر یں جمائے بیٹھے تھے۔ آتے ہی زہیر نے بلند آواز سے پکارا "مکہ کے رہنے والو! یہ کیسی بدبختی کی بات ہے کہ ہم تو کھائیں، پئیں اور پہنیں لیکن بنو ہاشم تباہ و برباد ہو رہے ہوں، خدا کی قسم! میں تو اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس قاطعِ رحم اور ظالم صحیفے کو چاک نہیں کر دیا جاتا"۔ ابوجہل نے کہا "تم غلط کہتے ہو بخدا! اسے ہرگز چاک نہیں کیا جا سکتا"۔ زمعہ نے جواب دیا "واللہ! تم سب سے جھوٹے ہو۔ ہم تو خوش ہی نہ تھے، جب اس صحیفے کو لکھا گیا تھا"۔ ابوالبختری نے تائید کی "زمعہ سچ کہتے ہیں۔ ہم اس کے مندرجات پر راضی نہیں اور نہ اس معاہدہ کی پابندی کریں گے"۔ مطعم بن عدی نے کہا "تم دونوں ٹھیک کہتے ہو، غلط وہی ہے جو اس کے سوا کوئی اور بات کہتا ہے، ہم تو اللہ کے پاس اس صحیفہ سے اور جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے، برأت کا اظہار کرتے ہیں"۔ ہشام بن عمرو نے بھی اسی قسم کی بات کی تو ابوجہل یہ سب باتیں سن کر کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ اس

سوچی سمجھی سکیم کا رات کسی دوسری جگہ مشورہ کر کے فیصلہ کیا گیا ہے۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیمک نے اس صحیفہ میں لکھے گئے اللہ تعالیٰ کے تمام مبارک اسماء کو چاٹ لیا اور شرک، ظلم اور قطع رحمی کے الفاظ کو باقی رہنے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بھی اس سے مطلع فرما دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے اس کا تذکرہ کیا تو ابو طالب کہنے لگا: "مجھے چمکدار ستاروں کی قسم! آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں"

ابو طالب اسی وقت بنو عبدالمطلب میں سے کچھ آدمیوں کو لے کر مسجد حرام میں گئے مسجد اس وقت قریشیوں سے کچھا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ابو طالب اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ کر قریشی کہنے لگے یہ یقیناً محاصرے کی شدت کی تاب نہ لاتے ہوئے ہمارے پاس آ رہے ہیں تاکہ رسول اللہ کو ہمارے سپرد کر دیں۔ ابو طالب نے پہنچتے ہی کہا: "ایک بات ہوئی ہے، شاید وہ ہمارے اور تمہارے درمیان صلح کا باعث بن جائے، ذرا اپنا صحیفہ تو لاؤ" ابو طالب نے صحیفہ کے لائے جانے سے قبل صورت حال اس لیے نہ بتائی کیونکہ خدشہ تھا کہ وہ صحیفہ دکھانے سے پس وپیش کریں گے۔ وہ خوشی سے اچھلتے کودتے گئے اور فوراً صحیفہ لے آئے۔ اپنے طور پر انہیں یقین تھا کہ اب تو ابو طالب ضرور رسول اللہ کو ہمارے سپرد کر دیں گے صحیفہ لایا گیا تو ابو طالب نے کہا "قریشیو! میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ پھر تم نے خود ہی انصاف سے بتانا ہو گا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا؟ میرے بیٹے نے مجھے بتایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے غلط نہیں کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس صحیفہ سے جو اس وقت تمہارے ہاتھوں میں ہے، بری ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صحیفہ میں لکھے ہوئے اپنے ہر نام کو مٹا دیا ہے اور تمہارے غدر اور قطع رحمی کو باقی رہنے دیا ہے۔ اب تم صحیفہ کو دیکھو اگر ان کی بات سچی ہے تو خدا کی قسم ہمارا بچہ بچہ تو کٹ کر مر سکتا ہے لیکن ہم انہیں تمہارے سپرد ہرگز نہیں کر سکتے اور اگر ان کی یہ بات غلط ہے تو پھر ہم انہیں تمہارے سپرد کر دیں گے، خواہ تم قتل کر دو یا نہ کرو۔

قریشیوں نے یہ بات سنی تو سب بیک زبان پکار اٹھے ٹھیک ہے، ہمیں یہ بات تسلیم ہے؛ چنانچہ انہوں نے جب صحیفہ کھولا تو دیکھا کہ صورتِ حال تو بالکل وہی ہے جو ابو طالب نے بتائی تھی لیکن حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ کہنے لگ گئے کہ یہ تو تمہارے ساتھی

نے ہمارے صحیفے پر جادو کر دیا ہے! چنانچہ حق کے واضح ہونے کے بعد پھر شر کی طرف مائل ہو گئے ان مذکورہ پانچ آدمیوں نے پھر اپنی بات دوہرائی کہ دیکھو حق واضح ہونے کے بعد ہم پھر تسلیم نہیں کرتے۔ لہذا ہم اس معاہدہ کی ہرگز پابندی نہیں کریں گے۔ ابو طالب نے اپنے درج ذیل اشعار انہی کی مدح میں کہے تھے ؂

جزی اللہ رھطا بالحجون تتابعوا　　علی ملاءٍ یھدی بحزم ویرشد

اللہ اس جماعت کو جزائے خیر دے جس نے کوہ حجون کے پاس بیٹھ کر اس گروہ کی حمایت پر اتفاق کیا جسے حزم و رشد کی ہدایت کی جاتی ہے۔

اعان علیھا کل صقرٍ کأنہ　　اذا ما مشی فی رفرف الدرع اُجرد

باز کی طرح بہادر اور پھرتیلے جوانوں نے اعانت کا اعلان کیا، وہ جوان جو زرع پہن کر بھی اس طرح سرعت سے چلتے ہیں گویا انہوں نے اسے پہنا ہی نہیں۔

قعودًا لدی جنب الحجون کأنھم　　مقاولۃ بل ھم اعز وامجد

وہ جبل حجون کے پاس بیٹھے ہوئے بادشاہ معلوم ہوتے تھے بلکہ بادشاہوں سے بھی زیادہ معزز اور بزرگ۔

یاد رہے یہ ہشام بن عمرو فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ بنو ہاشم نبوت کے دسویں سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ پھر وہاں سے نکلے تو چھ ماہ بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔

حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات

ابو طالب کی وفات کے چند دنوں بعد ام المومنین حضرت خدیجہؓ بھی راہگرائے ملک جاوداں ہو گئیں۔ حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات کے بعد قریشیوں کی جرأت اور بھی بڑھ گئی اور انہوں نے ایذا رسانیوں کی انتہا کر دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے (خاکم بدہن) قتل کا پختہ ارادہ کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کی پوری پوری حفاظت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ سرداران قریش ایک مرتبہ حطیم میں جمع تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شروع ہو گیا تو کہنے لگے کہ ہم نے بھی صبر کی انتہا کر دی ہے

کہ اس نے ہمارے عقلمند آدمیوں کو بیوقوف بنا دیا، ہمارے آباؤ اجداد کو بُرا بھلا کہا اور ہمارا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ وہ اسی قسم کی باتوں میں مصروف تھے کہ اتفاق سے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بھی ادھر تشریف لے آئے۔ آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف شروع فرما دیا۔ رکن یمانی کے استلام کے بعد جب ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ کی طرف نہایت غلط انداز میں اشارے شروع کر دیئے۔

دوسرے دن پھر جب اشراف قریش حطیم میں جمع ہوئے تو کہنے لگے کہ کل تم ان کا ذکر کر رہے تھے لیکن جب تمہارے پاس آیا تو تم سے کچھ نہ بن پڑا۔ یہ باتیں کر رہے تھے کہ آپ بھی تشریف لاتے نظر آئے تو کہنے لگے جب وہ یہاں پہنچیں تو سب مل کر ٹوٹ پڑو اور یہ قصہ پاک کر دو۔ جب آپ تشریف لائے تو صرف عقبہ بن ابی معیط کو جرأت ہو سکی۔ اس نے آپ کی چادر مبارک کو پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے آئے۔ رو رہے تھے اور فرما رہے تھے کیا تم ایک آدمی کو اس جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ حضرت اسماءؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آواز سنائی دی کہ اپنے ساتھی کو بچا لو۔ آپ یہ آواز سنتے ہی گھر سے بھاگ نکلے۔ حطیم کے پاس پہنچے تو قریشیوں سے مخاطب ہوئے" افسوس تم پر! کیا تم ایک آدمی کے خون کے اس لیے در پے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے" قریشیوں نے حضور کو تو چھوڑ دیا لیکن ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر برا حال کیا کہ جب گھر تشریف لائے اور اپنے سر پہ ہاتھ پھیر کر بالوں کا جائزہ لینے لگے تو مبارک زلفیں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہی تھیں۔ ایک مرتبہ آپؐ بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ کفار قریش نے بھی آپ کو دیکھ لیا۔ ان میں سے ایک بدبخت اٹھا اور اس نے اونٹ کی اوجھڑی لا کر سجدہ کی حالت میں آپ کی پشت مبارک پر ڈال دی۔ کفار مکہ آپ کی صداقت اور امانت کے تو قائل تھے۔ وہ آپ کے نبی برحق ہونے کو بھی تسلیم کرتے تھے لیکن حسب ارشاد باری تعالیٰ ان کی کیفیت یہ تھی۔

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ؀[1]

یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

---

[1] الانعام ۳۳

امام زہریؒ نے ذکر کیا ہے کہ ایک شب ابوجہل، اخنس بن شریق اور کچھ دوسرے لوگوں نے چھپ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوتِ قرآن مجید کو سنا۔ اخنس ابوجہل سے کہنے لگا "ابوالحکم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو سنا، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" ابوجہل نے کہا "بات درحقیقت یہ ہے کہ شرف اور علو مرتبت کے حصول کے سلسلہ میں ہمارا اور بنو عبد مناف کا ہمیشہ جھگڑا رہا ہے۔ وہ لوگوں کو کھلاتے تو ہم بھی کھلا دیتے، وہ کوئی بوجھ اٹھاتے تو ہم بھی اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے، وہ لوگوں کو کچھ عطا کرتے تو ہم بھی بخل سے کام نہ لیتے حتیٰ کہ ہم بالکل مقابلہ کی چوٹ تھے لیکن اب جو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہم میں ایک نبی ہیں، جن کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، تو بتائیے کہ یہ شرف ہم کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ جب ہم اس شرف کو حاصل نہیں کر سکتے تو خدا کی قسم! ہم بنو عبد مناف کے اس نبی کی بات نہ سنیں گے اور ان کی تصدیق بھی ہرگز نہ کریں گے"۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل نے کہا "مجھے معلوم ہے کہ یہ بالکل حق ہے لیکن بنو قصی نے ندوہ، حجابہ اور سقایہ کے مالک بن کر تو ہم سے اس شرف کو منوا لیا۔ اب ہم ان کی ہر بات حتیٰ کہ اس نبوت کی بات کو بھی تسلیم کرتے ہی جائیں۔"

روح اور اصحاب کہف کے متعلق سوالات

کفار قریش وقتاً فوقتاً اہل کتاب سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت دریافت کرتے رہتے تھے کہ ان کی نبوت برحق ہے یا نہیں؟ چنانچہ ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ (جو ان دنوں یثرب کہلاتا تھا) کے یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کے اوصاف بیان کر کے پوچھیں کہ اس نبی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ کیونکہ تم اہل کتاب ہو اور انبیاء کرام کے متعلق جتنا تمہیں علم ہے، ہمیں نہیں ہے؟ چنانچہ قریش کے یہ فرستادہ جب مدینہ پہنچے اور حسب پروگرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور حالات بیان کرنے کے بعد آپ کے متعلق دریافت کیا تو علمائے یہود نے کہا کہ تم ان سے جا کر تین سوال پوچھو اگر وہ ان کا جواب دے سکیں تو وہ خدا کے نبی اور رسول برحق ہیں ورنہ نہیں

سوال یہ ہیں۔

اول:۔ ان چند نوجوانوں کا واقعہ کیا ہے، جو پہلے زمانے میں اپنے وطن سے بھاگ گئے تھے؟

دوم:۔ اس آدمی کا قصہ کیا ہے، جس نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا؟

سوم:۔ روح کی حقیقت کیا ہے؟

وہ دونوں یہ سوالات سیکھ کر جب مکہ آئے تو لوگوں سے کہنے لگے کہ اب تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ کا یقیناً فیصلہ ہو کر رہے گا۔ کیونکہ علمائے یہود نے ہمیں کچھ ایسے سوالات سکھائے ہیں، جن کے جواب پیغمبر کے سوا کوئی نہیں دے سکتا؛ چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوالات پوچھے تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو سورہ کہف دے کر بھیج دیا جس میں نوجوانوں کا قصہ بھی ہے اور مشرق و مغرب تک سفر کرنے والے کا واقعہ بھی اور روح کے متعلق سوال کا جواب دینے کے لیے آیت شریفہ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ [1] نازل فرمائی۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف کا آغاز اپنی حمد اور اپنے رسول کی نبوت کے ذکر سے کیا۔ کیونکہ وہ لوگ اس کے منکر تھے؛ چنانچہ فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ۔ — سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر (یہ) کتاب نازل کی۔

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کی نبوت کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آپ بلاشک میرے سچے رسول ہیں اور میں نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ کتاب بھی وہ کہ

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ — اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہیں رکھی۔

یعنی اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں کچھ شک نہیں، جس طرح تمہارے نبی اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس انداز سے اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف کا آغاز کرتے ہوئے اصحاب کہف سے متعلق سوال کا جواب یوں دیا۔

---

[1] بنی اسرائیل ۸۵

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ○ — کیا تم خیال کرتے ہو کہ غار اور لوح والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے۔

یعنی یہ واقعہ کوئی سب سے زیادہ تعجب انگیز نہیں بلکہ میں نے اپنی قدرت اور اپنے بندوں پر حجت تمام کرنے کے بہت سے ایسے نشانات بھی پیش کیے ہیں جو اس واقعہ سے بھی زیادہ باعث تعجب ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے پیغمبرؐ آپ کو جو ہم نے کتاب و سنت عطا کی ہے، ان کی شان اصحاب کہف سے بڑھ کر ہے۔

اصحاب کہف کا تین سو سال تک سونے کے بعد اٹھنا بے شک اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت کا عظیم مظہر تھا اور ابدان و اجسام کے دوبارہ زندہ کیے جانے کی ایک بہت بڑی دلیل۔ اسی وجہ سے فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا [1] — اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) اُن (کے حال) سے خبردار کر دیا تاکہ وہ جانیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے) اس میں کچھ بھی شک نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے بھی فرمایا کہ اس دور میں اس بارے بھی اختلاف تھا کہ مرنے کے بعد صرف روحوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا یا روحوں کے ساتھ ساتھ جسموں کو بھی دوبارہ زندگی نصیب ہوگی؟ اصحاب کہف کے واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے گویا اس بات کی دلیل بنا دیا کہ صرف روحوں کو ہی نہیں بلکہ جسموں کو بھی دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اصحاب کہف کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو اطلاع دی تھی کسی بشر نے نہیں۔

کفار قریش کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس واقعہ کو صحیح طور پر بیان فرما دینا، آپؐ کی نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس واقعہ سے ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت تینوں اصولوں پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

آپؐ کی نبوت کے صدق و کذب کو معلوم کرنے کے سلسلے میں کفار قریش کا دوسرا سوال

---

[1] الکہف ۲۱

ذوالقرنین کے متعلق تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِى ٱلْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا۟ عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ۔	اور تم سے ذوالقرنین کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ میں اس کا کسی قدر حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔

سے لے کر

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَـٰفِرِينَ عَرْضًا ۝	اور اس روز جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے۔

تک اٹھارہ آیات نازل فرمائیں۔

قرآن مجید نے ماضی کے بے شمار اخبار و واقعات بیان کیے ہیں۔ جنہیں کوئی بشر بھی انبیاء کرام کی تعلیم کے بغیر نہیں جان سکتا تھا۔ اولیاء کرام کی اور نہ ہی دوسرے افراد نوع انسانی کی اُن تک رسائی ممکن تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان اخبار و واقعات کو بیان فرمایا تو کفارِ قریش کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ یہ کسی بشر کے سکھائے ہوئے واقعات نہیں ہو سکتے اور ان واقعات کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصود بھی یہ ہے کہ یہ آپؐ کی نبوت اور آپ کی صداقت کے ناقابل تردید دلیل اور برہان قاطع بن جائیں۔

ولید بن مغیرہ

ابھی ہم نے لکھا ہے کہ کفار قریش بھی قرآن مجید کو کسی بشر کا کلام نہیں سمجھتے تھے۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگا۔ مجھے بھی کچھ قرآن سنائیے؟ آپ نے درج ذیل آیت شریفہ سنائی۔

إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَـٰنِ وَإِيتَآئِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ [1]	خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔

ولید سن کر پھڑک اٹھا اور کہنے لگا ایک بار پھر پڑھیے۔ آپؐ نے دوبارہ تلاوت فرمائی تو کہنے لگا "واللہ! اس کلام میں بڑی حلاوت ہے، بڑی طلاوت ہے، اول سے آخر

---

[1] النحل ۹۰

تک مفید ہے، یہ غالب ہے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اس کے مقابلہ میں لوگوں کا کلام ہیچ ہے بلکہ کوئی بشر اس کے مقابلہ کا کلام پیش نہیں کر سکتا"۔

ابوجہل کو ولید کے ان خیالات کا علم ہوا تو وہ اس کے پاس جا کر کہنے لگا "چچا جان! آپ کی قوم آپ کے لیے مال جمع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے"۔ ولید نے پوچھا وہ کیوں؟ ابوجہل نے کہا اس لیے کہ "آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتے ہیں۔ لہذا قوم کا فیصلہ ہے کہ آپ ان کے پاس نہ جائیں اور جو وہ تمہیں دیتا ہے اس کے عوض اس مال کو قبول کر لیں"۔ ولید نے جواب دیا کہ قریش کو معلوم ہے کہ میرے پاس مال کی سب سے زیادہ فراوانی ہے۔ لہذا مجھے ان کے مال کی ضرورت نہیں۔ ابوجہل نے کہا تو اچھا پھر قرآن کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دو جس سے قوم کو معلوم ہو کہ تم قرآن کے منکر ہو۔ ولید نے جواب میں کہا۔ "میں کیا کہوں؟ اشعار کے متعلق میری معلومات تم سب سے زیادہ ہیں لیکن قرآن کو اشعار بھی تو نہیں کہا جا سکتا"؟

ایک روایت میں ہے کہ ولید نے کہا موسم حج قریب ہے اور ہر طرف کے وفود کی آمد آمد سب لوگوں نے آپ کے متعلق سن رکھا ہے، وہ یقیناً تم سے پوچھیں گے لہذا سب کو ایک بات پر اتفاق کر لینا چاہیے کہیں یہ نہ ہو کہ کوئی کچھ کہے اور کوئی کچھ۔ ولید کی بات سن کر کہنے لگے کہ یہ ٹھیک ہے، تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا کہیں؟ ولید نے کہا نہیں بلکہ تم اپنی تجاویز پیش کرو، میں ان پر غور کروں گا۔ ایک گروہ نے تجویز پیش کی کہ ہمیں کاہن کہنا چاہیے۔ ولید نے تردید کی کہ نہیں وہ کاہن نہیں اور نہ اس کا پیش کردہ کلام کہانت ہے۔ ایک دوسرے گروہ نے رائے دی کہ مجنون کہہ دیا جائے۔ ولید نے اس رائے کو بھی پسند نہ کیا اور کہا کہ ہم جنون اور اس کی انواع و اقسام کو بخوبی جانتے ہیں۔ یہاں اس کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں تیسرے فریق نے شاعر کی پھبتی کسنے کو کہا۔ ولید نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا اور کہا کہ ہم شعر اور اس کی تمام اقسام رجز، ہزج، قریض، مقبوض اور مبسوط وغیرہ سے خوب واقف ہیں۔ ان کا پیش کردہ کلام ہرگز شعر کے زمرہ میں نہیں آتا۔ ایک چوتھے جتھے نے ہانک لگائی کہ ساحر کہہ دیا جائے تو کیسا رہے گا ولید نے کہا کہ ہم سحر کو جانتے ہیں اور ساحروں کو بھی۔ محمدؐ کا سحر سے کوئی تعلق نہیں۔ ولید نے

جب ان سب تجاویز کو مسترد کر دیا تو سب کہنے لگے "اے اباعبد شمس! پھر آپ ہی کچھ بتائیے"؟ ولید نے کہا کہ ہم جو بات بھی بنالیں، اس کا بطلان طشت از بام ہو کر رہے گا البتہ آخری تجویز کچھ مناسب ہے۔ کیونکہ جس طرح ساحر اپنے سحر کے ذریعے تفریق ڈال دیتے ہیں، اسی طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے کلام کے ذریعہ بھائی کو بھائی سے جدا کر دیا ہے، خاوند اور بیوی کے درمیان تفریق ڈال دی ہے اور ہر آدمی کو اس کے اعزہ و اقارب سے جدا کر دیا ہے۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق قریشیوں نے حجاج کے وفود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رکھنے کے لیے ہر شخص کے کان میں یہ افسوں پھونکنا شروع کر دیا کہ اس شخص کے قریب نہ جانا، وہ تو ساحر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝ ... — ہمیں اس شخص سے سمجھ لینے دو جس کو ہم نے اکیلا پیدا کیا۔

سے لے کر

سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ۝ — ہم عنقریب اس کو سقر (دوزخ) میں داخل کریں گے۔

تک کی سولہ آیتیں نازل کر کے اس کی مجلس کا ذکر کیا اور اسے جہنم کی نوید سنائی اور ولید کے رفقا کے متعلق جو اس مجلس میں حاضر تھے اور قرآن مجید کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنارہے تھے، یہ آیت نازل فرمائی۔

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۝[1] — یعنی قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

شقِ قمر

کفارِ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وقتاً فوقتاً یہ سوال بھی کرتے رہتے تھے کہ اپنی نبوت کی صداقت کی کوئی نشانی دکھاؤ، چنانچہ ان کے سوال کے جواب میں نیز بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے کچھ نشانیاں دکھادیں مثلاً ایک سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے نشانی کے طور پر دکھایا۔ اسی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے۔

---

[1] الحجر ۹۱

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۔ قیامت قریب آپہنچی اور چاند شق ہو گیا۔

سے لے کر

وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۔ اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔

تک کی آیات نازل فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی بعض اوقات خواہش ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ان کے مطالبہ کے مطابق کوئی نشانی دکھاویں۔شاید یہ کوئی نشانی دیکھ کر ہی مشرف بہ اسلام ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے کہ یہ ضروری نہیں کہ یہ نشانیاں دیکھ کر ہدایت کو تسلیم کرلیں گے البتہ قانونِ قدرت یہ ہے کہ اگر نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے تو صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جائیں گے۔نشانیوں کے متعلق ان کے مطالبہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ...... وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۔[1]

اور یہ لوگ خدا کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں۔بات یہ ہے کہ یہ اکثر نادان ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے جواب میں جو فرمایا تھا، وہ یہ ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ [2]

اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی۔

مفسرین و محدثین نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ جب اہلِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو کوہِ صفا سونے کا بنا دو اور گرد و نواح کے ان پہاڑوں کو ختم کر دو تاکہ زمین قابلِ کاشت ہو جائے، تو اس کے جواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے یہی فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہم انہیں مہلت دیئے رکھتے ہیں اور اگر چاہو تو ان کی منشا کے مطابق آیات کو ظاہر کیا جا سکتا ہے۔آیات کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائے تو پھر انہیں زندہ رہنے کا حق نہ ہوگا بلکہ ہم تباہ و برباد کر دیں گے۔جیسا کہ ماضی میں آیات کی تکذیب کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ

---

[1] الانعام ۱۰۹۔ ۱۱۱ [2] بنی اسرائیل ۵۹۔

اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۔

ابن ابی حاتم نے حضرت حسن سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! اگر تمہارے پاس آیات نہیں بھیجتے تو اس میں بھی تمہارے لیے رحمت ہے، ورنہ اگر ہم آیات دکھا دیتے اور تم ان کی تکذیب کرتے تو تمہارا حشر بھی اسی طرح ہوتا جس طرح ماضی میں تکذیب کرنے والوں کا ہوتا رہا۔ ماضی کے لوگوں کا حال اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت شریفہ میں بھی بیان فرمایا ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۔ اور خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان لوگوں کے پاس نہیں آتی مگر یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کا کفر اس قدر شدت اختیار کر گیا ہے کہ اگر ان کے مطالبہ کے مطابق ہم قرآن مجید ایک ہی دفعہ کتابی صورت میں نازل کر دیں حتیٰ کہ اپنے ہاتھوں میں کتاب کو پکڑ کر دیکھ لیں تو پھر بھی تکذیب ہی کریں گے اور اگر ان کے مطالبہ کے پیشِ نظر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی انسانی صورت میں بھیجا جاتا کیونکہ کوئی بشر فرشتوں کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا اور اس طرح انہیں رسول کی حقیقت سمجھنے میں بھی دقت پیش آتی ــــــ اگر ان نشانیوں کو ظاہر کر دیا جاتا اور پھر بھی ایمان نہ لاتے تو انہیں صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا۔ ان کا یہ سوال کہ۔

حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ہمارے لیے زمین میں سے چشمہ جاری کر دو۔

ویسے بھی اصولی طور پر غلط تھا کیونکہ اگر ان کے اس سوال کو پورا کر دیا جاتا تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے سرزمینِ مکہ کا انتخاب ہوتا اور اس کے نتیجہ میں مکہ کی زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے مکہ کی زمین کو بے آب و گیاہ رکھ کر درحقیقت اس بات کا جائزہ لینا چاہا ہے کہ وہ کون نفوس قدسیہ ہیں جو بغیر کسی دنیوی کشش کے بھی، محض اللہ کی رضا کی خاطر

اور صرف فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے یہاں کشاں کشاں آتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اگر مکہ کی زمین انگوروں اور کھجوروں والی ہوتی، سرو وسمن یاں بہار دکھلاتے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سونے کا محل عطا کیا ہوتا تو ظاہر ہیں آنکھ کے لیے اس ساز و سامان میں کشش ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام اسباب کے بغیر ہی اہل ایمان کے لیے مکہ کو باعثِ کشش بنا دیا ہے۔

قریشیوں کا ایک سوال یہ بھی تھا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دکھاؤ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمان کی یہ کیفیت تو قیامت کو ہوگی۔مشرکین اور اہل کتاب نے آسمان سے قرآن مجید کے کتابی شکل میں نازل ہونے کے بارہ میں جو سوال کیا تھا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک گروہ سے الگ الگ فرمایا، چنانچہ مشرکین کے جواب میں اپنے پیغمبر سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ۔

اور اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔

اور اہل کتاب کے بارے میں فرمایا۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ۔

(اے محمدؐ) اہل کتاب تم سے درخواست کرتے ہیں کہ تم ان پر ایک (لکھی ہوئی) کتاب آسمان سے اتار لاؤ۔

اس سوال کے جواب میں کہ اللہ اور اس کے فرشتے خود ہمارے پاس آکر آپ کی نبوت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب نے قبل ازیں موسیٰ سے بھی یہی سوال کیا تھا لیکن بہت سی آیاتِ الٰہی دیکھنے کے باوصف انہوں نے نقضِ میثاق کیا انبیاء کرام کے مقدس خون کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو رنگا اور طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں مختلف قسم کے عذابوں سے دوچار کیا۔اس سے بھی یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ آیات کے ظہور کے بعد تسلیم نہ کرنے والوں کے لیے عذاب واجب ہو جاتا ہے۔حواریوں نے بھی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نزولِ

مائدہ کا سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اتار دیا اور اس کے باوجود وہ راہِ راست پر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت رسوا کن عذاب سے دوچار کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، تو اس کی حکمت و رحمت کا تقاضا تھا کہ آپ کی قوم کو کسی ایسے عذاب سے دوچار نہ کرے جو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے والا ہو بلکہ بعض لوگوں کو مختلف عذابوں سے دوچار کر کے دوسروں کے لیے باعثِ عبرت بنا دیا، جیسا کہ ایک شخص کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا کی تھی کہ اللہ اس پر کسی کتے کو مسلط کر دے؛ چنانچہ اسے شیر نے چیر پھاڑ کر اپنا شکار بنا لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے پیغمبر سے اس قسم کے عذابوں میں مبتلا ہونے کا اعلان کروا دیا تھا

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ط وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ۔[1]	کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا اپنے پاس سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تھی کہ وہ کفار کو کبھی تو میدان جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں پٹوائے گا اور کبھی کسی دوسرے طریقے سے انہیں مبتلائے عذاب کرے گا اور اکثر کفار قریش کے لیے یہی خبریں ایمان لانے کا موجب بنی تھیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں بالکل ہلاک کر دیتا تو ان کی وہ اولاد بھی نہ ہوتی جو مشرف بہ اسلام ہو کر اسلام کی سربلندی کا باعث بنی اور پھر کفار قریش کو اللہ تعالیٰ نے جس عجز، ذلت اور درماندگی سے دوچار کیا اس میں بھی بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں مضمر تھیں؛ چنانچہ تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں فرعون کو سنگ دل بنا دوں گا، وہ ہرگز ہرگز ایمان نہیں لائے گا لیکن اس طرح میری بے شمار آیات و عجائبات کا ظہور ہو گا مثلاً فرعون اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر تھا، تو اس کے انکار کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے کئی ایسی نشانیاں دکھائیں جو اس کے وجود کی شہادت دیتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، تورات عنایت فرمائی اور کئی ایسے معجزات سے

---

[1] التوبہ ۵۱

سرفراز فرمایا جو آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل بھی بنتے اور آپ کے ذکر کے دوام کا باعث بھی، لیکن اس کے برعکس فرعون کی قساوت قلب نہ صرف اسے بلکہ اس کے ساتھیوں کو بھی لے ڈوبی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ بھی بہت سی آیات ظاہر فرمائیں لیکن کوئی ایسی آیت نہ دکھائی کہ اس کے انکار کے بعد ان تمام پر ہلاکت کو مسلط کر دیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان کے دل بھی پہلے لوگوں جیسے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ۔ [1]

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آتا وہ اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے کیا یہ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کرتے آئے ہیں

سورۃ قمر، جس میں اللہ تعالیٰ نے معجزہ شق قمر کفار کا آیات سے اعراض اور آیات کو ان کے "سحر مستمر" کہنے کا ذکر فرمایا ہے، ایک بڑا بلیغ جملہ یہ فرمایا۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ۔ [2]

اور ان کو ایسے حالات (سابقین) پہنچ چکے ہیں، جن میں عبرت ہے۔

اسی وجہ سے ہر قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ [3]

سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔

یعنی عذاب ان کے لیے جنہوں نے میرے انبیاء کی تکذیب کی اور انذار جو کہ عذاب کی آمد سے قبل تھا۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ یہ تو بتاؤ کہ کیا تمہارے کفار ان سے بہتر ہیں، جنہوں نے انبیاء کرام کی تکذیب کی تھی یا تمہارے لیے پہلی کتابوں میں برات لکھ دی گئی ہے؟ بلکہ ان تکذیب کرنے والوں کی بابت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اطلاع بھی دے دی تھی کہ عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام کار کفار کی ہزیمت و شکست کا اس وقت اعلان فرمایا جب مکہ

---

[1] الذّٰریٰت ۵۲-۵۳ [2] القمر ۴ [3] ایضاً ۱۸۔

مکہ میں مسلمان ابھی قلیل تعداد میں تھے، عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور ان کی ضعف و ناتوانی کے باعث کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ نہتے مسلمان تھوڑا عرصہ بعد ہی ان جابر و طاقتور کفار کے میدان بدر میں چھکے چھڑا دیں گے اور یاد رہے جب بھی مسلمانوں کو شکست اور کفار کو غلبہ نصیب ہو تو یہ مسلمانوں کی بعض ایسی غلطیوں کے سبب ہو گا جنہوں نے مسلمان کے ایمان کو کمزور کر دیا ہو گا لیکن جب بھی مسلمان صادق دل سے توبہ کر کے اللہ کے آستانے پر جھک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت بھی مسلمانوں کے شامل حال ہو جائے گی، جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔[1]	اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کا تقاضا تھا کہ اس نے امت محمدیہ پر کسی ایسے عذاب کو مسلط نہیں کیا جو اسے بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا۔ جیسا کہ بعض سابقہ امتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا بلکہ امت محمدیہ سے متعلقہ افراد کو اللہ تعالیٰ نے مہلت دی تاکہ ہدایت سے آشنا ہو کر مشرف بہ اسلام ہو جائیں گو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت بالغہ پر مبنی بعثت بھی انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ کسی دوسرے نبی کی بعثت اس قدر احسان کی موجب نہیں ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

سفر طائف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد کفار قریش نے جب آپ کو اور زیادہ ستانا شروع کر دیا، تو آپ نے طائف کے لیے رخت سفر باندھا کہ شاید وہاں کے لوگ حق قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور آپ کی قوم کی مخالفتوں کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے میں کوئی اعانت کر سکیں۔ لیکن افسوس کہ اہل طائف میں سے کسی نے بھی آپ کی دعوت الی اللہ کو قبول نہ کیا اور کوئی بھی آپ کی نصرت و اعانت کے لیے آمادہ نہ ہوا بلکہ اس محسن انسانیت کے ساتھ ناروا سلوک کرنے میں انہوں نے کفار قریش کو بھی

---

[1] آل عمران ۱۳۹

پیچھے چھوڑ دیا۔ ان بدبختوں نے اپنے غلاموں اور چھوکروں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، دشنام طرازیوں پر اتر آئے بلکہ ان ظالموں نے خدا کے سچے رسول اور دنیا کے سب سے بڑے انسان پر پتھروں کا مینہ برسایا، یہاں تک کہ آپ کے مبارک پاؤں خون میں بھر گئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ آپ کے ہمراہ تھے، انہوں نے اپنے محسن و مربی کو بچانے کے لیے اپنا سینہ سپر کر دیا، حتیٰ کہ پتھروں سے اس جانثار خادم کا سر پھٹ گیا تھا۔ آپؐ نے انہی آلام و مصائب میں دس دن گزارے، سرداران طائف میں سے ایک ایک کے پاس جا کر خدا کا پیغام سنایا۔ لیکن اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والے کو انہوں نے پتھروں سے جواب دیا، بالآخر حزن و ملال کے ساتھ آپ نے مکہ واپسی کا پروگرام بنایا، طائف سے باہر نکلے تو دل بھر آیا اور غمگین دل سے دعا نکلنے لگی:۔

اللھم انی اشکوا الیک	اے اللہ! میں اپنی قوت کی کمزوری، تدبیر کی
ضعف قوتی وقلة حیلتی	کمی اور لوگوں کے سامنے حقیر ہونے کی فریاد
وھوانی علی الناس انت	تیرے ہی پاس کرتا ہوں اے ارحم الراحمین!
رب المستضعفین و انت	تو سب ضعیفوں کا رب ہے اور میرا رب بھی
ربی، الی من تکلنی؟ الی	تو ہی ہے، تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے؟
بعید یتجھمنی، اوالی عدو	کیا کسی اجنبی کے سپرد کرتا ہے، جو مارے
ملکته امری؟ ان لم یکن	غصے کے مجھ پر چڑھ آئے یا کسی دشمن کے
بك غضب علی فلا ابالی	حوالے کرتا ہے، جو میرے معاملہ کا مالک
غیر ان عافیتك ھی اوسع	ہو جائے؟ الٰہی! ان سب باتوں کے ساتھ اگر
لی - اعوذ بنور وجھك	مجھ پر تیرا غضب نہ ہو تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔
الذی اشرقت له الظلمات	لیکن تیری عافیت میرے لیے وسیع ہے۔ میں
وصلح علیه امر الدنیا و	تیری ذات کے نور کی پناہ چاہتا ہوں، جس
الاخرة ان یحل علی	سے سب تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور دنیا و
غضبك او ینزل بی	آخرت کے سب کام سنور جاتے ہیں، اس بات

سخطك لك العتبى حتى ترضى۔ ولاحول ولا قوۃ الا بك۔

سے پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو۔ تیری ہی رضا کی طرف رجوع ہے حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور فائدہ حاصل کرنے کی طاقت اور نقصان سے بچنے کی قوت تیری توفیق کے بغیر نہیں ہے۔"

اسی سفر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں پہاڑوں کے انچارج فرشتہ کو بھیجا کہ اگر آپ اشارہ فرمائیں تو وہ ان پہاڑوں کو آپس میں ملا دے، جن کے درمیان مکہ اور طائف واقع ہیں اور دونوں شہروں کو پیس کر رکھ دے؛ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں۔ بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے اشخاص پیدا فرما دے گا جو اسے واحد جان کر اس کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانیں گے۔"

اسی یاس انگیز فضا میں جب آپ مقام نخلہ میں فروکش ہوئے اور رات کی تاریکیوں میں جب حالتِ قیام میں نہایت درد و سوز سے قرآن حکیم کی تلاوت فرمانی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن سننے کے لیے جنوں کی ایک جماعت کو بھیج دیا اور لطف یہ کہ آپ کو جنوں کے قرآن سننے کا علم صرف اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ ----- اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [1]

اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کیے ....
یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

نخلہ میں چند دن تک قیام فرمانے کے بعد جب آپ نے مکہ کا ارادہ فرمایا، تو حضرت زید بن حارثہؓ عرض کرنے لگے "حضور! آپ پھر وہاں تشریف لے جا رہے ہیں حالانکہ قریش نے آپ سے اچھا سلوک نہ کیا تھا۔" آپؐ نے فرمایا زید! تم دیکھو گے ایک دن اللہ اپنے دین کی مدد فرمائے گا' اپنے نبی کو غلبہ نصیب کرے گا اور مشکلات کی یہ سب گھڑیاں ختم ہو جائیں گی۔" جب آپ مکہ پہنچے تو آپ نے بنی خزاعہ کے ایک آدمی کے ہاتھ مطعم بن عدی کی

---

[1] الاحقاف ۲۸-۳۲۔

طرف پیغام بھیجا کہ میں تمہاری حفاظت میں مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں"۔ مطعم نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے اور پھر انہوں نے اپنے بیٹوں اور قوم کے دیگر افراد کو بلا کر کہا کہ تم ہتھیار پہن کر بیت اللہ کے پاس چلو کیونکہ میں وہاں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ لوگو! محمدؐ میری حفاظت میں ہیں لہٰذا اب کوئی انہیں بُرا بھلا کہنے کی جرأت نہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے گئے، آپ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ مطعم اور اس کے لڑکے گھر میں داخل ہونے تک ہتھیار سجائے آپ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔

اسرا اور معراج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے لیے پہلے بیت اللہ سے بیت المقدس تک بذریعہ براق، جبریل علیہ السلام کی معیت میں لے جایا گیا۔ آپ نے بیت المقدس میں جملہ انبیاء کرام کی امامت کے فرائض انجام دیئے، براق کو مسجد کے دروازہ کے حلقہ کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا پھر آپ کو آسمانِ دنیا تک لے جایا گیا جس میں آپ نے حضرت آدمؑ سے ملاقات کی، سعادت مند لوگوں کی روحوں کو حضرت آدمؑ کے دائیں طرف اور نامراد لوگوں کی روحوں کو بائیں جانب دیکھا۔ اسی طرح دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ و یحییٰ تیسرے پر حضرت یوسفؑ، چوتھے پر حضرت ادریسؑ، پانچویں پر حضرت ہارونؑ چھٹے پر حضرت موسیٰؑ کو دیکھا۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس سے آپؐ جب گزرے تو وہ رونے لگے، رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ یہ نوجوان میرے بعد خلعتِ نبوت سے نوازا گیا ہے، لیکن میری امت کی نسبت اس کی امت کے زیادہ افراد جنت میں داخل ہوں گے، پھر جب آپ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا تو وہاں حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی، پھر آپ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا تو وہاں حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی، پھر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا اور پھر بیت المعمور کی زیارت کرائی گئی، وہاں آپؐ نے جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل و صورت یعنی چھ سو پروں میں دیکھا، اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى۔ اور انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى۔ ہے، پرلی حد کی بیری کے پاس۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف ہمکلامی سے بھی نوازا، اور فرضیت نماز کا حکم دیا۔ نماز کو آپ نے آنکھوں کے لیے باعثِ ٹھنڈک قرار دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح جب اپنی قوم کو معراج کی خبر سنائی تو انہوں نے نہایت شدت کے ساتھ تکذیب کی اور کہنے لگے کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ بیت المقدس کی کیا کیفیت تھی؟ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے متجلّی کر دیا حتیٰ کہ آپ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہے تھے؛ چنانچہ وہ جو سوال بھی پوچھتے آپ فوراً جواب دے دیتے اور آپ کے جواب اس قدر صحیح تھے کہ انہیں تردید کی ذرہ بھر جرأت نہ ہوئی؛ چنانچہ آپ نے آتے جاتے جس قریشی قافلے کو دیکھا تھا، اس کے متعلق بتایا کہ وہ مکہ میں کب تک پہنچ سکے گا۔ نیز اس اونٹ کے متعلق بھی بتایا جو قافلہ میں سب سے آگے ہوگا؛ چنانچہ اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا لیکن اس قسم کے عظیم واقعات کو سن کر بھی کافروں اور ظالموں نے ہلاکت و بربادی اور کفر کی راہ کو ترجیح دی۔

ہجرت

ہم قبل ازیں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال موسم حج میں عکاظ جا کر منازلِ حجاج میں لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیا کرتے تھے لیکن کوئی بھی آپ کی دعوت پر لبیک کہتا اور نہ مدد کرنے پر آمادہ ہوتا۔ اتفاق کی بات کہ اوس و خزرج کے قبائل نے اپنے حلیف مدینہ کے یہودیوں سے بارہا یہ سنا تھا کہ پیغمبر آخر الزماں کی بعثت کا وقت قریب آ رہا ہے؛ چنانچہ اس آنے والے پیغمبر کا اتباع کر کے جب ہم تمہارے خلاف لڑائی کریں گے تو ہم تمہیں یوں نیست و نابود کر دیں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو کیا۔ دیگر عربوں کی طرح انصار بھی حج کے لیے آیا کرتے تھے البتہ یہودی حج نہیں کیا کرتے تھے؛ چنانچہ انصار نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی اللہ دیتے ہوئے سنا اور آپ کے حالات کا بخوبی جائزہ لیا تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ بخدا! یہ تو وہی پیغمبر آخر الزماں ہیں جن کا یہودی تذکرہ کیا کرتے ہیں، آیئے ہم آپ کی دعوت کو تسلیم کر کے آپ کے حلقہ بگوش ہوتے ہیں یہودیوں سے سبقت لے جائیں۔ لطف کی بات یہ کہ انصار جنہوں نے آپ کی تشریف آوری کے متعلق یہود سے سنا تھا، مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن یہودی اپنے کفر پر برقرار رہے۔

اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ [1]	اور جب خدا کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے اور جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آپہنچی تو اس سے کافر ہو گئے۔ پس کافروں پر خدا کی لعنت"

بیعتِ عقبہ اولیٰ

حج کا موسم ہے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ نامی مقام میں یثرب سے آئے ہوئے لوگوں کے پاس تشریف لے گئے، خاندانِ خزرج کے چھ آدمیوں سے ملاقات کی جن میں سے اسعد بن زارہ اور جابر بن عبداللہ بن رئاب السلمی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، آپؐ نے جب ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرمائی تو ان سب سعید روحوں نے اس پر لبیک کہا، مدینہ واپس گئے تو وہاں بھی اسلام کی تبلیغ شروع کر دی، ہدایت کے ان چھ ستاروں کے طلوع سے مدینہ کا گھر گھر جگمگا اٹھا۔ اگلے سال حج کے موسم میں مدینہ سے بارہ آدمی آئے۔ جابر کے سوا پانچ تو پچھلے سال والے ہی تھے نئے آنے والوں میں سے عبادہ بن صامت اور ابوالہیثم بن التیہان خاص طور پر قابل ہیں، یہ کل بارہ حضرات تھے۔

جب یہ مشرف بہ اسلام ہو تے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا "ہماری قوم باہمی عداوت اور سر پھٹول میں مبتلا ہے، اگر آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمارے منتشر شیرازے کو جمع کر دے تو ہمارے نزدیک روئے زمین پر آپ سے زیادہ محسن کوئی نہ ہوگا۔

دراصل اوس و خزرج ایک ماں باپ کی اولاد تھے۔ جن کا تعلق یمن اور سبا سے تھا قضاعہ خاندان کی ایک عورت قیلہ بنت کاہل ان دونوں خاندانوں کی ماں ہے، اسی وجہ سے انہیں ابناء

---

[1] البقرۃ ۸۹

قیلہ بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

بہا لیل من اولاد قیلۃ لم یجد
علیہم خلیط فی مخالطۃ عتبہا

ان دونوں خاندانوں میں عداوت ایک قتل کے باعث پیدا ہوئی تھی؛ چنانچہ ایک سو بیس برس تک ان کے ہاں لڑائی کے شعلے بھڑکتے رہے جنہیں بالآخر اسلام نے ٹھنڈا کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کی عداوت کو الفت سے بدل دیا، جیسا کہ فرمایا۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ [1]	اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

یاد رہے کہ اگلے سال یہ جو بارہ آدمی آئے تھے، ان میں سے ابوالہیثم اور عویم بن ساعدہ خاندانِ اوس سے تعلق رکھتے تھے جب کہ باقی دس بنو خزرج میں سے تھے۔ جب یہ مدینہ واپس جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ہمراہ بھیج دیا تاکہ مدینہ کے لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیمات سکھائیں۔ حضرت مصعبؓ نے مدینہ میں اسعد بن زرارہ کے ہاں قیام فرمایا۔ حضرت مصعب اور حضرت اسعد بنی ظفر کے ایک باغ میں نشست لگاتے اور سب مسلمان وہاں جمع ہو جاتے تھے۔

سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ

خاندانِ اوس کے سردار سعد بن معاذؓ، اسید بن حضیرؓ سے کہنے لگے، ذرا ان دونوں کے پاس جاؤ، جو ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں، اسعد بن زرارہ چونکہ میرے خالہ زاد بھائی ہیں ان کا پاس نہ ہوتا تو میں خود چلا جاتا۔ اسید بھی اپنے خاندان کے سردار تھے۔ اور نہایت صاحبِ حشمت، انہوں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور چل پڑے۔ اسعد نے جب انہیں آتے

---

[1] آل عمران ۱۰۳

دیکھا تو مصعبؓ سے کہنے لگے "یہ اپنی قوم کا سردار ہے، جو تمہارے پاس آ رہا ہے، اللہ کی سچی باتیں انہیں بھی سنا دینا"۔ اُسید نے جاتے ہی پوچھا: تم دونوں ہمارے محلہ میں کیوں آئے ہو؟ تم ہمارے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو بیوقوف بنانے آئے ہو، اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔"

حضرت مصعب نے نہایت متانت سے جواب دیا۔

"کیا آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر میری بات سُنیں گے؟ اگر پسند آجائے تو قبول کر لینا، ناپسند خاطر ہو تو بے شک قبول نہ کرنا"۔

اُسید نے کہا۔

"یہ بات آپ نے انصاف کی کہی ہے"۔

اور یہ کہہ کر بیٹھ گئے اور حضرت مصعبؓ نے ان کو اسلام کی باتیں اور قرآن مجید کی آیتیں سنانی شروع کر دیں۔ قرآن مجید سن کر اسید پر عجب کیفیت طاری ہو گئی بے ساختہ پکار اٹھے۔ ما احسنه ما اجمله۔ یہ کلام کیا عمدہ اور کتنا مختصر مگر معنی خیز ہے

یہ بتائیے کہ آپ لوگ اپنے دین میں داخل ہونے کے لیے کیا کیا کرتے ہیں؟ حضرت مصعبؓ نے فرمایا بس یہی کہ آپ غسل کر کے پاک کپڑے زیب تن کریں اور کلمہ توحید کا اقرار کر کے دو رکعت نماز پڑھیں۔ سعد اٹھے، وضو و غسل کر کے پاک کپڑے پہنے، کلمہ شہادت کا اقرار کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر کہنے لگے میرے پیچھے ایک آدمی ہے اگر اس نے آپ کی بات کو تسلیم کر لیا تو پھر اس کی قوم کا کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ میں اسے بھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں، میری مراد سعد بن معاذ ہیں۔ حضرت اسیدؓ یہ کہہ کر اٹھے اور سعد اور ان کی قوم کی طرف آئے، جو مجلس میں بیٹھے ہوئے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ سعد نے دیکھا تو کہنے لگے "بخدا اب ان کا چہرہ وہ نہیں ہے جو جاتے وقت تھا، پھر پوچھا کہو بھائی! کیا کیا؟" حضرت اسیدؓ نے جواب دیا۔ "میں نے ان دونوں سے گفتگو کی ہے۔ خدا کی قسم! میں نے ان میں کوئی برائی نہیں پائی۔ ہاں مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بنو حارثہ اسعد بن زرارہؓ کے قتل کے لیے نکلے ہیں تاکہ وہ تمہاری تحقیر کریں کیونکہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے۔ سعد غضب ناک ہو کر جوش سے اٹھا اور

کہا تم نے کوئی کام نہ کیا۔ آتے ہی حضرت اسعد بن زرارہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ خدا کی قسم! اگر میرے اور تمہارے درمیان رشتہ، قرابت نہ ہوتا، تو تم ہمارے پاس آکر اس بات کا قصد نہ کر سکتے کیا تم ہمارے پاس ناپسندیدہ چیز لے کر آئے ہو؟ حضرت اسعدؓ نے حضرت مصعبؓ سے چپکے سے کہا: بخدا! تمہارے پاس یہ ایک سردار آیا ہے، ایک قوم جس کے تابع فرمان ہے، اگر یہ مسلمان ہو گیا تو اس کی قوم کا کوئی فرد بھی غیر مسلم نہیں رہے گا۔ حضرت مصعبؓ نے ان سے بھی کہا۔

"کیا آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر میری بات نہ سنیں گے؟ اگر پسند آجائے تو قبول کر لینا ناپسندِ خاطر ہو تو بے شک قبول نہ کرنا۔"

سعد نے بھی کہا۔

"یہ بات آپ نے انصاف کی کہی ہے۔"

یہ کہہ کر نیزے کو زمین پر گاڑا اور بیٹھ گئے۔ اس کے بعد بعینہ تمام ماجرا اسی طرح ہوا جس طرح اس سے قبل اُسید کا ہوا تھا۔ حضرت سعدؓ مشرف بہ اسلام ہو کر آتے ہی اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

یا بنی عبد الاشہل کیف امری فیکم	اے بنی عبد الاشہل! تم لوگ میرے امر کو اپنے درمیان کیسا سمجھتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا۔

سیدنا وابن سیدنا وأفضلنا رأیا وأیمننا نقیبۃ۔	آپ ہمارے سردار ہیں، ہمارے سردار کے صاحبزادے، رائے میں سب سے افضل اور ظفر یابی کے اعتبار سے صاحب برکت ہیں۔

حضرت سعد نے فرمایا، "پھر تمہارے مردوں اور عورتوں کا مجھ سے کلام کرنا حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لے آتے"۔ راوی کا بیان ہے کہ شام تک بنی عبد الاشہل کے محلہ میں کوئی مرد یا عورت ایسی نہ رہی تھی جو مسلمان نہ ہوگئی ہو۔ ہاں صرف ایک شخص اصیرم بعد میں مسلمان ہوا تھا۔ یہ وہی صحابی ہیں جو جنگ احد کے دن مسلمان ہوتے

تھے، مسلمان ہوتے ہی جہاد میں شریک ہو گئے، میدانِ کارزار میں شجاعت و بسالت کے خوب خوب جوہر دکھائے حتیٰ کہ خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے، عجیب بات یہ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں ایک سجدہ کرنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی، انہی کی شہادت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "عمل اگرچہ قلیل کیا لیکن اجر کثیر سے نوازے گئے"۔

پھر حضرت مصعبؓ حضرت اسعدؓ کے مکان پر مقیم ہو کر لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے رہے حتیٰ کہ انصار کے محلوں اور گھروں میں سے کوئی ایسا نہ رہا جس میں متعدد مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں اِلّا بنو امیہ بن زید، حطمہ، وائل اور واقف کے لوگ۔ یہ قیس بن اسلت شاعر کے پیروکار تھے۔ یہ اسلام میں دلچسپی لینے کے بجائے اس کی شعر و شاعری سننے میں مصروف رہے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد غزوہ خندق کے موقعہ پر یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے

اگلے سال حج کا موسم آیا تو انصاری مسلمان باہمی مشورہ کرنے لگے، آخر ہم کب تک رسول اللہ کو مکہ کی وادیوں میں خوف و خطرہ کی زندگی بسر کرتے ہوئے گوارا کریں؟ کیوں نہ ہو کہ ہم آپ کو یہاں لے آئیں، اسی قسم کے ارمانوں کو لے کر حج کے لیے سوئے مکہ روانہ ہوئے۔

بیعت عقبہ ثانیہ

مکہ پہنچ کر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ حج سے فراغت کے بعد ہم اسی مقام عقبہ میں پہنچ جائیں گے آپ بھی تشریف لے آئیں۔ بیعت کے لیے اوسط ایام تشریق یعنی بارہ ذی الحجہ کی رات مقرر کی گئی جب آپ حسبِ وعدہ تشریف لے جانے لگے تو آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا "مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون لوگ ہیں، جو آپ کے پاس آئے ہیں؟ لہٰذا میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں کیونکہ میں اہل یثرب سے بخوبی واقف ہوں"۔ یثرب کے یہ لوگ اپنا معاملہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا وعدہ اپنی قوم کے مشرکوں سے چھپاتے تھے، ان کے ایک سردار ابو جابر عبداللہ بن حرام جو ابھی تک مشرک تھے، انہی کے ساتھ مقیم تھے، پہلے تو اس سے بھی تمام امور کو چھپایا جاتا تھا، لیکن وعدہ کی رات وہ اس سے کہنے لگے، "آپ ہمارے سردار اور بزرگ ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کل دوزخ کا ایندھن بنیں۔ اس نے کہا کہ بات کیا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اسے اسلام کی دعوت دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا ذکر کیا، وہ یہ سب کچھ سنتے

ہی اسلام لے آئے، بیعتِ عقبہ کے لیے بھی حاضر ہوئے اور بارہ نقیبوں میں شمار ہوئے۔

جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا تو یہ لوگ حسبِ وعدہ ایک ایک دو دو کر کے نکلے اور اس گھاٹی کے پاس پہنچ گئے، جو ملاقات کی جگہ مقرر کی گئی تھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا حضرت عباس کے ساتھ جلوہ افروز ہو گئے۔ حضرت عباسؓ نے جب ان کے چہروں پر نظر ڈالی تو فرمایا کہ یہ نوخیز چہرے ہیں، ہم تو انہیں جانتے نہیں اور ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"اے گروہِ خزرج! تم بخوبی جانتے ہو کہ ہم ہر طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے ہیں اور آپ اپنی قوم اور شہر میں نہایت معزز ہیں لیکن آپؐ کی خواہش ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ مل کر رہیں پس اگر تم دیکھتے ہو کہ جس امر کی آپؐ کو دعوت دے رہے ہو یعنی رہائش یثرب کی تو اگر تم اس کو پورا کر سکو اور آپ کے مخالفوں کے مقابلہ میں آپ کی حفاظت کر سکو تو تم کو یہ عہد مبارک ہو اور اگر تمہارا خیال ہے کہ تمہارے پاس چلے جانے کے بعد تم آپؐ کی حفاظت نہ کر سکو گے بلکہ دشمنوں کے سپرد کر دینے پر مجبور ہو جاؤ گے تو ابھی سے آپؐ کو چھوڑ دو کیونکہ آپؐ اپنی قوم میں اور اپنے شہر میں نہایت باعزت ہیں"۔

انصار نے حضرت عباس کے جواب میں کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہم نے سن لیا۔ اب یا رسول اللہ! آپ ارشاد فرمائیں اور اپنی ذاتِ اقدس اور اپنے رب کے لیے جو چاہیں عہد و پیمان لے لیں، آپؐ نے فرمایا۔

"میں اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ میری حفاظت اس چیز سے کرو گے، جس سے اپنی عورتوں اور اپنے بیٹوں کی حفاظت کرتے ہو اور اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے گا"۔

سب سے پہلے حضرت براء بن معرور اٹھے اور کہنے لگے۔

"حضور! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم آپ کی حفاظت کریں گے، ہر اس چیز سے جس سے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے

ہیں، آپ ہماری بیعت قبول فرمائیں، ہم اہل حرب ہیں اور ہم نے جنگی مہارت اپنے بزرگوں سے ورثہ میں پائی ہے"۔

حضرت براءؓ ابھی بات کر رہے تھے کہ حضرت ابوالہیثم بن تیہانؓ نے بات کاٹ کر کہا۔

"یارسول اللہ! ہمارے کچھ دوسرے لوگوں سے عہد و پیمان ہیں، جو اب ہمیں توڑنے پڑیں گے۔ کیا ایسا تو نہ ہوگا کہ ہم یہ سب کچھ کر گزریں اور جب خدا تعالیٰ آپ کو غلبہ عنایت فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں آ جائیں"۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا مسکرا کر جواب میں فرمایا۔

"خدا کی قسم! ایسا ہرگز ہرگز نہ ہوگا۔ میرا خون تمہارا خون ہے۔ میری خرابی تمہاری خرابی ہوگی میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو، جس سے تمہاری لڑائی ہوگی، اس سے میری بھی لڑائی ہوگی اور جس سے تمہاری صلح ہوگی، اس سے میری بھی صلح ہوگی"۔

عاشقان صداقت عجب سرور و نشاط کے ساتھ جانثاری کی بیعت اسلام کرنے لگے ان میں سب سے چھوٹے اسعد بن زرارہ جب بیعت کے لیے آئے تو آپؐ کے ہاتھ کو تھام کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے کہ اے اہل یثرب! ہم اونٹوں پر سوار ہو کر یہاں آنے سے قبل بھی جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپؐ کو یہاں سے نکلنے کی جو دعوت دے رہے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ ہم تمام عرب کو چھوڑ رہے ہیں، اپنے آپ کو تلواروں کے سامنے اور اپنے بہترین جوانوں کو قتل ہونے کے لیے پیش کر رہے ہیں، اگر تم اس پر صبر کر سکو تو انہیں اپنے ساتھ لے چلو، اللہ تعالیٰ تمہیں اجر و ثواب سے نوازے گا۔ اور اگر تمہیں اپنی جانوں کا خطرہ ہے تو پھر بے شک انہیں اپنے ساتھ نہ لے جاؤ کیونکہ اللہ کے ہاں تمہارا عذر بھی قبول ہو گا"۔ دیگر انصار نے اسعد کی اس بات پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اپنے ہاتھ کو اٹھا لو، بخدا! تمہارا بیعت کا ارادہ معلوم نہیں ہوتا۔ الغرض سب نے ایک ایک کر کے ہادی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی، آپؐ بیعت لیتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ جنت کی بشارت بھی سناتے جاتے تھے، جب بھیڑ زیادہ ہونے لگی تو حضرت عباسؓ فرماتے "اطمینان رکھو دشمن کی نظریں ہم پر ہیں"۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے

لوگوں میں سے بارہ نقیب منتخب کرو، جو اپنی قوم کے نگران رہیں اور یہ بھی فرمایا کہ جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ نے اپنے لیے بارہ شخصوں کو چن لیا تھا، اسی طرح میں تمہیں انتخاب کرتا ہوں تاکہ تم اہل یثرب میں جاکر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرو۔ ایک روایت میں حضرت عیسیٰؑ کے بجائے حضرت موسیٰؑ کا نام آتا ہے۔ بنو نجار سے اسعد بن زرارہؓ نقیب منتخب ہوئے، بنو سلمہ میں سے براء بن معرور اور عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ، بنو ساعدہ سے سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمرو، بنو زریق سے رافع بن مالک بن عجلانؓ، بنو حارث بن خزرج سے عبداللہ بن رواحہؓ اور سعد بن ربیعؓ، قوافل سے عبادہ بن صامتؓ، اوس سے اسید بن حضیرؓ اور ابوالہیثم بن تیہانؓ اور بنو عوف سے سعد بن خیثمہؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔

اس موقعہ پر جن سعادت مند روحوں کو دست نبوت پر بیعت کرنے کا شرف نصیب ہوا، ان کی تعداد ۷۲ مرد اور ۲ عورتوں پر مشتمل تھی۔ جب یہ لوگ بیعت سے فارغ ہو چکے تو ایک شیطان نے جو یہ سب نظارہ دیکھ رہا تھا، چیخ کر کہا "اے اہل مکہ! آؤ دیکھو محمد اور اس کے فرقے کے لوگ تمہارے خلاف لڑائی کے مشورے کر رہے ہیں"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس آواز کی پرواہ نہ کرو، پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا اے دشمن خدا! میں فارغ ہو کر تم سے نپٹ لوں گا۔ پھر انصار سے ارشاد فرمایا بس اب تم اپنی اپنی فرودگاہوں پر چلے جاؤ۔

عباس بن عبادہ بن نضلہ نے کہا کہ اگر آپ اجازت عنایت فرمائیں تو ہم کل ہی مکہ والوں کو اپنی تلوار آبدار کے جوہر دکھا دیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں مجھے جنگ کی اجازت نہیں، بس اب تم اپنی فرودگاہوں میں جاکر آرام کرو"۔

جب صبح ہوئی تو قریش کی ایک جماعت انصار کے ڈیروں پر آئی اور کہنے لگی کہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ تم ہمارے صاحب (محمدؐ) کو ہمارے درمیان سے لے جانے والے ہو اور تم نے آپؐ سے ہمارے خلاف جنگ کے لیے بیعت بھی کرلی ہے، خدا کی قسم! ہمارے نزدیک عربوں میں سے کوئی بھی قبیلہ تم سے زیادہ بُرا نہیں ہوگا، جس کے ساتھ ہم برسرپیکار ہوں گے یثرب کے مشرک لوگ قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہمیں اس کا کوئی علم ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کی طرف کن اکھیوں سے دیکھتے تھے کہ یہ کیا ہوا؟

قریشیوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول سے بھی پوچھا اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا یہ باطل ہے، یہ ہو نہیں سکتا۔ میری قوم میرے مشورے کے بغیر اتنا اہم کام کر نہیں سکتی، یثرب میں بھی میرے مشورہ کے بغیر انہوں نے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔

لوگ منیٰ سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے، لیکن قریشیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوئی ہے لہٰذا وہ یثرب کے لوگوں کی تلاش میں نکلے اور تو سب لوگ جا چکے تھے البتہ انہوں نے سعد بن عبادہؓ اور منذرؓ بن عمرو کو جا لیا۔ ان میں سے بھی حضرت منذرؓ تو بھاگ نکلے اور حضرت سعدؓ ان کے ہاتھ آ گئے۔ انہوں نے حضرت سعدؓ سے پوچھا کیا آپ بھی دین محمد پر ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو کافروں نے ان کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور مارتے پیٹتے اور بالوں سے گھسیٹتے ہوئے مکہ شریف میں لے آئے حتیٰ کہ مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے ان ظالموں کے ہاتھ سے چھڑایا۔ ادھر انصار بھی آپ کی رہائی کے لیے مشورے کر رہے تھے کہ آپ ان کے پاس پہنچ گئے اور پھر سب مدینہ آ گئے۔ آپ کو ضرار بن خطاب فہری نے گرفتار کیا تھا، ضرار ہی نے آپ کے بارے میں یہ شعر کہے تھے ؎

تدارکت سعدًا عنوۃ فأسرتہ
وکان شفائی لو تدارکت منذرًا

میں نے سعد کو زبردستی گرفتار کر لیا، اگر میں منذر کو بھی پا لیتا تو مجھے شفا نصیب ہوتی۔

ولو نلتہ طلت ھناک جراحۃ
احق دماء أن تھان وتھدرا

اگر میں اسے پا لیتا تو شدید زخمی کر دیتا اور یہ خون رسوائی اور رائیگاں جانے کا ہی مستحق ہے۔

اس کے جواب میں حضرت حسان بن ثابتؓ نے یہ اشعار کہے ؎

فخرجت یسعد الخیرحین أسرتہ   وقلت شفائی لو تدارکت منذرا

تم گرفتار کر کے بہترین انسان سعد کو لے گئے اور تم نے کہا اگر میں منذر کو بھی پا لیتا تو

مجھے شفا نصیب ہوتی۔

وإن امرءً يهدي القصائد نحونا ... لمستبضع تمرا إلى أهل خيبرا

جو شخص ہماری طرف قصائد بھیجتا ہے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اہل خیبر کے پاس کھجوروں کا سرمایہ بھیجے۔

فلا تك كالشاة التي كان حتفها ... بحفر ذراعيها فلم ترض محفرا

اے ضرار! تو اس بکری کی طرح نہ بن، جس کی موت اس کے کھروں کے کھودے ہوئے گڑھے میں گرنے سے واقع ہوئی اور پھر اس نے کھدائی کے اس آلے کو پسند نہ کیا۔

ولا تك كالوسنان يحلم انه ... بقرية كسرى أو بقرية قيصرا

اور نیند سے بیدار ہونے والے اس انسان کی طرح کبھی نہ بنو، جس نے خواب دیکھا ہو کہ وہ کسریٰ یا قیصر کے شہر میں ہے۔

ولا تك كالثكلى وكانت بمعزل ... عن الثكل لو أن الفؤاد تفكرا

بچے کو گم پانے والی عورت کی طرح بھی نہ بنو، جسے بچے سے دور بھی کر دیا گیا ہو، اے کاش! تمہارا دل ذرا غور و فکر سے کام لے۔

ولا تك كالعاوي واقبل نحره ... ولم يخشه سهم من النبل مضمرا

اس بھونکنے والے کتے کی طرح بھی نہ بنو جس نے اپنے سینے کو آگے کر دیا ہو اور پھر کوئی پوشیدہ تیر بھی ایسا نہ ہو جو اس کے سینے میں پیوست نہ ہوا ہو۔

أتفخر بالكتان لما لبسته ... وقد يلبس الأنباط ريطا مقصرا

کیا تم کتان کے کپڑے پہن کر فخر کرتے ہو حالانکہ عجمی لوگ چھوٹی چھوٹی چادریں پہنتے ہیں۔

فلولا أبو وهب لمرت قصائد ... على شرف البيداء يهوين حسرا

اگر ابو وہب نہ ہوتا تو میدانوں اور بیابانوں سے اس قدر قصائد کا گزر ہوتا جو تنگ [illegible] گزرتے ہوئے

ایک رات اس نے جبل ابو قبیس پر چڑھ کر یہ شعر پڑھا، جسے قریش نے بھی سنا۔

فإن يسلم السعدان يصبح محمد ... بمكة لا يخشى خلاف المخالف

اگر دونوں سعد مسلمان ہو جائیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مکہ میں کسی مخالف کی مخالفت سے نہیں

ڈریں گے۔

لوگوں نے پوچھا دونوں سعد سے کون مراد ہیں؟ ابوسفیان نے پوچھا کیا اس سے سعد بن بکر اور سعد بن ہزیم مراد ہیں؟ لیکن انہوں نے جب دوسری رات یہ اشعار سنے ؎

فیا سعد سعد الاوس کن أنت ناصرا　　ویا سعد سعد الخزرجین الغطارف

اے خاندانِ اوس کے سعد اور خزرجیوں کے جوانِ رعنا سعد تم مددگار بن جاؤ۔

أجیبا الی داعی الهدی وتمنیا　　علی الله فی الفردوس منه عارف

داعیٔ ہدایت کی دعوت پر لبیک کہو اور اللہ سے فردوس میں ہوئے عطر بیز کی تمنا رکھو۔

فان ثواب الله لطالب الهدی　　جنان من الفردوس ذات رفارف

طالب ہدایت کے لیے اللہ نے جو ثواب رکھا ہے، وہ فردوس کے باغات کی شکل میں ہے جس میں چہچہانے والے خوش نما پرندے بھی ہوں گے۔

ابوسفیان نے یہ شعر سن کر کہا بخدا! ان کی مراد تو سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ سے ہے

ہجرت مدینہ

ان حالات میں جب کہ قریشیوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات نہایت تنگ کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ اجازت کے بعد ایک ایک دو دو مسلمانوں نے سوئے مدینہ رخت سفر باندھنا شروع کر دیا۔ ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کی زوجہ ام سلمہ نے سب سے پہلے سبقت کا مظاہرہ فرمایا۔ لیکن ام سلمہؓ کو روک دیا گیا؛ چنانچہ انہوں نے ایک سال بعد اپنے بچے کے ہمراہ ہجرت کی۔ آہستہ آہستہ تمام مسلمان ہجرت کر گئے اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رہ گئے، یہ دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حکم سے ٹھہرے ہوئے تھے یا پھر ابھی تک چند وہ مسلمان ہجرت نہ کر سکے تھے، جنہیں کافروں نے روک رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کی پوری تیاری فرما رکھی تھی۔ لیکن آپ اللہ کے حکم کے منتظر تھے، اسی طرح صدیق اکبرؓ بھی پوری تیاری کر چکے تھے اور اپنے محبوب پیغمبر کی معیت کا شرف حاصل کرنے کے منتظر۔

دارالندوہ میں سازشیں

مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ اکثر و بیشتر صحابہ کرامؓ اپنے

اہل و عیال سمیت مدینہ شریف چلے گئے ہیں تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ چلے گئے تو مسلمانوں کی تنظیم قوت اختیار کر کے ہمارے لیے باعث خطرہ ثابت ہو سکتی ہے، چنانچہ صورت حال پر غور کرنے کے لیے انہوں نے دارالندوہ میں اجلاس طلب کیا، جس میں ابلیس نے بھی ایک نجدی شیخ کے روپ میں شرکت کی۔

اجلاس میں ہر ایک نے اپنی اپنی تجویز پیش کی لیکن ابلیس نے ہر تجویز کو ناپسند کرتے ہوئے مسترد کر دیا۔ آخر میں ابوجہل نے اپنی تجویز پیش کی کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک دلیر بہادر اور جوشیلا جوان منتخب کیا جائے اور ہر ایک کو تیز تلوار دی جائے اور وہ سب اکٹھے بیک وقت حملہ کر کے آپ کو جام شہادت پلا دیں، اس طرح بنی عبد مناف سب قبائل سے جنگ تو نہ کر سکیں گے باقی رہا دیت کا معاملہ تو وہ ہم سب مل کر ادا کر دیں گے۔

یہ سن کر نجدی شیخ (ابلیس) نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور کہا "بخدا! یہ نہایت بہتر رائے ہے، اللہ اس جوان کا بھلا کرے"۔

کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل (خاکم بدہن) کی اس ناپاک سازش پر اتفاق کر کے متفرق ہو گئے، تو ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جبریلؑ نے حاضر ہو کر ساری صورت حال سے مطلع کیا اور کہا کہ آج رات آپ اس بستر پر نہ سوئیں، جس پر آپ سویا کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے ہوئے خلاف معمول دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ایک نہایت ضروری بات کرنا ہے، اگر یہاں کوئی ہے تو اسے باہر بھیج دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "حضور! آپ کے اہل کے سوا یہاں اور کوئی نہیں"۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دی ہے"۔ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا "مجھے بھی شرف صحبت نصیب ہو گا"؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا "میرے ماں باپ نثار! میری ان دو سواریوں میں سے کیا ایک کو سفر کے لیے قبول نہ فرمائیں گے"؟ آپ نے فرمایا "ضرور لیکن قیمت کے ساتھ"۔ پھر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ آج رات تم نے میرے بستر پر سونا ہو گا۔

جب رات اپنی تمام تر تاریکیوں کے ساتھ سایہ فگن ہو گئی تو وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے گھر کے محاصرہ کے لیے آ جمع ہوئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپؐ سو جائیں۔ نیز مشورہ بھی کرنے لگے کہ کس بدبخت کو سبقت کرنی چاہیے۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے نکلتے وقت ایک مٹھی مٹی کی لی اور ان مشرکوں کے سر پر بکھیرتے اور آیت مبارکہ

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ [1]

اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے بھی پھر ان پر پردہ ڈال دیا تو یہ دیکھ نہیں سکتے۔

کی تلاوت فرماتے ہوئے نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور ان میں سے کوئی بھی آپ کو دیکھ نہ سکا۔ درج ذیل آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ [2]

اور (اے محمدؐ اس وقت کو یاد کرو) جب کافر لوگ تمہارے بارے میں چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں گے یا جان سے مار ڈالیں یا (وطن سے) نکال دیں تو (ادھر تو) وہ چال چل رہے تھے اور (ادھر) خدا چال چل رہا تھا اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ نبوت سے نکل کر سیدھے بیت صدیق کی طرف تشریف لے گئے، انہیں اپنے ساتھ لیا اور پھر دونوں سوئے منزل روانہ ہوئے۔

ایک آدمی نے ان لوگوں کو کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کیوں جمع ہو؟ انہوں نے کہا "محمدؐ کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں"۔ وہ کہنے لگا تم تو ناکام و نامراد ہو، وہ تو بخدا تمہارے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے تمہارے پاس سے گزر بھی گئے ہیں اور تمہیں معلوم ہی نہ ہو سکا۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم! ہم نے تو آپ کو دیکھا ہی نہیں اور لگے سروں سے مٹی جھاڑنے، صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ کے بستر سے حضرت علیؓ اٹھے ہیں۔ انہوں

---

[1] یٰسین ۹ [2] الانفال ۳۰

نے آپ سے حضور کے متعلق پوچھا تو آپ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار رفیق سفر صدیق اکبرؓ نے سفر کرتے کرتے پہلا قیام غار ثور میں فرمایا، جوں ہی یہ قافلہ اس غار میں فروکش ہوا، اللہ تعالیٰ نے ایک عنکبوت کو بھیجا، جس نے غار کے دہانے پر جالا تن دیا۔ دونوں نے روانگی سے قبل عبداللہ بن اریقط لیثی سے طے کر لیا تھا کہ وہ اجرت لے کر دونوں اونٹنیوں کو تین دن بعد غار ثور کے منہ پر پہنچا دے گا۔ عبداللہ راستہ بخوبی جانتا تھا اگرچہ ان دنوں اپنی قوم کے مذہب پر تھا لیکن قابل اعتماد شخص تھا۔

قریش جب نبی و صدیق کی تلاش میں نکلے تو انہوں نے اپنے ساتھ قیافہ شناسوں کو بھی لے لیا تاکہ قدموں کے نشانات کو پہچان سکیں۔ چلتے چلتے جب وہ غار کے منہ پر پہنچ گئے تو صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کے نیچے نظر کرے تو ہمیں دیکھ لے گا، آپ نے تسلی دی اور فرمایا "ابوبکرؓ! تمہارا ان دو شخصوں کے بارے میں کیا گمان ہے، جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے"۔ دونوں کفار کی باتیں بھی سن رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے کفار سے معاملہ کو مخفی رکھا۔

عامر بن فہیرہ دن بھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بکریاں چراتا رہتا۔ نیز کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں جو باتیں کرتے وہ بھی سنتا اور رات کو غار میں آکر اطلاع دے جاتا اور صبح پھر لوگوں میں جاکر گھل مل جاتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ہجرت کے وقت ہم نے جلدی سے ضروری سامان تیار کر دیا تھا، زادِ راہ ایک توشہ دان میں ڈال دیا تھا، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے توشہ دان کا منہ باندھنے کے لیے اپنی کمر کی پٹی کھول کر اس کو دو حصوں میں چیرا، ایک سے توشہ دان کا منہ باندھ دیا اور دوسرا اپنی کمر میں لپیٹ لیا، اسی وجہ سے آپ کو ذات النطاقین کے مبارک لقب سے سرفراز کیا گیا۔

سراقہ بن مالک

مشرکین مکہ جب تلاش میں پوری طرح ناکام ہو کر مایوس ہو گئے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص دونوں یا کسی ایک کو لے آئے

تو اسے پورا سو اونٹ انعام میں دیا جائے گا۔ انعام کے لالچ میں لوگوں نے اپنی کوششیں اور بھی تیز کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر میں سب سے غالب ہے، اس سے مقابلہ کی کون تاب لا سکتا ہے؟

جب یہ مقدس قافلہ خاندانِ مدلج کے پاس سے گزرتے ہوئے مقام قدید میں پہنچا تو ایک آدمی نے اسے دیکھ لیا تھا اس نے قبیلہ مدلج کے لوگوں سے کہا کہ میں نے ابھی ابھی ساحلِ سمندر کی طرف جاتے ہوئے کچھ آدمی دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمدؐ اور ان کے رفقاء ہوں گے۔ سراقہ بن مالک نے سنا تو فوراً ارادہ کر لیا کہ قریشیوں کے مقرر کردہ انعام حاصل کرنے کی کامیابی اسے حاصل ہونی چاہیئے اور دل میں بڑا خوش ہوا کہ یہ اتنی بڑی کامیابی ہوگی کہ مجھے اس سے پہلے زندگی بھر کبھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ لوگوں کی توجہ اس طرف سے ہٹانے کے لیے اس نے بات بنائی کہ نہیں وہ محمدؐ اور ان کے ساتھی نہیں بلکہ وہ تو فلاں فلاں دو شخص ہیں، جو اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر ادھر جا رہے ہیں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد اپنے گھر آیا اور لڑکی سے کہنے لگا میرے گھوڑے کو مکان کے پچھواڑے سے نکال کر ٹیلے کے پیچھے پہنچا دو میں وہاں آ کر تم سے لے لیتا ہوں، اس نے خود ہاتھ میں نیزہ لیا اور اسے زمین پر گھسیٹتے ہوئے لے جا کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا، گھوڑے پر سوار ہوتے ہی اس نے ہوا سے باتیں شروع کر دیں حتیٰ کہ اس قدر قریب پہنچ گیا کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی آواز سنائی دے رہی تھی، صدیق اکبرؓ نے سراقہ کو دیکھا تو نہایت پریشان ہوئے اور بار بار پیچھے پلٹ کر دیکھتے تھے لیکن حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مولا سے مکمل لو لگا رکھی تھی اور قطعاً پیچھے کی طرف التفات نہ فرما رہے تھے حتیٰ کہ صدیق اکبرؓ نے سراقہ کے قریب تر پہنچنے کی اطلاع دی تو آپ نے دعا فرمائی، دعا کے الفاظ ابھی زبان اقدس سے پوری طرح ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ سراقہ کے گھوڑے کے قوائم زمین میں دھنس گئے۔ کہنے لگا مجھے معلوم ہے کہ یہ سب کچھ تمہاری دعاؤں کی وجہ سے ہوا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مشکل سے نجات دے دے اور اس کے عوض میں میں لوگوں کو پیچھے ہٹا تا جاؤں گا حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو اس کے گھوڑے کے قوائم زمین سے باہر نکل آئے اس نے عاجزانہ درخواست کی کہ مجھے جان کی امان لکھ دی جائے، حضرت ابوبکرؓ نے حضور کے حکم سے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر خطِ امان لکھ کر دے دیا؛ چنانچہ یہ خط فتح مکہ کے دن تک اس کے پاس رہا۔ جب مسلمان ہونے کے لیے آئے تو خط ان کے پاس تھا، حضور نے بھی اس خط کا پاس کیا اور سراقہ سے وفا کی۔

خطِ امان حاصل کرنے کے بعد سراقہ جب واپس جا رہا تھا تو وہ تلاش میں آنے والوں کو پیچھے ہی روکتا رہا اور کہتا کہ میں بڑی دور تک چھان بین کر آیا ہوں ادھر کوئی نہیں لہذا آؤ واپس چلیں۔

قصہ ام معبد

دوران سفر اس مبارک قافلے کا گزر خیمہ ام معبد پر ہوا۔ یہ عورت خاندانِ خزاعہ سے تعلق رکھتی تھی، مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لیے مشہور تھی۔ یہاں پہنچ کر بڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے، جسے وہ خرید سکیں؟ وہ بولی واللہ! اگر میرے پاس کوئی چیز ہوتی تو مہمان نوازی میں بخل سے کام نہ لیتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ کے ایک کونہ میں بکری دیکھی تو فرمایا یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟ ام معبد نے کہا "کمزور ہے، ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی"۔ آپؐ نے استفسار فرمایا "کیا یہ دودھ دیتی ہے"؟ وہ بولی کہ "یہ تو نہایت کمزور ہے" آپؐ نے فرمایا "اگر اجازت ہو تو ہم اسے دوھ لیں"؟ ام معبد نے جواب دیا "میرے ماں باپ آپ پر نثار، اگر آپ کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دوھ لیجئے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا، بسم اللہ پڑھی، اللہ سے دعا مانگی، برتن مانگا، برتن دودھ سے لبالب بھر گیا حتیٰ کہ اچھل کر زمین پر بھی گر گیا۔ یہ دودھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے ہمراہیوں اور ام معبد سب نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اسی برتن میں آپؐ نے بکری کو دوبارہ دوہا وہ پھر بھر گیا، اسے ام معبد کے پاس چھوڑ دیا اور آگے کو روانہ ہو گئے۔

کچھ دیر کے بعد ام معبد کا شوہر آیا جو کہ کمزور بکریوں کو لے کر جلدی گھر آ گیا تھا، اس

نے خیمہ میں دودھ کا بھرا برتن دیکھا تو نہایت حیران ہوا، پوچھنے لگا "یہ دودھ کہاں سے آیا؟ بکری تو دودھ دیتی نہیں، گھر میں دودھ دینے والا کوئی اور جانور بھی نہیں؟ ام معبد نے کہا ایک بابرکت شخص یہاں آیا تھا اور یہ دودھ اسی کے قدوم میمنت لزوم کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا کہ یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے، جس کی مجھے تلاش تھی، ام معبد! ذرا اس کی توصیف تو کرو؟ ام معبد گویا ہوئی۔

"پاکیزہ رُو، روشن چہرہ، پسندیدہ خُو، نہ موٹاپے کا عیب نہ دبلاپے کا نقص، خوش رو حسین، آنکھیں کشادہ اور سیاہ، پلکیں لمبی، آواز میں کھنک گردن صراحی دار، ڈاڑھی گھنی، باریک و پیوستہ ابرو، حسن کا پیکر اور جمال میں یگانہ روزگار دور سے دیکھو تو حسین ترین، قریب سے دیکھو تو شیریں ترین بھی اور جمیل ترین بھی گفتگو میں حلاوت، فضول گفتگو کرے اور نہ بوقت ضرورت خاموش رہے، گفتگو جیسے سلک مروارید، ایسا میانہ قد جس میں نہ قابل نفرت درازی اور نہ حقارت آمیز کوتاہی، اگر دو شاخوں کے درمیان ایک اور شاخ ہو تو وہ دیکھنے میں ان تینوں شاخوں سے زیادہ تر و تازہ دکھائی دے اور قدر و قیمت میں ان سب سے زیادہ بہتر نظر آئے، والا قدر، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد ہالہ کیے رہتے تھے، جب وہ بولتا تو سب نہایت خاموشی سے ہمہ تن گوش بر آواز ہوتے، جب کوئی حکم دیتا تو تعمیل ارشاد کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کا مظاہرہ کرتے، سب کا مخدوم، سب کا مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو۔"

ام معبد سے یہ تمام اوصاف حمیدہ سن کر ابو معبد بولے خدا کی قسم یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتے ہیں، جن کا ذکر خیر میں سن چکا ہوں، میری تمنا ہے کہ ان کی صحبت میں چند ساعتیں میسر آئیں اور اگر اس کی کوئی سبیل نظر آئی تو میں ایسا ضرور کروں گا۔

ادھر مکہ میں ایک بلند آواز سنائی دی، قائل نظر نہ آرہا تھا جو کہ یہ کہہ رہا تھا۔

جزى الله رب الناس خير جزائه
رفيقين حلا خيمتي أم معبد

اللہ، سب لوگوں کا رب، ان دو رفیقوں کو جزائے خیر دے جو خیمہ ام معبد میں فروکش ہوئے۔

هما نزلا بالبر وارتحلا به

فأفلح من أمسى رفيق محمد

خیمہ ام معبد میں ان کا آنا اور جانا مبارک تھا۔ جو محمدؐ کا رفیق ہو گیا وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو گیا۔

فيا لقصي ما زوى الله عنكموا

به من فخار لا يحاذى وسؤدد

اے بنو قصی! اللہ نے تم سے جس نعمت کو دور کر دیا ہے کوئی قابلِ فخر و سیادت چیز اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔

وقد غادرت رهنا لديها بحالب

يرددها في مصدر ثم مورد

دودھ دوہنے والے نے اس بکری کو ام معبد کے پاس رہن رکھ دیا تھا کیونکہ (اس کی درماندگی کے باعث) وہ آتے جاتے وقت اسے بہت ڈانٹتا تھا۔

سلوا أختكم عن شانها وانائها

فانكموا ان تسئلوا الشاة تشهد

اپنی بہن سے ذرا ان کی بکری اور برتن کا حال تو پوچھو اور اگر تم بکری ہی سے پوچھو تو وہ بھی شہادت دے گی۔

دعاها بشاة حائل فتحلبت

له بصريح ضرة الشاة مزبد

آپ نے جب اس بکری کو بلایا جو حاملہ ہی نہ ہوتی تھی، تو اس نے بھرے ہوئے تھنوں سے دودھ دے دیا، جو برتن کے بھر جانے کے باعث جھاگ بھی پیدا کر رہے تھے۔

لقد خاب قوم زال عنهم نبيهم

وقدس من يسري اليه ويغتدي

وہ قوم خائب و خاسر ہو گئی جس کا نبی اس سے دور ہو گیا اور مقدس ہو گئے وہ لوگ جو نبی کے پاس صبح و شام آتے جاتے ہیں۔

ترحل عن قوم فزالت عقولهم
وحل على قوم بنور مجدد

نبی ایسی قوم کے پاس سے چلا گیا جس کی عقل زائل ہو گئی تھی اور نئی روشنی لے کر ایک دوسری قوم کے پاس فروکش ہو گیا۔

هداهم به بعد الضلالة ربهم
وأرشدهم من يتبع الحق يرشد

اللہ نے اس گمراہ قوم کو نبی کی بدولت ہدایت و رشد سے نوازا اور جو حق کا اتباع کرے وہ رشد و بھلائی کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔

وقد نزلت منه على أهل يثرب
ركاب هدى حلت عليهم بأسعد

اللہ کی طرف سے اہلِ یثرب پر سعادت مندیوں کے ساتھ ہدایت کی سواریاں نازل ہوئیں۔

نبي يرى ما لا يرى الناس حوله
ويتلو كتاب الله في كل مشهد

نبی اپنے گرد و پیش وہ کچھ دیکھتا ہے جسے دوسرے لوگ نہیں دیکھ سکتے اور وہ ہر جگہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے۔

وإن قال في يوم مقالة غائب
فتصديقها في ضحوة اليوم أو غد

اگر وہ نبی آج کوئی غیب کی خبر دیں تو کل چاشت یا دوپہر کے وقت اس کی تصدیق ہو جاتی ہے

ليهن أبا بكر سعادة جده
بصحبته من يسعد الله يسعد

ابوبکرؓ کو مبارک ہو وہ خوش بختی جو آپ کی صحبت کے باعث نصیب ہوئی، سعادت مند وہی

ہے جسے اللہ سعادت بخشے۔

لیھن بنی کعب مکان فتاتھم
ومقعدھا للمؤمنین بمرصد

بنو کعب کو اپنی نوجوان عورت کا یہ مقام اور گھاٹ پر مومنوں کے لیے بیٹھنا مبارک ہو۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ تین دن تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف تشریف لے گئے ہیں؟ اچانک ایک جن مکہ کے زیریں حصہ کی طرف آیا، جو کہ عربی اشعار پڑھ رہا تھا، لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے، اس کی آواز تو سنتے تھے مگر اسے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اشعار سنا کر وہ مکہ کے بالائی حصہ کی طرف سے چلا گیا اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت اسماءؓ ہی کا بیان ہے کہ میرے ابا حضرت ابوبکرؓ اس سفر میں ساری نقدی اپنے ساتھ لے گئے تھے، آپ کے جانے کے بعد ہمارے دادا ابوقحافہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ابوبکرؓ تو گیا ہی ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سارا مال بھی اپنے ساتھ ہی لے گیا ہے۔ میں نے کہا نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے بہت سی کنکریاں جمع کر کے گھر کے ایک طاقچے میں رکھ دیں، اوپر کپڑا ڈال دیا اور دادا جان سے کہا، جو بصارت سے محروم ہو گئے تھے کہ ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ کتنا مال چھوڑ گئے ہیں۔ انہوں نے ہاتھ رکھ کر دیکھا اور کہا کہ اگر وہ تمہارے لیے اس قدر مال چھوڑ گئے ہیں تو پھر کوئی پرواہ نہیں، حالانکہ بخدا! وہ کچھ نہیں چھوڑ گئے تھے، میرا مقصد صرف بوڑھے کو چپ کرانا تھا۔

مدینہ میں تشریف آوری

انصار کو جب معلوم ہوا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو خیرباد کہہ کر مدینہ تشریف لا رہے ہیں، تو وہ ہر روز گھروں سے باہر نکل کر سراپا انتظار بن جاتے۔ آفتاب کی تمازت جب شدت اختیار کر جاتی تو پھر گھروں کو واپس لوٹ آتے۔ انتظار کرتے کرتے کئی دن گزر گئے حتیٰ کہ نبوت کے تیرھویں برس کے ماہِ ربیع الاول کی بارہ تاریخ اور سوموار کے دن کا آفتاب طلوع ہوا۔ اہلِ مدینہ

آفتابِ نبوت کے استقبال کے لیے حسبِ معمول گھروں سے باہر نکلے اور جب اچھی طرح دوپہر ہو گئی تو پھر واپس لوٹے، ابھی واپس لوٹے ہی تھے کہ اتفاق سے ایک یہودی کسی چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھا تھا، اس نے دور، جہاں آسمان کا افق زمین سے ملے نظر آ رہا تھا، ایک قافلے کو آتے ہوئے دیکھا تو بلند آواز سے پکارتے ہوئے کہنے لگا "اے بنی قیلہ! یہ تمہارے صاحب آ رہے ہیں، یہ سعادت آ رہی ہے جس کے لیے تم سراپا انتظار تھے"۔ یہ پکار سنتے ہی تمام انصار اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے خیر مقدم کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے اور سب کے سب آفتابِ رسالت کے گرد نور بخش شعاعوں کی طرح جمع ہو گئے، بنی عمرو بن عوف کے گھروں کی طرف سے تو نعرۂ تکبیر کے خاص غلغلے بلند ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازتے وقت دائیں طرف رخ فرمایا حتیٰ کہ قبا تشریف لے گئے اور قبا میں خاندان بنی عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن ہدم یا سعد بن خثیمہ کے ہاں قیام فرمایا۔ یہاں آپ نے چودہ دن تک قیام رکھا اور مسجد قبا تعمیر کروائی۔ نبوت کے بعد یہ پہلی مسجد تھی، جسے آپ کے مقدس ہاتھوں سے تاسیس کا شرف نصیب ہوا۔ جمعہ کے دن آپ نے قبا کو خیر باد کہا اور ابھی بنی سالم بن عوف کے گھروں تک ہی پہنچے تھے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا، آپ نے بطنِ وادی کی مسجد میں رفقا سمیت نماز جمعہ ادا فرمائی نماز جمعہ سے فراغت کے بعد آپ پھر اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔ یثرب کا ہر شخص آپ کی سواری باد بہاری کی لگام کو تھام کر عرض کرتا کہ حضور! میرے غریب خانے کو میزبانی کا شرف بخشیں میرے پاس قوت بھی ہے، ہتھیار بھی ہیں، دفاع بھی کر سکتا ہوں۔ آپ فرماتے سواری اللہ کے حکم کی پابند ہے اسے چھوڑ دو، یہ وہیں بیٹھے گی، جہاں حکم الٰہی ہو گا۔ سواری چلتے چلتے اس مقام پر پہنچ گئی، جہاں آج مسجد نبوی ہے، سواری بیٹھ گئی لیکن آپ نیچے تشریف نہ لائے، سواری پھر اٹھی اور تھوڑا سا چلنے کے بعد پھر اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ اب آپ سواری سے نیچے تشریف لے آئے۔ اسی جگہ آپ کے ماموؤں بنی نجار کے مکانات تھے، گویا اللہ کی منشا یہ تھی کہ یہ شرف آپ کے ماموؤں کے حصہ میں آنا چاہیے۔ یہاں بھی ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ آپ اس کے غریب خانہ میں قدم رنجہ فرمائیں مگر یہ سعادت ابو ایوب خالد بن زید کے لیے

مقدر ہو چکی تھی البتہ آپ کے ناقہ مبارک کو اسعد بن زرارہ لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا معمول تھا کہ وہ گاہے گاہے اسعد کے گھر ناقہ نبوی کی دیکھ بھال کے لیے آتے جاتے رہتے تھے۔ ہجرت کے بارے میں قیس بن صرمہ کے یہ اشعار بہت مشہور ہیں ؎

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ
یذکر لو یلقی حبیبا مواتیا

قریش میں اقامت گزیں ہو کر آپ نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک انہیں وعظ و نصیحت فرمائی کہ شاید کوئی اطاعت کرنے والا دوست مل جائے۔

ویعرض فی أھل المواسم نفسہ
فلم یر من یؤوی ولم یر داعیًا

حج کے موسموں میں آپؐ اپنے آپ کو لوگوں پر پیش فرماتے لیکن آپ کسی مددگار یا داعی کو نہ پاتے۔

فلما اتانا واستقر بہ النوی
وأصبح مسرورًا بطیبۃ راضیًا

جب آپ ہمارے پاس تشریف لا کر یہاں اقامت گزیں ہو گئے اور آپ نے طیبہ میں اقامت پر مسرت و رضامندی کا اظہار فرمایا۔

وأصبح لا یخشی ظلامۃ ظالم
بعید ولا یخشی من الناس باغیا

یہاں آپ کو کسی دور کے ظالم کے ظلم کا خدشہ ہے اور نہ کسی باغی کی بغاوت کا ڈر۔

بذلنا لہ الاموال من جل مالنا
وأنفسنا عند الوغی والتآسیا

جنگ اور مشکل گھڑیوں میں ہم نے آپ پر اپنے بہترین مالوں اور جانوں کو نثار کیا ہے۔

نعادی الذی عادی من الناس کلھم
جمیعا وإن کان الحبیب المصافیا

تمام لوگوں میں سے ہم صرف اس کے دشمن ہیں جو آپ سے دشمنی رکھتا ہو، خواہ ہمارا کتنا ہی مخلص دوست کیوں نہ رہ چکا ہو۔

ونعلم أن الله لا رب غيره
وأن كتاب الله أصبح هاديا

ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور اللہ کی کتاب ہمارے لیے باعث ہدایت ہے۔

حضرت حسانؓ کے اشعار

حضرت حسان بن ثابتؓ کے اشعار بھی قابلِ ذکر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ؎

قومي الذين هم آووا نبيهم
وصدقوه وأهل الأرض كفار

میری قوم وہ ہے جنہوں نے اپنے نبی کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور انکی نبوت کی تصدیق کی جب کہ روئے زمین کے لوگ کافر تھے۔

إلا خصائص أقوام هم تبع
في الصالحين مع الأنصار أنصار

ہاں کچھ قوموں کے خاص لوگ بھی نیک لوگوں کی طرح آپ کا اتباع کر رہے ہیں اور انصار کے ساتھ مل کر وہ بھی یار و مددگار بن گئے ہیں۔

مستبشرين بقسم الله قولهم
لما أتانا كريم الأصل مختار

ان کا کہنا یہ ہے کہ جب ہمارے پاس شریف النسب اور پسندیدہ شخصیت کے مالک نبی محترم تشریف لے آئے ہیں، تو ہم اللہ کی اس تقسیم پر بہت خوش ہیں۔

أهلا وسهلا ففي أمن وفي سعة
نعم النبي ونعم القسم والجار

ہم اس نبی معظم کو خوش آمدید کہتے ہیں، آپ یہاں امن اور وسعت میں رہیں گے، کتنے اچھے ہیں یہ نبی مکرم اور کتنے اچھے ہیں یہ پڑوسی معتمد!

فانزلوہ بدار لا یخاف بہا
من کان جارھم دار ھی الدار

انہوں نے آپ کو جس گھر میں فروکش کیا، وہ کتنا سعادت مند گھر ہے اور آپ کے پڑوسی بھی کوئی خوف وخطرہ محسوس نہیں کرتے۔

وقاسموہ بہا الأموال اذ قدموا
مہاجرین وقسم الجاحد النار

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر ساتھی تشریف لائے تو انہوں نے انہیں اپنے مال تقسیم کر کے دے دیئے اور آپؐ کی نبوت کا انکار کرنے والوں کے لیے تو آگ کے سوا کچھ نہیں۔ اسی طرح آپ کا یہ شعر بھی مشہور ہے۔

نصرنا وآوینا النبی محمدا
علی أنف راض من معد وراغم

خاندانِ معد کی خوشی اور ناراضگی سے بالاتر ہو کر ہم نے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ کو اپنے پاس جگہ دی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مکہ میں ہجرت کا حکم ملا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا [1]

اور کہو کہ اے پروردگار مجھے (مدینے میں) اچھی طرح داخل کیجیو اور (مکے سے) اچھی طرح نکالیو اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا مددگار بنائیو

آپ جانتے تھے کہ یہ کام اللہ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے آپ نے مدد کا سوال کیا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت شریفہ کو نازل فرمایا۔

---

[1] بنی اسرائیل ۸۰

حضرت براءؓ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس مدینہ میں سب سے پہلے مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام کلثومؓ آئے، جنہوں نے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا شروع کر دی تھی، پھر عمار بن یاسرؓ، بلالؓ اور سعدؓ آئے، پھر حضرت عمر بن خطابؓ، بیس ساتھیوں کے ہمراہ آئے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی حتیٰ کہ عورتیں، بچے اور باندیاں بات بات میں کہنے لگیں حضور تشریف لے آئے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا، میں بھی حاضر تھا۔ میں نے اس دن سے اچھا اور زیادہ خوشگوار کوئی دن نہیں دیکھا۔ اور جس دن آپؐ کا وصال ہوا، اس دن سے زیادہ ناپسندیدہ اور تاریک دن بھی کوئی نہیں دیکھا

حجرہ مبارکہ اور مسجد نبوی کی تعمیر تک آپ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں تشریف فرما رہے، یہیں سے آپ نے زید بن حارثہؓ اور ابو رافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ صد درہم دے کر مکہ مکرمہ روانہ کیا جو کہ وہاں سے حضرت فاطمہؓ، ام کلثوم، سودہ بنت زمعہ، اسامہ بن زید اور ام ایمن کو لے آئے۔ حضرت زینبؓ کو ان کے خاوند ابو العاص بن ربیع نے آنے کی اجازت نہ دی حضرت ابو بکرؓ کے اہل و عیال کو عبداللہ بن ابی بکرؓ لے آئے، حضرت عائشہؓ بھی اسی قافلہ میں تھیں

مسجد نبوی

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی سواری باد بہاری اسی جگہ آکر رکی تھی جہاں آج مسجد نبوی ہے۔ یہاں دو انصاری یتیم بچوں سہل اور سہیل کا ایک قطعہ زمین تھا، یہ دونوں بچے اسعد بن زرارہؓ کی کفالت میں تھے، آپ نے مسجد بنانے کی غرض سے جب زمین کی قیمت دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا "حضور! آپ اسے بلا قیمت قبول فرمالیں"۔ لیکن آپ نے بلا قیمت یتیموں کی زمین کو لینا پسند نہ فرمایا بلکہ دس دینار قیمت ادا کر کے زمین خریدلی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اے بنی نجار! مجھ سے اس قطعہ زمین کی قیمت لے لو" انہوں نے کہا بخدا! اس کی قیمت اللہ ہی سے لیں گے، اس زمین میں کھجوروں کے جھنڈ اور مشرکوں کی قبریں تھیں، آپ کے حکم سے پہلے زمین کو ہموار کیا گیا اور پھر تعمیر کے کام کا آغاز ہوا طول سو ہاتھ اور عرض بھی تقریباً اسی قدر رکھا گیا، تین ہاتھ کی کھدائی کر کے بنیادیں اٹھائی گئیں

اور سب نے مل جل کر مسجد بنانی شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پتھر اٹھا کر لاتے اور فرماتے ۔

اللّٰھم ان العیش عیش الآخرۃ
فاغفر للأنصار والمھاجرۃ

اے اللہ! حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دینا۔

کبھی یوں فرماتے۔

ھذا الحمال لا حمال خیبر
ھذا أبرّ ربنا وأطھر

یہ اینٹوں کی ڈھلائی خیبر کی ڈھلائی نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے نزدیک بہت نیکی اور پاکیزگی کا فعل ہے۔

صحابہ کرامؓ بھی بڑے والہانہ انداز میں رجز پڑھتے ۔

ولئن قعدنا والرسول یعمل
لذاک منا العمل المضلّل

اگر ہم بیٹھ جائیں اور رسول اللہ کام کرتے رہیں تو ہماری طرف سے یہ ایک انتہائی ناروا اقدام ہوگا۔

ابتدا میں قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا اور تین دروازے رکھے گئے۔ ایک پچھلی طرف، دوسرا باب رحمت اور تیسرا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا۔ مسجد کے ستون کھجور کے تنوں سے بنائے گئے تھے اور چھت کھجور کے پتوں سے۔ عرض کیا گیا کیا آپ چھت پختہ نہ بنائیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ موسیٰؑ کے چھپر کی طرح چھپر بنائیں گے۔ مسجد کے دونوں جانب ازواج مطہراتؓ کے لیے حجرے بنائے گئے۔ یہ حجرے بھی کھجور کے تنوں اور پتوں سے ہی بنائے گئے تھے۔

حضرت عائشہؓ، کاشانہ نبوت میں

مسجد اور حجرات کی تعمیر کے بعد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عائشہؓ کو اپنے

گھر سے آئے، ان کے لیے مسجد کے مشرقی جانب حجرہ بنایا گیا تھا۔ حضرت عائشہ کی رخصتی شوال سلہ میں عمل میں آئی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں ایک دفعہ شوال میں طاعون کی وبا پھیلی تھی، جس کے باعث بعض لوگ شوال میں رخصتی وغیرہ پسند نہ کرتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ اس باطل خیال کی مخالفت کے پیش نظر شوال میں بیاہ شادی کے امور کو زیادہ پسند فرماتی تھیں۔ اسی طرح حضرت سودہؓ کے لئے الگ حجرہ بنایا گیا تھا۔

انصار و مہاجرین اور مؤاخات

مدینہ آکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا۔ ان مہاجرین و انصار کی تعداد نوّے کے قریب تھی، جنہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا اور آپ نے ان سے اس بات پر عہد و پیمان لیا کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کو اپنا دکھ سکھ تصور کریں گے اور وفات کے بعد ایک دوسرے کے وارث بھی بنیں گے؛ چنانچہ وہ آیت شریفہ:-

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ | اور رشتہ دار خدا کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

کے نزول تک ایک دوسرے کے وارث بنتے رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے دوسری بار مہاجرین کے مابین بھی رشتہ مؤاخات منعقد فرمایا اور حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا لیکن صحیح بات یہی ہے کہ مؤاخات صرف مہاجرین و انصار کے مابین تھی۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو یہاں وبا پھیلی ہوئی تھی، جس کے باعث بہت سے صحابہ کرام بیمار ہو گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مرض جب شدت اختیار کر جاتا تو وہ یہ شعر پڑھتے

كل امرئ مصبح فى أهله

والموت أدنى من شراك نعله

ہر آدمی اپنے اہل و عیال میں صبح کرنے والا ہے اور موت تو جوتے کے تسمہ سے بھی

سلہ الانفال ۷۵

زیادہ قریب ہے۔

حضرت بلالؓ کا بخار جب کم ہوتا تو وہ یہ شعر پڑھتے ؎

أَلَا لَیْتَ شِعْرِی ھَلْ أَبِیْتَنَّ لَیْلَۃً
بِوَادٍ وَحَوْلِی اِذْخِرٌ وَجَلِیْلٌ؟

اے کاش! مجھے معلوم ہو کہ میں کبھی ایک رات ایسی وادی میں بسر کر دں گا کہ میرے گرد و پیش اذخر اور جلیل کی خوشبو دار جڑی بوٹیاں ہوں گی۔

وَھَلْ أَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاہَ مِجَنَّۃٍ؟
وَھَلْ یَبْدُوَنْ لِی شَامَۃٌ وَطَفِیْلُ؟

اور اے کاش! مجھے معلوم ہو کہ میں کسی دن مجنہ کے چشموں پر وارد ہوں گا اور کیا کبھی میرے لیے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے؟ اے اللہ! ابن ربیعہ، امیہ بن خلف اور شیبہ بن ربیعہ پر لعنت فرما، انہوں نے ہمیں اپنے وطن سے نکل کر اس دبا والی زمین میں آنے پر مجبور کر دیا۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں صدیقؓ و بلالؓ کے ان واقعات کا ذکر کیا تو آپؐ نے فوراً دعا فرمائی "اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو بھی مکہ کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبوب بنا دے۔ اے اللہ! مدینہ کی آب و ہوا کو صحیح کر دے یہاں کے صاع اور مد میں برکت فرما اور یہاں کے بخار کو جُحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔

اللہ نے اپنے حبیبؐ کی ان تمام دعاؤں کو قبول فرمایا، جُحفہ میں ہر پیدا ہونے والا بچہ بلوغت سے قبل بخار کے ہاتھوں شکست کھا جاتا۔

۱ھ

اب ہم ۱ھ میں رونما ہونے والے حوادثات و واقعات کا ذکر کریں گے، چنانچہ ہجرت کے پہلے سال حضر کی نماز میں دو رکعت کا اضافہ کر دیا گیا اور کل چار رکعتیں ہو گئیں لیکن سفر کی نماز بدستور دو رکعت ہی رہی، اسی سال اہل صفہ مسجد میں فروکش ہوئے۔ صفہ مسجد کا ایک حصہ تھا جس میں وہ مفلس و قلاش مہاجرین اقامت پذیر ہوئے تھے، جن کے اہل و عیال تھے اور نہ مال و دولت۔ جب رات آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ان میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی مسلمان بھائی کے ساتھ رات کا کھانا کھانے کے لیے بھیج دیتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فراوانی کر دی۔

یہ نبوت کا چودھواں سال تھا لیکن ہجرت کا پہلا اسی سے بعد میں اسلامی تاریخ کا آغاز کیا گیا۔

اس سال جن عظیم المرتبت صحابہ کرام نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کے اسمار گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زرارہؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی تعمیر سے ابھی تک فارغ بھی نہ ہوئے کہ یہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۲۔ براء بن معرورؓ کا انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری سے قبل صفر میں ہو گیا تھا۔ نقبار میں سے سب سے پہلے آپ نے وفات پائی۔

۳۔ ضمرہ بن جندبؓ، کا بھی اسی سال انتقال ہوا، آپ مکہ میں تھے کہ بیمار پڑ گئے، مرض نے غلبہ اختیار کیا تو اپنے بچوں سے کہنے لگے کہ مجھے یہاں سے نکال لے جاؤ یعنی ہجرت کے لیے ارادہ فرما رہے تھے۔ سعادت مند بچوں نے باپ کی خواہش کے پیش نظر مدینہ طیبہ کے لیے رخت سفر باندھا لیکن ابھی تک بنی غفار یا تنعیم کے پاس ہی پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ضمرہؓ کو اپنے پاس بلا لیا اور انہی کے بارہ میں یہ آیت شریفہ نازل فرمائی۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ[1]	اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے۔ پھر اس کو موت آ کر پکڑے تو اس کا ثواب خدا کے ذمے ہو چکا۔

۴۔ کلثوم بن ہدم، جن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فروکش ہوتے تھے، انہوں نے بھی اسی سال وفات پائی۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں سے بھی معاہدہ کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ

یہود کی اکثریت نے اگرچہ کفر کی راہ اختیار کی لیکن ان کے سب سے بڑے عالم و فاضل حضرت عبداللہ بن

---

[1] النسآء ۱۰۰

سلامؓ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ یہود کے تین بڑے قبائل تھے۔ (۱) قینقاع (۲) نضیر اور (۳) قریظہ، ان تینوں نے آپؐ سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑ دیا تھا؛ چنانچہ جب لڑائی ہوئی اور انہیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا تو آپؐ نے بنی قینقاع پر احسان فرمایا، بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا اور بنی قریظہ کو قتل۔ یاد رہے سورہ حشر بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب کہ سورہ احزاب میں بنو قریظہ کا تذکرہ ہے۔

۲ھ اس سال عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ کے ساتھ خواب میں اذان کا واقعہ پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب سننے کے بعد فرمایا کہ بلالؓ کو یہ کلمات سکھا دو، اسی سال رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور عاشورہ کا روزہ منسوخ ہوا البتہ اس کا استحباب ابھی تک باقی ہے۔ اسی سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے حبالہ عقد میں دیا اور اسی سال اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم نازل فرمایا۔

تحویلِ قبلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ سولہ ماہ تک یہودیوں کے قبلہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن آپ کی تمنا تھی کہ اے کاش! بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ قبلہ بن جائے۔ ایک مرتبہ آپ نے جبرئیل سے اس موضوع پر گفتگو فرمائی تو انہوں نے کہا کہ میں تو خدا کا بندہ ہوں، آپ اس بارے میں اللہ سے دعا کیجیے، آپ نے اس امید سے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ نازل فرمائی۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[1]

(اے محمدؐ) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم تم کو اسی قبلے کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیں گے، تو اپنا منہ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو۔

---

[1] البقرۃ ۱۴۴۔ ۱۵۵

قبلہ کی اس تبدیلی میں عظیم حکمت مضمر تھی اور اس سے مسلمانوں اور کافروں کی آزمائش بھی مقصود تھی، مسلمانوں نے تو یہ حکم سن کر کہا کہ ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، آخر اللہ نے انہیں ہدایت سے سرفراز فرما رکھا تھا لہذا تحویل قبلہ کا حکم ان پر گراں نہ گزرا، لیکن مشرک لوگ یہ سنتے ہی جھٹ بول اٹھے کہ مسلمان جس قبلے پر پہلے سے چلے آتے تھے، اب اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے ہیں؟ اور منافقوں نے ہانک لگائی کہ اگر پہلا قبلہ درست تھا تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا ہے اور اگر دوسرا درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے مسلمان ایک باطل قبلہ کو اختیار کیے ہوئے تھے۔ حالانکہ بات یہ نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کا معمول ہے کہ اس نے احکام میں نسخ کے قاعدہ کو رکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ایک حکم کو منسوخ کر کے اس جیسے یا اس سے بہتر حکم کی اطاعت کا حکم دیتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مخالفت کرنے والوں کی سرزنش کی ہے اور یہود و نصاریٰ کے باہمی نفاق و شقاق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کچھ نہیں سمجھتے اور پھر ان کے شرک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ظالم یہ کہنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ "اللہ کی بھی اولاد[1] ہے"۔

پھر اللہ نے فرمایا کہ مشرق و مغرب اسی کی ملکیت ہے، جس طرف بھی وہ اپنے بندوں کو منہ کرنے کا حکم دے، اُسی طرف اس کا اپنا منہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے مخاطب ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہود و نصاریٰ تو آپ کی اتباع نہیں کریں گے تاوقتیکہ آپ ان کے

---

[1] یہود و نصاریٰ کا یہ عقیدہ اسی طرح تھا جس طرح بوذیوں، برہمنوں اور قدیم مصریوں کا تھا۔ انکے شرک کی اساس اس بات پر تھی کہ اللہ کی بھی اولاد ہے البتہ اولاد کے بارے میں بشری توالد و تناسل کے طریقہ کو تو نہیں مانتے تھے لیکن یہ ضرور کہتے تھے کہ ہمارے ان معبودوں، بزرگ لوگوں اور اولیاء کو اللہ نے اپنے نور سے پیدا فرمایا ہے لہذا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات و خصائص کو اپنا لیا ہے ہر مشرک کا یہی عقیدہ ہے، خواہ وہ زبان سے اس بات کا اقرار نہ کرے، مزید تفصیل کے لیئے سورہ انعام اور دیگر مکی سورتوں کا مطالعہ فرمائیے (ہمارے برصغیر پاک و ہند کے مشرک اور بدعتی لوگ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور من نور اللہ ہونے کے قائل ہیں۔ فافہم)

قبلہ کی طرف منہ کر لیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ کے بیت اللہ تعمیر کرنے، حضرت اسمٰعیلؑ کے ان کے ساتھ تعاون کرنے اور حضرت ابراہیمؑ کے سر پر امامت کا تاج رکھنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ملتِ ابراہیمی سے صرف بیوقوف لوگ ہی اعراض کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ ابراہیم کی اقتدار کرو اور جس چیز کو میں نے اپنے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے، اس پر ایمان لاؤ اور اس چیز پر بھی جو میں نے اپنے سابقہ انبیاء کرام پر نازل کیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت دینا صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے لہٰذا اسی نے اوسطِ امت کو اوسط قبلہ کی ہدایت فرمائی، جس طرح کہ اس نے افضل الرسل کی امت سے بنایا اور افضل کتاب عنایت فرمائی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا پھر تذکرہ فرمایا کہ اس نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، قرآن مجید کو نازل فرمایا لہٰذا ہمیں حکم دیا کہ اسی کا شکر ادا کریں اور دم بدم اور پیہم اسی کا ذکر کریں کہ جو اس کا شکر ادا کرتا ہے وہ اسے مزید دیتا ہے اور جو اس کا ذکر کرتا ہے، وہ اسے یاد کرتا ہے اور پھر ہمیں اس نے بڑے راز کی بات بتائی کہ صبر اور نماز کے ساتھ استعانت کرو اور فرمایا کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

حکم جہاد

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں قرار نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنی فتح و نصرت اور مومنوں کے ساتھ مدد فرمائی اور مومنوں کو شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں کر دیا اور انصار نے اپنا تن، من دھن نثار کر دیا تو کفارِ اسلام کے اس غلبہ اور دن بدن بڑھتی ہوئی شان و شوکت کو دیکھ کر بوکھلا اٹھے اور کفارِ عرب و یہود مل کر سازشیں کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ، جس نے پہلے اپنے رسول اور اپنے فرماں بردار بندوں کو عفو، حلم اور صبر کا حکم دیا تھا۔ اب جہاد کا حکم دیا اور فرمایا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ	جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے۔
بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ	ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر
اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ	ظلم ہو رہا ہے اور خدا (ان کی مدد کرے گا وہ)

لَقَدِيْرٌ [1] یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی، پھر ان لوگوں سے جہاد کو فرض قرار دیتے ہوئے، جو آمادہ پیکار ہیں، فرمایا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ [2] اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو۔

پھر تمام مشرکوں سے جہاد کو فرض قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً [3] اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔

کچھ خصائص نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حالت جنگ میں آپ صحابہ کرامؓ سے بیعت لیا کرتے تھے کبھی تو بیعت اس بات پر ہوتی کہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہیں کی جائے گی، کبھی اس بات پر بیعت ہوتی کہ جب تک جان میں جان باقی رہے گی راہ خدا میں جہاد کرتے رہیں گے، اسی طرح آپ اسلام، جہاد، ہجرت توحید اور ہردم اللہ و رسول کی اطاعت کرنے پر بھی بیعت لیا کرتے تھے۔ بعض صحابہ سے آپ نے یہ بیعت بھی لی کہ اللہ کے سوا کسی سے کچھ بھی سوال نہ کریں گے؛ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے بھی نہایت شدت کے ساتھ اس پر عمل کر کے دکھایا حتیٰ کہ اگر کسی سے سواری پر سوار ہونے کی حالت میں چابک گر جاتا تو وہ نیچے اتر کر خود پکڑتے اور کسی سے سوال نہ کرتے کہ وہ اسے پکڑا دے۔

دشمنوں کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے آپ جاسوس بھی بھیج دیا کرتے تھے اور جب دشمنوں سے جنگ شروع ہو جاتی تو اللہ سے دعائیں مانگتے، فتح و نصرت طلب کرتے، آپؐ اور صحابہ کرامؓ بھی، بکثرت ذکر الٰہی اور الحاح و زاری کرتے۔ خاص طور پر جہاد کے موقعہ پر آپؐ صحابہ کرام سے بہت زیادہ مشورہ فرمایا کرتے تھے، جہاد کے موقعہ پر آپؐ کمزوروں کو سہارا دیتے اور لشکر سے منقطع ہو جانے والوں کو اپنے پیچھے سوار کرا لیتے تھے۔ غزوات کے

---

[1] الحج ۳۹ [2] البقرہ ۱۹۰ [3] التوبہ ۳۶

موقعہ پر توریہ سے کام لیتے، لشکر کو عموماً جیش اور مقاتلہ دو حصوں میں ترتیب دیتے، آپؐ کے حکم سے دشمن کو دعوتِ مبارزت بھی دی جاتی، جنگ کے موقعہ پر خاص جنگی لباس زیب تن فرماتے جنگ بدر کے موقعہ پر آپؐ نے دو زرہیں پہنی تھیں آپ نے پرچم بھی استعمال فرمائے۔ کسی قوم پر فتح حاصل کرنے کے بعد تین دن تک اس کے علاقے میں قیام کرنے کے بعد تشریف لاتے، شب خون مارنے کا ارادہ ہوتا تو انتظار فرماتے، اگر اذان کی آواز سنائی دیتی تو اپنا ارادہ موقوف فرما دیتے اور سفر کا آغاز جمعرات کی صبح سے پسند فرمایا کرتے تھے۔

میدانِ کارزار میں جنگ جب شدت اختیار کر جاتی تو آپ شجاعت و بسالت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے دشمنوں کی صفوں کے قریب جا پہنچتے، صحابہ کرامؓ آپ کے وجودِ مسعود سے تقویت حاصل کرتے۔ میدان جنگ میں آپؐ فخر و مباہات کو پسند فرماتے، عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرماتے اور اسی طرح دشمن کے علاقے کی طرف سفر کرتے وقت قرآن مجید لے جانے سے بھی منع فرمایا کرتے تھے۔

پہلا پرچم نبوی

موسیٰ بن عقبہ کے قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو پرچم تیار کروایا وہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے لیے تھا۔ جب کہ انہیں رمضان المبارک ۱ھ میں تیس مہاجر مجاہدین کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا حضرت حمزہؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر قریش کے اس قافلہ سے ٹکر لینے کے لیے نکلے تھے، جو شام سے آرہا تھا، اس قافلہ میں تین سو سواروں سمیت ابوجہل بھی آرہا تھا۔ یہ قافلہ ضلع جہینہ کے شہر عیص کی سمت سے سمندر کے ساحل پر پہنچا تو دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوگئے لیکن مجدی بن عمرو جہنی نے دونوں لشکروں کے درمیان صلح کرا دی، اس لیے جنگ نہ ہو سکی۔

سریہ عبیدہ بن حارثؓ

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ماہ شوال میں حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف کے زیر قیادت ساٹھ مہاجر مجاہدین پر مشتمل ایک سریہ بطن رابغ کی طرف بھیجا۔ بطن رابغ ہی میں اس لشکر کا ابوسفیان کے لشکر سے مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں فریقین میں صرف تیروں کا تبادلہ ہوا اور

تلواریں میان سے نہ نکلیں جنگ کے لیے باقاعدہ صف بندی بھی نہ کی گئی تھی بلکہ صرف معمولی جھڑپیں ہوئیں، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس دن دشمن پر تیر پھینکا تھا، اس طرح اسلام کے دور میں سب سے پہلے تیر پھینکنے کی سعادت انہیں نصیب ہوئی معمولی سی جھڑپوں کے بعد فریقین اپنے اپنے کیمپ میں واپس چلے گئے۔

سریہ سعد بن ابی وقاصؓ

پھر اسی سال ماہ ذوالقعدۃ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے زیر قیادت ایک لشکر مقام خرار کی طرف روانہ ہوا، خرار حجاز کی ایک وادی کا نام تھا۔ اس لشکر کو قریش کے اس قافلہ کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا تھا، جو اس مقام سے گزرنے والا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر سے عہد لیا تھا کہ مقام خرار سے تجاوز نہ کرے۔ مسلمانوں کا یہ لشکر بیس افراد پر مشتمل تھا، مجاہدین دن بھر چھپے رہتے اور راتوں کو پیدل سفر کیا کرتے تھے۔ خرار پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ قافلہ کل ہی یہاں سے جا چکا ہے لہذا مجاہدینِ اسلام واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آتے۔

۲ھ اور غزوہ الواء

یہ وہ سب سے پہلا غزوہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ یہ لشکرِ اسلام بھی صرف مہاجرین پر مشتمل تھا، قریش کے ایک قافلے کا تعاقب کرنا مقصود تھا لیکن وہ قافلہ نہیں مل سکا تھا۔ اسی سفر میں آپؐ نے بنوضمرہ کے ساتھ یہ معاہدہ صلح طے کیا کہ وہ آپؐ سے جنگ نہیں کریں گے اور نہ آپؐ ان سے جنگ کریں گے، اسی طرح یہ بھی طے پایا کہ وہ آپؐ کے مخالفین میں سے کسی کے ساتھ تعاون بھی نہیں کریں گے۔

غزوہ بواط

پھر ماہِ ربیع الاول ۲ھ میں غزوہ بواط پیش آیا، اس سے مقصود اس قریشی قافلہ کا تجسس تھا، جس میں امیہ بن خلف اور قریش کے سو آدمی تھے لیکن یہ قافلہ بھی نہ مل سکا تھا، اس لیے آپؐ جنگ کیے بغیر واپس تشریف لے آئے۔

کرز بن جابر کی تلاش میں

کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے چرنے والے مویشیوں پر ڈاکہ ڈالا تھا اور انہیں ہانک کر لے گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تعاقب فرمایا حتیٰ کہ بدر کی طرف سے وادی سفوان تک تشریف لے

گئے لیکن کرز بھاگ نکلا۔

غزوہ عشیرہ جمادی الآخرہ میں آپ ڈیڑھ صد مہاجرین کے ساتھ ایک قریشی قافلہ کے تعاقب میں نکلے، جو کہ شام کی طرف جا رہا تھا، مجاہدین تیس اونٹوں کو لے کر تعاقب میں نکلے تھے۔ جب آپ مقام عشیرہ پر پہنچے جو کہ ینبع کی سمت قبیلہ بنو مدلج کا مسکن تھا، تو معلوم ہوا کہ قریشی قافلہ چند دن پہلے جا چکا ہے، یہی قافلہ جب شام سے واپس لوٹا تو مقام بدر پر اس کا مسلمانوں سے سامنا ہوا۔ اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مدلج اور ان کے حلیفوں سے صلح نامہ کیا۔

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بارہ مہاجرین کا قائد بنا کر اور ایک ایک اونٹ پر دو دو کو سوار کرا کر نخلستان کی طرف روانہ کیا گیا، اس سریہ کا مقصد بھی ایک قریشی قافلہ کا تعاقب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ کو روانگی کے وقت ایک پرچہ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ دو دن کی مسافت سے پہلے نہ پڑھیں، چنانچہ انہوں نے ارشاد نبوی کی تعمیل کی اور وقت مقررہ پر جب فرمانِ نبوی کو پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ "جب آپ میرے اس خط کو پڑھیں تو مکہ و طائف کے درمیان نخلستان کا رخ کر لیں اور وہاں جا کر اتریں، قریش کی تاک میں رہیں اور ان کے حالات معلوم کرتے رہیں"۔ انہوں نے اس فرمان نبوی کی اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی اور کہا کہ تمہیں مجبور نہیں کیا جا رہا اگر بخوشی جانا چاہو تو چلو، تمام نے خوشی خوشی جانے کا اظہار کیا۔ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا اونٹ گم ہو گیا۔ یہ دونوں اونٹ کی تلاش میں کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ تلاش کرنے کے بعد نخلستان میں اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔

عمرو بن حضرمی کا قتل یہ سبھی حضرات اس نخلستان میں فروکش تھے کہ قریش کا ایک قافلہ کشمش اور سامان تجارت وغیرہ لے کر ان کے پاس سے گزرا، عمرو بن حضرمی بھی اس قافلہ میں تھا، جسے مسلمانوں نے قتل کر دیا تھا اور عثمان، نوفل (عبداللہ بن مغیرہ کے لڑکے) اور حکم بن کیسان (بنو مغیرہ کا غلام) کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ ماہِ رجب کا آخری دن تھا مسلمانوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اگر ہم لڑائی کریں تو حرمت والے مہینے

کی بے حرمتی ہو گی اور اگر انہیں چھوڑ دیں تو یہ کل حد حرم میں داخل ہو جائیں گے پھر سب نے لڑنے پر اتفاق کر لیا؛ چنانچہ ایک مسلمان نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا، عثمان اور حکم کو گرفتار کر لیا گیا جب کہ نوفل بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، مسلمان ایک اونٹ اور قیدیوں کو لے کر مدینہ آئے، اسلام میں یہ پہلا خمس تھا، پہلا قتل تھا اور پہلی مرتبہ قیدی لائے گئے تھے، عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جب مدینہ میں آئے اور انہوں نے تمام تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینے میں لڑائی کا حکم نہیں دیا تھا، اِدھر قریشیوں نے یہ طعنے دینے شروع کر دیئے کہ محمدؐ اور اس کے ساتھیوں نے حرمت والے مہینے کو حلال قرار دے لیا ہے، مسلمانوں پر بھی یہ بات نہایت گراں گزری، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔[1]	"اے محمدؐ، لوگ تم سے عزت والے مہینے میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ ان میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ میں جانے) سے (بند کرنا)، اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے"۔

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ اے قریشیو! جس بات کا تم طعنہ دے رہے ہو، اگرچہ بڑی بات ہے لیکن تم نے جن جرائم کا ارتکاب کیا اور اللہ کے ساتھ کفر، راہِ خدا سے اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنا اور مکہ والوں کو ان کے وطن سے جلاوطن کرنا وغیرہ تو اس سے بھی بڑے گناہ ہیں۔

فتنہ کے معنی

اس آیت میں وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ بھی ایک جملہ ہے۔ جس میں فتنہ کے معنی شرک کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ۔

---

[1] البقرہ ۲۱۷۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ [1]	اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فتنہ و فساد نابود ہو جائے۔

نیز

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔ [2]	تو ان سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا اور بجز اس کے (کچھ) چارہ نہ ہوگا (کہ کہیں) خدا کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم شریک نہیں بناتے تھے۔

میں بھی فتنہ سے شرک مراد ہے یعنی شرک کا انجام یہ ہوگا کہ یہ اتنی بُری چیز ہے کہ مشرک لوگ ڈر کے مارے انکار کرنے لگ جائیں گے کہ ہم نے تو شرک کیا ہی نہیں تھا۔ فتنہ کا معصیت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور جب اس لفظ کا استعمال اللہ کی ذات سے متعلق ہو تو اس سے امتحان، ابتلاء اور آزمائش مقصود ہوتی ہے۔

غزوہ بدر کبریٰ

رمضان المبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلہ کی خبر ملی جو ابوسفیان کی معیت میں شام سے واپس آ رہا تھا، یہ بڑا بھاری تجارتی قافلہ تھا۔ آپؐ خبر ملتے ہی تین سو دس سے کچھ اوپر جاں نثاروں سمیت قافلہ کی تلاش میں مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے۔ مسلمانوں کے اس لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے، ایک گھوڑا حضرت زبیرؓ کے پاس تھا جب کہ دوسرا حضرت مقداد بن اسودؓ کے پاس۔ اور دو دو تین تین آدمیوں کے لیے اونٹ تھا، اس سفر پر روانہ ہوتے وقت آپ نے حضرت عبداللہ بن اُم مکتومؓ کو مدینہ طیبہ میں نمازیں پڑھانے پر مقرر فرمایا اور مقام روحاء پر پہنچنے کے بعد ابولبابہؓ کو جانشین بناکر مدینہ بھیج دیا۔ علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دیا گیا جب کہ ایک جھنڈا حضرت علیؓ اور دوسرا حضرت سعد بن معاذؓ کو دیا گیا۔ صفراء کے قریب پہنچ کر آپؐ نے بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی زغباء کو قافلہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔

اِدھر جب ابوسفیان نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف آ رہے ہیں، تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا تاکہ قریش کو جاکر اس صورتِ حال سے

---

[1] البقرۃ ۱۹۲ [2] الانعام ۲۳۔

مطلع کر دے؛ چنانچہ قریش اطلاع ملتے ہی فوری طور پر مدد کو پہنچنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سردارانِ قریش میں سے ابولہب کے علاوہ کوئی بھی پیچھے نہ رہا، اس نے اپنی بجائے ایک اور آدمی کو اجرت دے کر بھیج دیا، قریشیوں نے دیگر قبائلِ عرب کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، صرف بنو عدی ایک ایسا خاندان تھا، جس کا کوئی فرد شریک نہیں ہوا تھا۔ قریشی بڑی دھوم دھام سے گھروں سے نکلے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں

بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ جو اتراتے ہوئے (یعنی حق کا مقابلہ کرنے کے لیے) اور لوگوں کو دکھانے کے لیے گھروں سے نکل آئے اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی اس تیاری کی خبر ملی تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا، مہاجرین نے اس مسئلہ میں بہت عمدہ باتیں کیں، آپ نے پھر مشورہ طلب کیا، پھر بھی مہاجرین ہی نے اظہار خیال کیا، آپ نے تیسری بار مشورہ طلب فرمایا تو انصار نے محسوس کیا کہ آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے لہذا حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے"۔ آپ کا روئے سخن انصار کی طرف بطور خاص اس لیے تھا کہ ان سے صرف یہ طے پایا تھا کہ وہ مدینہ میں آپ کی حفاظت کریں گے ــــ میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ آپؐ جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں، جس سے آپ پسند فرمائیں تعلقات استوار فرمائیں اور جس سے چاہیں منقطع فرمالیں، ہمارے مال بھی حاضر ہیں، جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں ہمارے پاس رہنے دیں لیکن جو آپ پسند فرمالیں گے، ہمیں وہ زیادہ محبوب ہوگا۔ اگر آپ سمندر میں کودنے کا امر فرمائیں گے تو ہم بے تکلف آپ کے ساتھ سمندر میں کود پڑیں گے"۔

حضرت مقداد بن اسود نے عرض کیا، "ہم قومِ موسیٰ کی طرح یہ ہرگز نہیں کہیں گے کہ۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔

بلکہ ہم تو آپ کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں ہو کر دشمن سے لڑیں گے"۔ انصار کی باتیں سن کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس مسرت سے جگمگا اٹھا۔ آپؐ نے

فرمایا "چلو اور خوش خبری سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان دونوں یعنی تجارتی قافلہ یا لشکرِ قریش میں سے کسی ایک پر فتح عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، بلکہ مجھے وہ مقامات بھی دکھا دیئے گئے ہیں جہاں قریشی لوگ تہہ تیغ ہوں گے"۔ اس کے بعد آپ تمام رفقاء سمیت سوئے بدر روانہ ہو گئے۔

ابوسفیان اپنے قافلے کو ساحل کے زیریں حصے میں سے لے کر نکل گیا اور اس نے جب محسوس کیا کہ اس کا قافلہ خطرہ کی زد سے بچ نکلا ہے، تو قریش کی طرف پیغام بھیج دیا کہ اللہ نے تمہارے قافلے اور اموال کو بچا لیا ہے لہٰذا اب تم مکہ واپس چلے جاؤ۔ اس پر ابوجہل نے کہا "واللہ ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے، جب تک بدر نہ ہو آئیں، وہاں ہم کچھ دن قیام کریں گے، خوب کھائیں گے۔ شرابیں پئیں گے، عرب ہماری اس شان و شوکت کا حال سنیں گے، تو ہم سے مرعوب ہوں گے"۔

اخنس بن شریق نے کہا کہ نہیں ہمیں واپس چلے جانا چاہیئے، جب اس کی بات تسلیم نہ کی گئی تو وہ بنو زہرہ کے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر واپس آ گیا، بعد میں اخنس کی اس رائے کے باعث بنو زہرہ نے اسے اپنا سردار بنا لیا تھا، بنو ہاشم کا ارادہ بھی تھا کہ واپس چلے جائیں لیکن ابوجہل آڑے آیا البتہ طالب بن ابی طالب واپس آ گیا تھا۔

قریش نے بدر میں آگے وادی کی انتہائی آخری جانب ڈیرے ڈالے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ریت کے ٹیلے پر خیمہ زن ہوئے، قریش نے چونکہ پانی پر پہلے قبضہ کر لیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے آسمان سے پانی برسایا، جس سے مسلمانوں نے خوب غسل اور وضو کیے، اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا، مشکیزے بھی بھرے، بارش سے غبار بھی دب گیا، جس سے انسانوں اور جانوروں کے قدم زمین پر جمنے لگے، بارش کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کے لیے بھی باعثِ تسکین بنا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان کارزار کا جائزہ لیا تو ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا یہاں ان شاء اللہ فلاں کافر تہہ تیغ ہو گا اور وہاں فلاں، چنانچہ ایسا ہی ہوا جس جگہ آپ نے جس کافر کے قتل ہونے کا اشارہ فرمایا تھا وہ وہیں قتل ہوا۔

جب صبح ہوئی اور مشرکین نمودار ہونے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی "اے اللہ! یہ قریش تکبر اور فخر کے ساتھ صف آرا ہوئے ہیں، یہ تجھ سے عداوت رکھتے اور تیرے رسول کی تکذیب کرتے ہیں، اے اللہ اب تجھ سے تیری اس نصرت کا خواستگار ہوں، جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، اے اللہ! کل انہیں بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینک" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ دعا مانگنے لگے تو کھڑے ہو گئے تھے، ہاتھوں کو اٹھا کر خوب دعا مانگی، فتح و نصرت طلب کی اور خوب الحاح و زاری کی، ہاتھ اس قدر بلند اٹھائے کہ چادر شانوں سے نیچے آ رہی۔ آپ نے یہ دعا بھی فرمائی "اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما دے، اے اللہ! تجھے تیرے عہد و میثاق کی قسم، ہماری مدد فرما، اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو ختم کر دے تو پھر زمین میں کبھی بھی تیری پرستش نہ ہو گی"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب الحاح و زاری کے ساتھ یہ دعا فرما رہے تھے تو صدیق اکبرؓ پیچھے سے آ کر چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے اے اللہ کے رسول! اب یہ دعائیں کافی ہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان بھی فتح و نصرت کی دعائیں مانگنے میں شریک تھے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے فرشتوں سے فرمایا۔

اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ [1]

میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈالے دیتا ہوں تم ان کے سر مار (کر) اڑا دو۔ اور ان کا پور پور مار (کر توڑ) دو۔

اپنے رسول کو بھی اللہ نے بشارت دی کہ۔

اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ

ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے

---

[1] الانعام ۱۲

الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۔ آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے ۔

لڑائی کی صبح جب قریشی اپنے لاؤ لشکر سمیت میدان میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کی آنکھوں میں اصلی تعداد سے کم دکھایا جیساکہ مسلمانوں کو بھی کافر اپنی اصلی تعداد سے کم نظر آرہے تھے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص مصلحت وحکمت مضمر تھی۔ ابوجہل نے عمرو بن حضرمی کے بھائی عامر بن حضرمی کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کے خون کا مطالبہ کرو؛ چنانچہ اس نے ہانک لگائی۔ اے عمرو! ہائے عمرو، وہ چیخ لگا رہا تھا کہ سرین کے بل گر گیا، اس کے بعد معرکہ خوب گرم ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی صفوں کو ترتیب دیا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ جنگ شروع ہوتے ہی مسلمانوں پر اونگھ طاری ہوگئی، حضرت ابوبکر صدیقؓ ہر لمحہ میدانِ جنگ میں آپ کی حفاظت کے لیے آپ کے ساتھ رہے جب آپ جھونپڑی میں تشریف فرما تھے، تو بھی آپ کے ساتھ ہی تھے، اس موقعہ پر حضرت سعد بن معاذؓ نے بھی انصار کی ایک جماعت کے ساتھ جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے ہوکر پہرہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرعہ زیب تن فرما رکھی تھی اور درج ذیل آیت مبارکہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔ [1] عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عنایت فرمایا؛ چنانچہ انہوں نے میدانِ جنگ میں ستر مشرکوں کو قتل کر دیا اور ستر کو قید کر لیا۔

جنگ کے آغاز میں کفار کی طرف سے ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ولید بن عتبہ نے صفوں سے آگے بڑھ کر دعوتِ مبارزت دی، تو مقابلہ کے لیے تین انصاری نوجوان آگے بڑھے۔ قریشی کہنے لگے ہم تمہارے ساتھ مقابلہ نہیں کریں گے ہماری مراد تو برادرانِ عم زاد سے ہے، جو کہ برابر کی چوٹ ہیں؛ چنانچہ ان کی یہ بات سن کر حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلبؓ اور حضرت علیؓ جیسے بہادر آگے بڑھے۔ حضرت علیؓ نے اپنے مدمقابل ولید کا سر تن سے جدا کر دیا، حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو خاک وخون میں تڑپا دیا۔ حضرت عبیدہؓ اور

---

[1] القمر ۴۵

عتبہ نے مقابلہ کیا، ابھی تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ حضرت حمزہؓ و علیؓ نے بیک وقت آگے بڑھ کر عتبہ کے سر پر تلوار کا وار کیا اور اس کا کام تمام کر دیا، دونوں نے حضرت عبیدہؓ کو اٹھا لیا، جن کا ایک پاؤں شہید ہو چکا تھا۔ حضرت عبیدہؓ نے کہا آج اگر ابو طالب بقید حیات ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ ان کی نسبت ان کے اس شعر کا میں زیادہ مصداق ہوں ؎

ونسلمه حتى نصرع حوله
ونذهل عن ابنائنا والحلائل

حضرت عبیدہ کا مقام صفراء میں انتقال ہوا تھا، انہی کے بارے میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تھی۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِىْ رَبِّهِمْ[1] — یہ دو (فریق) ایک دوسرے کے دشمن اپنے پروردگار (کے بارے) میں جھگڑتے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰؓ فرمایا کرتے تھے کہ روز قیامت خصومت کے لیے سب سے پہلے اللہ کے سامنے میں کھڑا ہوں گا۔

قریش جب لڑائی کے لیے نکلے تو انہیں یکایک وہ لڑائی اور اس کے نتائج یاد آنے لگے، جو ان کے اور بنی کنانہ کے مابین ہوئی تھی؛ چنانچہ ابلیس انہیں تسلی دینے کے لیے سراقہ بن مالک کی صورت میں آیا اور کہنے لگا۔

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ[2] — آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا رفیق ہوں۔

لیکن جب معرکہ گرم ہوا اور ابلیس نے فرشتوں کو اترتے دیکھا تو بھاگ نکلا، قریشیوں نے پوچھا سراقہ کدھر جاتے ہو؟ ابلیس نے جواب دیا۔

اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ[3] — میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے تو خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا سخت عذاب کرنے والا ہے۔

---

[1] الحج ۱۹ [2] الانفال ۴۸ [3] ایضاً

منافقوں اور بیمار دل لوگوں نے خیال کیا تھا کہ فتح و نصرت انہی کی ہو گی جن کی تعداد زیادہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فتح و نصرت تو انہی کا مقدر ہوتی ہے، جو اللہ پر توکل کرتے ہیں دشمن سے مقابلہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں سے جو شخص آج کفار سے جنگ کرے گا اور جہاد میں ثابت قدمی و استقامت کا مظاہرہ کرے گا اور پھر اسی حالت میں شہید ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً جنت میں داخل فرما دے گا۔ یہ سن کر عمیر بن حمام بن جموح جو ہاتھ میں کھجوریں لیے کھا رہے تھے کہنے لگے کہ "اگر یہ کھجوریں ختم ہونے تک میں زندہ رہا تو یہ بڑی طویل زندگی ہو گی"۔ یہ کہہ کر کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور جا کر کفار سے لڑنے لگے حتیٰ کہ جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

دورانِ جنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی، تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچا جس کی آنکھوں میں مٹی نہ بھر گئی ہو، جس کے باعث ان میں سے ہر ایک ششدر ہو گیا کہ کہاں جائے اور کیا تدبیر کرے، پس وہ شکست خوردہ بھاگنے لگے اور مسلمان ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرتے اور گرفتار کرتے جاتے تھے، اسی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت مبارکہ میں کیا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ [1]	اور (اے محمدؐ) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔

جنگ ختم ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوجہل کو دیکھو، کس حال میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ عفراء کے صاحبزادے معوذ رضی اللہ عنہ اور عوف رضی اللہ عنہ اس کا کام تمام کر چکے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی داڑھی کو پکڑ کر کہا کہ تو ہی ہے ابوجہل؟ آج کسے عزت حاصل ہوئی؟ پھر خود ہی جواب دیا، "اللہ اور اس کے رسول کو"۔ پھر ابوجہل کی لاش سے مخاطب ہو کر کہا "اے دشمن خدا! کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل و رسوا

---

[1] الانفال ۱۷

کیا یا نہیں"؟ یہ کہہ کر اس کے سر کو کاٹ لیا اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا ابوجہل کے سر کو تم نے کاٹا ہے"؟ ابن مسعودؓ نے اثبات میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا "حمد وثنا کے لائق وہ ذاتِ اقدس ہے، جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس تنہا ذات نے کفار کے تمام لشکروں کو شکست فاش سے دوچار کیا، پھر آپ نے ابن مسعودؓ سے فرمایا چلو مجھے ابوجہل کی لاش دکھاؤ، ابن مسعودؓ آپؐ کو اس کی لاش کے پاس لے آئے، تو آپ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا "یہ شخص اس امت کا فرعون تھا"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے علی کو گرفتار کر لیا تھا حضرت بلالؓ نے جب امیہ کو دیکھا کہ وہ انہیں مکہ میں بہت ستایا کرتا تھا، تو فرمانے لگے "امیہ کفر کا سر ہے، آج میں نہیں یا یہ نہیں"۔ انصار کی ایک جماعت نے دیکھا تو وہ بھی امیہ پر ٹوٹ پڑے، امیہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کا دوست تھا لہٰذا وہ اسے بچانے کے لیے اس کے اوپر گر پڑے لیکن صحابہ نے عبدالرحمٰنؓ کے نیچے پڑے ہوئے امیہ کو تلواریں مار مار کر ختم کر دیا حتی کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے پاؤں پر بھی تلوار لگ گئی۔

لڑائی کے دوران حضرت عکاشہ بن محصنؓ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک چھڑی عنایت فرمائی، عکاشہ نے اسے ہاتھ میں لے کر ہلایا تو خدا کے حکم سے اس نے ایک دراز تلوار کی صورت اختیار کر لی، چنانچہ وہ زندگی بھر اسی تلوار سے کام لیتے رہے حتیٰ کہ یوم الردۃ جام شہادت نوش فرما گئے۔

لڑائی ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی مقتولوں کی لاشوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا "تم نبی کے قبیلہ کے بدترین شخص تھے، میں نے تمہیں ایمان کی دعوت دی مگر تم نے میری تکذیب کی جب کہ دوسرے لوگوں نے تصدیق کی، تم نے مجھے رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن دوسرے لوگوں نے میری عزت کی اور تم نے مجھے نکال دیا مگر اور لوگوں نے مجھے اپنے پاس جگہ دی"۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ ان کی لاشوں کو گڑھے میں ڈال دو، جب ارشاد نبوی کی تعمیل کی جا چکی تو آپ نے انہیں نام بنام خطاب کرتے ہوئے فرمایا

"اے عتبہ، اے شیبہ، اے فلاں، اے فلاں، تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے بھی اس وعدہ کو صحیح پالیا کیونکہ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا میں نے اُسے صحیح پایا ہے"۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ان اجسام سے کیسے گفتگو فرما رہے ہیں، جن میں روح ہی باقی نہیں رہی، فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اسے ان کے مقابلہ میں ان سے زیادہ نہیں سن سکتے"۔

پھر آپ مؤید و منصور ٹھنڈی آنکھوں سے قیدیوں اور مال غنیمت کو لیے ہوئے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے، مقام صفراء پر پہنچ کر آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا اور نضر بن حارث کی گردن اُڑائی، عرق ظبیہ میں عقبہ بن ابی معیط کو واصل جہنم کیا، مدینہ منورہ میں جب مؤید و منصور حالت میں قدم رنجہ فرمایا تو ہر دشمن کے دل پر آپ کا رعب طاری ہو چکا تھا، اہل مدینہ میں سے بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے حتیٰ کہ آپ کی فتح و نصرت کو دیکھتے ہوئے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے بھی بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہنا شروع کر دیا۔

جنگ بدر میں شرکت فرمانے والے صحابہ کرام کی تعداد تین سو دس سے کچھ اوپر تھی، جن میں سے چودہ سعادت مندوں نے جام شہادت نوش فرمایا

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو اہل مکہ نے انہیں ہجرت نہ کرنے دی بلکہ فتنے میں مبتلا کر دیا اور وہ ان کے دام فریب میں پھنس گئے، پھر جب جنگ بدر ہوئی تو وہ مکہ والوں کے ساتھ میدان میں آئے حتیٰ کہ قتل ہو گئے، انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ درج ذیل آیت کریمہ نازل فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ۔ — جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے

بدر کی غنیمتوں کی تقسیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اموال غنیمت کو جمع کر لیا جائے، جمع کرنے کے بعد صحابہ کرام میں

کچھ اختلاف رائے سا پیدا ہو گیا۔ جمع کرنے والوں کا خیال تھا کہ سارا مالِ غنیمت ہمیں ہی ملنا چاہیے، جنگجو مجاہدین کا کہنا تھا کہ اگر ہم دشمن کو شکست نہ دیتے تو یہ مالِ غنیمت ہاتھ نہ آتا لہٰذا اس پر ہمارا حق سب سے زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والوں نے کہا کہ ہمارا حق سب سے زیادہ ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ سے لے کر رسول اللہ کے ہاتھ میں دے دیا اور اس آیت مبارکہ کو نازل فرمایا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ۔

(اے محمدؐ! مجاہد لوگ) تم سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے) کہہ دو کہ غنیمت خدا اور اس کے رسول کا مال ہے۔

آپ نے سارا مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا

ابن اسحاق نے نبیہہ بن وہب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی بھی صحابہ کرام میں تقسیم کر دیئے اور فرمایا قیدیوں سے حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرنا۔ ابوعزیز بن عمیر ایک انصاری صحابی کے حصہ میں تھا، اس کے بھائی مصعب نے ان سے کہا کہ اس پر ذرا سخت ہاتھ رکھنا کیونکہ ان کی بہن کے پاس بہت مال ہے۔ ابوعمیر نے مصعب سے کہا بھائی! میرے بارے میں یہ وصیت کرتے ہو، مصعب نے جواب دیا تمہارے بجائے یہ مجھے زیادہ عزیز ہیں۔ ابوعمیر نے کہا انصار نے میری خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑی حتیٰ کہ بعض اوقات خود کھجوریں کھا کر گزارا کرتے لیکن مجھے کھانا ضرور دیتے کیونکہ رسول اللہ نے انہیں ہمارے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی تھی۔ انہیں اگر روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو مجھے دے دیتے، میں حیا کے باعث خود نہ کھاتا بلکہ انہیں میں سے کسی کو دے دیتا لیکن وہ پھر مجھے واپس لوٹا دیتے اور خود نہ کھاتے۔

بدر کے قیدی بدر میں مسلمانوں نے جس طرح ستر کفار کو واصلِ جہنم کیا، اسی طرح ستر ہی کو گرفتار بھی کیا تھا ان قیدیوں کے بارہ میں رسول اللہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو صدیق اکبرؓ نے مشورہ دیا کہ آپ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیں، اس طرح ہمیں

ان سے جو دولت ملے گی وہ کفار کے مقابلہ میں ہماری طاقت بڑھانے کا سبب بنے گی اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ انہیں آئندہ ہدایت عطا فرما دے لیکن حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ بخدا میری یہ رائے نہیں بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں، یہ کفر کے امام اور شرک کے صنادید ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی رائے کو پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں بعض لوگوں کے دلوں کو بہت زیادہ نرم کر دیتے ہیں اور بعض کے دلوں کو پتھروں سے بھی سخت، ابوبکر تمہاری مثال حضرت ابراہیم کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا۔

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[1]

سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔

یا تمہاری مثال حضرت عیسیٰ کی طرح ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ[2]

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔

اور اے عمرؓ! تمہاری مثال حضرت موسیٰؑ کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ[3]

اے پروردگار ان کے مال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔

نیز تمہاری مثال حضرت نوحؑ جیسی ہے، انہوں نے فرمایا تھا۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا[4]

میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بسا نہ رہنے دے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم آجکل مفلس ہو لہٰذا فدیہ لیے بغیر کسی کو نہ چھوڑا جائے یا پھر ان کی گردن اڑا دی جائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ

پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی

---

[1] ابراہیم ۳۶ [2] المائدۃ ۱۱۸ [3] یونس ۸۸ [4] نوح ۲۶

لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ۔ رہیں، جب تک کافروں کو قتل کر کے ازمین میں کثرت سے خون نہ بہا دے۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اگلے دن جب میں دربار نبوی میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تاکہ اگر رونے کی بات ہے تو میں بھی رونے لگ جاؤں اور اگر رونے کی بات نہیں ہے تو پھر بھی آپ کے اتباع میں رونے لگوں"۔ آپ نے فرمایا اس کا سبب اس فدیہ والی تجویز کو قبول کرنا ہے، جو کل تمہارے کچھ دوستوں کی طرف سے پیش کی گئی تھی اور اگر اس تجویز پر عمل کرنے کے باعث اس درخت پر ـــــ قریب کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ـــــ عذاب نازل ہوتا تو تمہارے سوا کوئی نہ بچتا۔

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تجویز پیش کی کہ حضرت عباسؓ چونکہ ہمارے ہمشیرزادے ہیں۔ لہٰذا ان سے فدیہ نہیں لینا چاہیئے لیکن آپؐ نے اس تجویز سے اتفاق نہ فرمایا' بلکہ فرمایا کہ ایک درہم بھی کم نہ لو۔

۲ھ اور غزوہ بنی قینقاع

۲ھ میں غزوہ بنی قینقاع ہوا، بنو قینقاع کا تعلق مدینہ کے یہودیوں سے تھا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے عہد کو توڑ ڈالا تھا، آپؐ نے ان کا پندرہ دن تک محاصرہ کیے رکھا، آخر مجبور ہو کر انہوں نے آپؐ کی اطاعت قبول کر لی لیکن عبداللہ بن ابی بن سلول نے ان کے بارے میں نہایت اصرار کے ساتھ سفارش کی کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ آپؐ نے انہیں چھوڑ دیا، ان کی تعداد سات سو تھی اور ان کا تعلق عبداللہ بن سلام کے خاندان سے تھا۔

غزوہ اُحد

غزوہ احد شوال ۳ھ میں پیش آیا۔ اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ جب قریش پر جنگ بدر میں مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تو وہ اپنے موجودہ سردار ابو سفیان کے پاس آئے اور اس سے اپنے مقتولوں کے بارے میں گفتگو کی؛ چنانچہ ابوسفیان نے انتقام کے لیے تین ہزار افراد کی فوج تیار کی، اپنے حلیفوں اور حبشیوں کو بھی ساتھ ملایا

اور عورتوں کو بھی میدان میں لے کر آئے تاکہ وہ غیرت دلائیں اور یہ میدان سے فرار نہ ہوں اس تمام لاؤ لشکر سمیت ابوسفیان نے مدینہ کا رخ کیا اور اُحد پہاڑ کے قریب آکر پڑاؤ ڈال دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے یا شہر میں رہتے ہوئے تاہم آپؐ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ ہی میں ٹھہرے رہیں، اگر کفار مدینہ کے اندر داخل ہوگئے، تب ہم ان سے جنگ کریں گے اور گھروں کے اوپر سے ان پر تیر برسائیں گے، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا، البتہ فضلاء صحابہ کی وہ جماعت جسے جنگ بدر میں شرکت کا موقعہ نہ ملا تھا، اس کا اصرار تھا کہ دشمنوں سے مقابلہ کے لیے شہر سے باہر نکلیں؛ چنانچہ آپ اٹھ کر گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر تشریف لے آئے، مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا مطالبہ کرنے والوں نے محسوس کیا کہ ہمارے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ ہم آپؐ کی رائے کے خلاف رائے دیتے لہٰذا ہمیں اپنی رائے واپس لے لینا چاہیے؛ چنانچہ انہوں نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا "حضورؐ! اگر آپ پسند فرمائیں تو مدینہ میں ہی تشریف رکھیں"؛ آپؐ نے فرمایا "کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب وہ اپنی زرہ پہن لے تو اسے اتار دے، جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے"۔

آپؐ اپنے ایک ہزار ساتھیوں سمیت مدینہ طیبہ سے باہر نکلے اور اس موقع پر آپ نے مدینہ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو حاکم مقرر فرمایا۔ انہی دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے اور آپ کی تلوار کی نوک ٹوٹ گئی ہے۔ نیز یہ کہ آپ نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں داخل کردیا ہے اور گویا آپ کسی مینڈھے کو گھسیٹ رہے ہیں اور آپ کے ساتھی گائے کو ذبح کر رہے ہیں۔ پھر آپ نے اس خواب کی تعبیر یہ بیان فرمائی کہ تلوار ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ اہل بیت میں سے کوئی شخص شہید ہوگا، زرہ حصینہ سے مدینہ مراد ہے، مینڈھے سے مراد یہ ہے کہ سر لشکر کو قتل کردیا جائے گا۔ جب آپؐ مدینہ سے باہر نکلے تو صحابہ کرام کو تقویٰ اور لڑائی کے وقت صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے کی وصیت فرمائی نیز فرمایا کہ ہر حال میں اللہ کے احکام کی تعمیل کرنا۔

مدینہ سے ابھی تھوڑی دور ہی باہر گئے تھے کہ عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس آگیا اور اس نے بہانہ یہ بنایا کہ میری رائے کو تسلیم نہیں کیا گیا، دوسرے لوگوں کی رائے کو ترجیح دی گئی ہے، لوگو! اب تم ہی بتاؤ کہ ہم باہر نکل کر کیوں اپنے آپ کو تباہی و بربادی کے سپرد کریں؟ حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ بن عمر نے خاصی دور تک ان کا تعاقب کیا اور بار بار کہا کہ راہِ فرار اختیار نہ کرو بلکہ آؤ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو یا کم سے کم دفاع ہی کرو لیکن وہ یہی کہتے رہے ہمیں معلوم نہ تھا کہ تم لڑائی کے لیے سنجیدہ ہو ورنہ ہم گھروں سے ہی نہ نکلتے عبداللہ یہ جواب سن کر انہیں برا بھلا کہتے ہوئے واپس آگئے۔

کچھ انصاری صحابہ کرام نے تجویز پیش کی کہ اپنے حلیف یہودیوں سے مدد لے لینی چاہیے لیکن آپؐ نے اس تجویز کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ہم یہودیوں سے قطعاً مدد نہیں لیں گے

دورانِ سفر آپؐ بعض انصاری صحابہ کی معیت میں مربع بن قیظی منافق کے باغ کے پاس پہنچے، تو وہ اندھا مسلمانوں کی طرف مٹی اڑاتے ہوئے اٹھا اور بڑبڑایا کہ اگر تم اللہ کے رسول ہو تو تمہیں باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، صحابہ کرامؓ نے گستاخی کا یہ کلمہ سنا تو آگے بڑھنے لگے تاکہ اسے گستاخی کا مزہ چکھا دیں لیکن آپؐ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے قتل مت کرو یہ دل کا بھی اندھا ہے اور آنکھوں سے بھی اندھا۔

پھر آپؐ اور آگے بڑھے حتیٰ کہ احد پہاڑ کی گھاٹی میں خیمہ زن ہوئے اور آپؐ نے اپنی اور اپنے لشکر کی پشت احد کی طرف کر لی اور فرمایا جب تک میں حکم نہ دوں لڑائی شروع نہ کی جائے۔ ہفتہ کی صبح آپؐ نے لڑائی کی تیاری فرمائی، اب مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی تھی، جن میں سے پچاس شہسوار تھے، اسی طرح پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں آپؐ نے مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ تم لوگ پشت کی طرف سے ہماری حفاظت کرتے رہو تاکہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکے نیز آپؐ نے فرمایا کہ تم نے مرکز کو نہ چھوڑنا خواہ تم پرندوں کو دیکھو کہ وہ لشکر کو اچک کر لے جا رہے ہیں! نیز فرمایا کہ اگر مشرکین حملہ کر دیں تو تم ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دینا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درعیں زیبِ تن فرمائی تھیں، آپؐ نے پرچم حضرت مصعب

بن عمیرؓ کو عنایت فرمایا، لشکر کے ایک طرف حضرت زبیر بن عوامؓ اور دوسری طرف حضرت منذر بن عمرو کو متعین کیا گیا، بعض کم سن صحابہ مثلاً ابن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، براءؓ، زید بن ارقمؓ، زید بن ثابتؓ اور عرابہ اوسیؓ کو آپؐ نے کم سنی کی وجہ سے لڑائی میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ البتہ نوخیز لیکن تنومند صحابہ کرام کو اجازت دے دی تھی۔

قریش کا لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا، جن میں سے دو سو شہسوار تھے، لشکر قریش کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ میں اپنی تلوار حضرت ابو دجانہ کو عنایت فرمائی۔

مشرکوں میں سے ابو عامر عبد عمرو بن صیفی فاسق نے جو کہ راہب کے نام سے مشہور تھا جنگ کا آغاز کیا، زمانہ جاہلیت میں یہ شخص قبیلہ اوس کا سردار تھا، جب مدینہ میں اسلام آیا تو اس شخص نے نہ صرف یہ کہ خود کھلم کھلا مخالفت کی بلکہ قریش کے پاس جا کر انہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا، جنگ میں بھی اس نے مسلمانوں کے خلاف بڑی سرگرمی دکھائی حتی کہ اس نے پتھر بھی پھینکے۔ لشکرِ اسلام میں سے حضرات ابو دجانہ، طلحہ، حمزہ، علی، نضر بن انس اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم نے شجاعتوں اور بسالتوں کے خوب خوب جوہر دکھائے۔

دن کے ابتدائی حصہ میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل رہا اور دشمنانِ خدا شکست خوردہ ہو کر بھاگ گئے حتی کہ بھاگتے ہوئے اپنی عورتوں کے کیمپ تک جا پہنچے، مسلمان تیراندازوں نے جب مشرکوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے آؤ مال غنیمت سمیٹ لیں، ان کے امیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد دلایا لیکن انہوں نے بات نہ سنی اور درہ کو خالی کر دیا، جونہی تیراندازوں نے اموالِ غنیمت کا رخ کیا تو مشرکوں نے خالی درہ کی طرف سے پلٹ کر از سر نو مسلمانوں پر حملہ کر دیا؛ چنانچہ ستر صحابہ کرام خلعتِ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے لیکن شدہ شدہ دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا، حتی کہ آپ کے جسد اطہر پر کئی زخم آگئے، چار دندان مبارک بھی شہید ہو گئے حضرت مصعب بن عمیرؓ نے آپ کے سامنے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کی شہادت کے بعد پرچم حضرت علی بن ابی طالبؓ کو دے دیا گیا۔ مشرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہتے تھے لیکن دس

جانثار صحابہ کرامؓ نے جام شہادت نوش فرما کر آپ کا تحفظ کیا، ابو دجانہؓ نے اپنی کمر کو آپ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ کمر پر بے شمار تیر پیوست ہوئے لیکن انہوں نے ذرّہ بھر حرکت نہ کی، طلحہ بن عبید اللہؓ نے بھی شجاعت کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ حتیٰ کہ مشرک بھاگ جانے پر مجبور ہو گئے۔ قتادہ بن نعمانؓ کی آنکھ دشمن کے تیر سے ایسی زخمی ہوئی کہ پپوٹے سے نکل کر ان کے چہرہ پر لٹک گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اسے اپنی جگہ پر بٹھا دیا کہ وہ بالکل اچھی ہو گئی بلکہ دونوں آنکھوں میں وہ پہلے کی نسبت بہت بہتر ہو گئی۔

جنگ کی افراتفری کے عالم میں شیطان نے یہ افواہ پھیلا دی کہ لوگو! حضرت محمدؐ شہید ہو گئے ہیں، صحابہ کرامؓ یہ سن کر نہایت حیران و سراسیمہ ہو گئے، حضرت انسؓ بن نضرؓ نے دیکھا کہ سراسیگی کے باعث کچھ صحابہ کرامؓ نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، انہوں نے استفسار کیا تو بتایا گیا کہ حضورؐ شہید ہو چکے ہیں، تو آپ نے کہا پھر آپؐ کے بعد ہمارے لیے جینے میں کیا مزہ ہے، آیئے ہم بھی اسی مشن کی خاطر کٹ مریں جس پر حضور نثار ہوئے ہیں، یہ ایمان پرور بات سنتے ہی وہ سب حضرات پھر نئے جوش اور ولولہ کے ساتھ دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت انس بن نضرؓ کی حضرت سعد بن معاذؓ سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے "سعد! بخدا مجھے احد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے"۔ پھر یہ شیرِ خدا دشمن کے لشکر پر ٹوٹ ٹوٹ پڑا، دشمن کے چھکے چھڑا دیئے، بے شمار کافروں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد خود بھی جام شہادت نوش فرما گئے آپ کے جسم مبارک پر ستر زخم گنے گئے اسی جنگ میں وحشی حبشی نے حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ کو حبشیوں کے طریقہ کے مطابق نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے جمگھٹے کی طرف سے نکل کر جب مسلمانوں کی طرف تشریف لائے تو حضرت کعب بن مالکؓ نے آپ کو دیکھ کر بلند آواز سے کہا "مسلمانو! یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ چپ رہو لیکن مسلمان حضرت کعبؓ کی آواز سنتے ہی پروانوں کی صورت آپ کے گرد جمع ہو کر اس گھاٹی میں جا گھریں ہو گئے جس میں آپ تشریف فرما تھے۔

مسلمانوں نے جب جبل احد کو پھر اپنی پشت کی جانب کر لیا تو سامنے سے گھوڑے

پرسوار ابی بن خلف آیا وہ مکہ میں کہہ کر آیا تھا کہ میں اسی گھوڑے پر سوار ہو کر (حضرت محمدؐ کو (خاکم بدہن) قتل کردوں گا، لیکن وہ جب آپ کے قریب آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نیزہ مارا جس سے اس کی گردن پر زخم لگا اور وہ دم دبا کر بھاگ گیا اور شدت تکلیف سے کراہنے لگا تو اس کے ساتھیوں نے کہا کہ تجھے کوئی گہرا زخم تو نہیں لگا تو پھر یہ گھبراہٹ کیوں؟ کہنے لگا "خدا کی قسم! جو شدید تکلیف مجھے ہو رہی ہے اگر یہ تمام ذوالمجاز والوں کو مجموعی طور پر پہنچتی تو وہ سب کے سب اس تکلیف کے باعث مرجاتے اسی تکلیف کے باعث اُبی مکہ کی طرف واپسی کے موقعہ پر مقام سرف میں مرگیا۔

جنگ کے دوران جب نماز کا وقت ہو گیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھائی تھی حنظلہؓ بن ابی عامر، ابوسفیان کو نشانہ بنانا چاہتے تھے کہ شداد بن اسود نے آگے بڑھ کر حضرت حنظلہؓ کو شہید کر دیا، حضرت حنظلہؓ پر غسل واجب تھا، جب انہوں نے اعلان جہاد سنا تو غسل کیے بغیر فوری طور پر جہاد کیلئے گھر سے نکل آئے تھے: چنانچہ ملائکہ نے آپ کو غسل دیا۔

خاندانِ عبدالاشہل کے اصیرم عمرو بن ثابت بن وقش ___ کے بارے میں ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ جب ان کا خاندان مشرف بہ اسلام ہوا تو وہ مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اُحد کے دن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت پیدا فرمائی تو وہ مسلمان ہوتے ہی میدان میں حاضر ہو گئے حتیٰ کہ جام شہادت نوش فرمایا، شہادت سے قبل ابھی کچھ رمق باقی تھی کہ لوگوں نے پوچھا "اصیرم! میدان میں تمہیں کیا چیز لائی، قومی حمیت یا اسلام کی رغبت"؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو صرف رغبت اسلام کے پیش نظر میدان میں حاضر ہوا ہوں کیونکہ میں اللہ اور رسول پر ایمان لا کر مسلمان ہو چکا ہوں"۔ انہوں نے یہ کلمات کہے ہی تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ بلاشبہ جنتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا انہیں کبھی موقعہ ہی نہ ملا تھا۔

جب لڑائی ختم ہوئی تو ابوسفیان نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر آواز دی، "کیا محمد موجود ہیں" صحابہؓ نے کوئی جواب نہ دیا ابوسفیان نے پوچھا "کیا ابن ابی قحافہؓ موجود ہیں"؟ صحابہؓ نے کوئی

جواب نہ دیا، ابوسفیان نے پھر پوچھا "کیا عمرؓ بن خطاب موجود ہیں"؟ صحابہ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا تو ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تم ان سے تو محفوظ ہو گئے ہو حضرت عمر فاروقؓ یہ بات سن کر ضبط نہ کر سکے اور فرمانے لگے "اے دشمن خدا! تو نے جن کا نام لیا ہے وہ سب خدا نے تمہیں ذلیل و رسوا کرنے کے لیے باقی زندہ رکھے ہیں"۔ پھر ابوسفیان نے صدا دی "اے ہبل تو سر بلند ہو"۔ حضورؐ نے فرمایا تم نے جواب نہیں دیا؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضورؐ ہم کیا جواب دیں، آپ نے فرمایا تم یہ کہو "اللہ ہی اعلیٰ و اجل ہے"۔ پھر ابوسفیان نے کہا "ہمارے لیے عُزیٰ ہے لیکن تمہارے لیے کوئی عُزیٰ نہیں"۔ حضورؐ نے فرمایا اسے جواب دو، صحابہؓ نے عرض کیا حضورؐ کیسے جواب دیں؟ ارشاد فرمایا یہ کہو "اللہ ہمارا آقا و مولیٰ ہے لیکن تمہارا کوئی آقا و مولیٰ نہیں"۔ ابوسفیان نے کہا آج کے دن کو بدر کے دن کا جواب سمجھو اور لڑائی ڈول کی مانند ہے، جسے کبھی ایک بھر کر نکال لیتا ہے اور کبھی دوسرا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "لیکن نسبت کوئی نہیں ہمارے شہید جنت میں جائیں گے اور تمہارے مقتول جہنم رسید ہوں گے"۔

بدر و احد دونوں لڑائیوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ طاری فرما دی تھی اور یاد رہے کہ لڑائی میں اونگھ رحمٰن کی طرف سے ہوتی ہے جب کہ نماز اور مجالسِ ذکر میں شیطان کی طرف سے۔ اُحد میں تو فرشتوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قتال میں حصہ لیا تھا؛ چنانچہ صحیحین میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں نے میدانِ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کی معیت میں سفید لباس زیب تن کیے ہوئے دو آدمی نہایت شدت کے ساتھ مصروف پیکار تھے، میں نے اس سے پہلے یا بعد انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

میدانِ جنگ میں ایک مہاجر صحابی اپنے ایک انصاری بھائی کے پاس سے گزرے جو کہ خاک و خون میں تڑپ رہے تھے تو انہوں نے اسے کہا اے بھائی! تمہیں معلوم ہے کہ حضورؐ جامِ شہادت نوش فرما گئے ہیں؟ انصاری نے جواب دیا کہ اگر حضورؐ خلعتِ شہادت سے سرفراز ہو چکے ہیں، تو آپ تبلیغ احکام الٰہی کے فریضہ سے بھی عہدہ برا ہو چکے ہیں لہٰذا

تم اپنے دین کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ کے موقعہ پر ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔ [1]

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (خدا کے) رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ بھلا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور خدا شکر گزاروں کو (بڑا) ثواب دے گا۔

احد کا دن انتہائی ابتلاء و آزمائش کا دن تھا، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی آزمائش فرمائی اور منافقوں کو ظاہر کر دیا اور جسے چاہا خلعتِ شہادت سے نوازا، قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ۱۲۱ سے لے کر ۱۸۰ تک کی آیات میں جنگِ احد کا تذکرہ فرمایا ہے۔

قریشی جب واپس جا رہے تھے تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم کچھ نہیں کر سکے، مسلمانوں کی شان و شوکت بدستور بحال ہے، ان کے سرکردہ لوگ ابھی تک بقید حیات ہیں جو کسی وقت بھی تمہارے مقابلے کے لیے جمع ہو سکتے ہیں لہٰذا آؤ واپس جا کر سب کا کام تمام کر آئیں!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس خبر کے بارے میں اطلاع موصول ہو گئی تو آپ نے بھی مقابلہ کا اعلان کر دیا اور فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ جائیں جو پہلے بھی شرکت کر چکے ہیں۔ ابن ابی نے کہا "حضور! میں آپ کے ساتھ جا سکتا ہوں"؟ آپ نے فرمایا "نہیں بالکل نہیں"۔ مسلمان ارشادِ نبوی سنتے ہی اپنے زخموں کی تازگی اور شدت کے باوصف سر پر کفن باندھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت جابرؓ نے عرض کیا حضورؐ! میری خواہش ہے کہ لڑائی کے موقعہ پر مجھے آپ کی صحبت کا شرف حاصل رہے، احد کے موقعہ پر میں اس لیے محروم رہا

---

[1] آل عمران ۱۴۴

کہ میرے اباجان نے مجھے بہنوں کی حفاظت کے لیے مامور کر دیا تھا لہٰذا اب مجھے ضرور اجازت ملنی چاہیے"۔ آپ نے اجازت عنایت فرما دی۔

مسلمان تیاری کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں شہر سے باہر نکلے حتیٰ کہ حمراء الاسد تک پہنچ گئے اِدھر ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو معلوم ہوا تو وہ مکہ واپس چلے گئے، ابوسفیان نے واپسی کے وقت اپنے ساتھیوں سے یہ شرط لی کہ تم میں سے اگر کسی کا بھی آنحضرتؐ یا صحابہ میں سے کسی کے پاس سے گزر ہو تو انہیں ہماری تیاریوں اور عزائم کے متعلق بتا کر مرعوب کرنا ہوگا؛ حضور اور صحابہ کرامؓ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے صرف اسی کلمہ پر اکتفاء کیا کہ۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

۴ھ

صفر ۴ھ میں حضرت خبیبؓ اور ان کے جانباز رفقاء کا واقعہ پیش آیا، جو زبان زدِ عام وخاص ہے۔

بئرِ معونہ

اسی سال کے اسی مہینے میں بئرِ معونہ کا واقعہ پیش آیا، ماہِ ربیع الاول میں غزوہ بنی نضیر ہوا، اسی غزوہ کے بارہ میں سورہ حشر نازل ہوئی۔

۵ھ اور غزوہ مریسیع

۵ھ میں بنی مصطلق کے ساتھ غزوہ مریسیع ہوا، جس کا سبب یہ تھا کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی غرض سے ایک لشکر جمع کر لیا تھا۔ اس اطلاع پر آپؐ ان کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے آپ نے ان کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا تھا اور ان کے اونٹوں اور بکریوں وغیرہ کو بھی پکڑ لیا تھا، قیدیوں میں ان کے سردار کی بیٹی جویریہ بنت حارث بھی تھی، جو کہ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی لیکن بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتبت کی رقم ادا کر کے انہیں اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا۔ اس شادی کے باعث مسلمانوں نے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانوں کے افراد کو آزاد کر دیا تھا کیونکہ اب اس خاندان کے ساتھ آنحضرتؐ کا رشتہ مصاہرت قائم ہو چکا تھا۔

قصۂ افک

اسی غزوہ میں قصۂ افک پیش آیا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ سفر پر جاتے ہوئے قرعہ اندازی کر کے

ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کو ساتھ لے جایا کرتے تھے، اس سفر میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ آپ کے ہمراہ تھیں، غزوہ سے واپسی کے موقعہ پر ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لیے لشکر سے دور تشریف لے گئیں، جب قافلہ کی طرف واپس آ رہی تھیں تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کا ہار گم ہو گیا ہے، اس لیے آپ واپس جا کر اُسے تلاش کرنے لگیں، وہ ہار تو مل گیا لیکن جب پڑاؤ پر واپس آئیں تو دیکھا کہ لشکر روانہ ہو چکا ہے لہذا آپ وہیں بیٹھ گئیں اور آپ پر نیند کا غلبہ ہو گیا تو وہیں سو گئیں، صفوان بن معطلؓ جو اسلامی لشکر کے پیچھے پیچھے لشکر کے سامان کی دیکھ بھال کے لیے چلا کرتے تھے، ان کی نظر آپ پر پڑی تو ان کے منہ سے بے ساختہ انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا، یہ سن کر یک دم آپ کی آنکھ کھل گئی، انہوں نے اپنے اونٹ کو بٹھا کر آپ کو اس پر سوار کر دیا اور خود مہار پکڑ کر پیدل روانہ ہوئے حتی کہ مقام "نحر الظہیرۃ" میں لشکر سے جا ملے۔ اس واقعہ کو بہانہ بنا کر عبداللہ بن ابی نے لشکر میں افک کا واقعہ پھیلا دیا، پھر لشکر کے مدینہ پہنچنے کے بعد یہی بات وہاں بھی پھیل گئی کیونکہ عبداللہ بن ابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت اور حسد رکھتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ پر سکوت اختیار فرمایا اور پھر بعد میں صحابہ کرامؓ سے حضرت عائشہؓ کے بارہ میں مشورہ بھی فرمایا حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ آپ جدائی اختیار فرمالیں، حضرت اسامہؓ کا مشورہ یہ تھا کہ آپ جدائی اختیار نہ فرمائیں۔ ادھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ایک مہینہ تک اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے کوئی وحی نازل نہ فرمائی۔ اس سے بھی مقصود یہ تھا کہ مومنوں کے ایمان میں اضافہ ہو جائے اور وہ ثبات، عدل اور صداقت کو اختیار کریں اور منافقوں کے افک اور نفاق میں مزید اضافہ ہو جائے ادھر حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کے والدین پر اللہ کی نعمتوں کا اتمام، مخلوق سے ان کی بے نیازی اور فتح و نصرت کے سلسلہ میں ان کا صرف اللہ ہی سے لو لگانا بھی مقصود تھا۔

حضورؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے جب کہ ان کے پاس ان کے والدین بھی موجود تھے۔ آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا "عائشہؓ! اگر تو بے گناہ ہے تو اللہ تعالیٰ یقیناً تمہاری برأت فرمائے گا اور اگر تجھ سے گناہ کا ارتکاب ہو گیا ہے، تو خدا سے معافی مانگو کیونکہ بندہ

جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اپنے اللہ سے معافی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں"۔ ارشادات نبوی سننے کے بعد حضرت عائشہؓ نے والد محترم سے کہا میری طرف سے آپ کو جواب دیجیے؟ حضرت صدیقؓ نے فرمایا خدا کی قسم! مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں کیا عرض کروں، پھر حضرت عائشہؓ نے مادر مہربان کی خدمت میں بھی یہ عرض کیا تو انہوں نے بھی حضرت صدیقؓ جیسا جواب دیا۔ پھر حضرت صدیقہ خود گویا ہوئیں" اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور میرا اللہ بخوبی جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں، تو تم لوگ میری بات کی تصدیق نہ کرو گے، میری اور تمہاری مثال تو حضرت یوسف کے باپ کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۔

اس کے تھوڑی دیر بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمادی، وحی کے نزول کے وقت مجھے اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ حق بات نازل فرمائیں گے البتہ میرے والدین کی کیفیت یہ تھی کہ شاید ابھی ابھی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے گی، وحی کے نازل ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلے جو بات ارشاد فرمائی وہ یہ تھی "عائشہؓ اللہ تعالیٰ نے تجھے بری قرار دے دیا ہے"۔ اس پر میرے والدین نے کہا کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بجا لاؤ۔ میں نے عرض کیا" نہیں واللہ نہ میں آپ کی تعظیم کو کھڑی ہوں گی اور نہ خدا کے سوا کسی اور کی تعریف کروں گی"۔ بقول بعض حضرت حسان بن ثابتؓ بھی اہل افک میں شامل تھے، لیکن بعد میں انہوں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں معذرت پیش کی اور ان کی مدح میں یہ اشعار کہے ؎

حصان رزان ما تزن بریبۃ   وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

پاکباز ہے، پاک دامن ہے، انہیں کسی بھی شک کے ساتھ متہم نہیں کیا جا سکتا، لوگوں کا گوشت نہ کھانے کی وجہ سے یعنی غیبت نہ کرنے کی وجہ سے بھوکی ہوتی۔

عقیلۃ حی من لؤی بن غالب   کرام المساعی مجدھم غیر زائل

خاندان لوی بن غالب کی سب سے عقلمند خاتون ہیں، مجد و شرف کے امور کے سلسلہ میں سرگرم عمل ہیں اور اس خاندان کا شرف کبھی ختم نہ ہو گا۔

مهذبۃ قد طیب اللہ خیمہا وطہرہا من کل سوء و باطل

نہایت مہذب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت کو پاکیزہ بنایا ہے اور ہر بری اور باطل چیز سے پاک رکھا ہے۔

لئن کان ما قد قیل عنی قلتہ فلا رفعت سوطی الیّ أناملی

میرے بارے میں جو کہا گیا ہے اگر میں نے کہا ہے تو خدا کرے کہ میری انگلیاں کوڑے کو نہ اٹھا سکیں یعنی میرے ہاتھ شل ہو جائیں۔

وکیف؟ وودی ما حییت ونصرتی لآل رسول اللہ زین المحافل

یہ کیسے ممکن ہے جب کہ میری محبت اور نصرت آل رسول کے لیے وقف ہے، جو کہ سب محفلوں کی زینت ہے۔

حضرت عائشہ یہ پسند نہ فرماتی تھیں کہ حضرت حسانؓ کا ذکر نا شائستہ انداز میں کیا جائے کیونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ شعر کہا تھا ؎

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

بے شک میرا باپ، میری ماں اور میری عزت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر نثار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ عائشہؓ کی برأت میں جو آیات نازل فرمائیں، ان کا تعلق سورۂ نور سے ہے اور آغاز درج ذیل آیت مبارکہ سے ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ۔ جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے۔

غزوۂ احزاب

اسی سال یعنی ۵ھ کے ماہِ شوال میں واقعہ خندق پیش آیا جس کا سبب یہ تھا کہ یہود نے جب یہ دیکھا کہ احد میں مشرکین مکہ کا پلہ کچھ بھاری رہا تو ان کے کچھ سر کردہ لوگ جن میں سلام بن ابی الحقیق بھی تھا۔ مکہ کے قریشیوں کے پاس گئے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی دعوت دی اور انہیں اپنی طرف سے بھرپور مدد کا یقین دلایا، قریش نے یہود کی بات کو تسلیم کر لیا، پھر یہ یہودی بنو غطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی جنگ پر آمادہ کیا، انہوں نے بھی شرکت

کا وعدہ کر لیا پھر یہ مختلف قبائل عرب کے پاس گئے، ان میں سے بھی کچھ لوگ مان گئے، قریشی لشکر چار ہزار کی تعداد میں تھا، جس کی قیادت ابوسفیان کر رہے تھے، یہ مکہ سے نکل کر ابھی مرّالظہران تک ہی پہنچے تھے کہ بنوسلیم، بنواسد، فزارہ اور اشجع وغیرہ قبائل بھی ان سے آملے اس طرح غزوہ خندق کے موقعہ پر مشرکین کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی کہ دشمن بڑی زبردست تیاریاں کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ شہر سے باہر خندق کھود لی جائے جو ہمارے اور دشمن کے درمیان رہے؛ چنانچہ آپؐ نے اس تجویز کو پسند فرماتے ہوئے خندق کھودنے کا حکم دیا، جس میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بنفس نفیس خندق کی کھدائی میں شرکت فرمائی اور اس اثنا میں آپؐ کی نبوت کی کچھ ایسی آیات کا ظہور ہوا، جو کہ تواتر کی حد تک ثابت ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت سردی کے موسم میں بھوک اور مشقت کے باوصف بڑے ایمانی جوش و خروش کیساتھ صحابہ کرامؓ کو خندق کھودنے میں مصروف دیکھا تو فرمایا ؎

اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ
فاغفر الانصار والمھاجرۃ

اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، تو انصار اور مہاجرین کے گناہوں کو معاف فرما دے۔ شمع رسالت کے جانثار پروانوں نے جواب میں عرض کیا ؎

نحن الذین بایعوا محمدًا
علی الجھاد مابقینا ابدًا

ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی ہے کہ جب تک جان میں جان رہے گی راہ خدا میں جہاد کرتے رہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کے لیے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر تیار کیا، جبل سلع کو پشت کی جانب رکھا گیا جب کہ خندق آگے سے حفاظت کا کام دے رہی تھی عورتوں اور بچوں کو محفوظ ٹیلوں کی طرف بھیج دیا گیا۔

کعب بن اسد قرظی سردار بنو قریظہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم کے لیے باہم امن و آشتی سے رہنے کا معاہدہ کر چکا تھا۔ اس موقع پر حیی بن اخطب نضری جو ان مختلف گروہوں کو جمع کرنے والوں میں شامل تھا، کعب کے پاس پہنچا۔ جب کعب کو حیی کی آمد کا علم ہوا تو اس نے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ حیی نے اس سے ملنے کی اجازت چاہی تو اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حیی نے اس کی بہت منت سماجت کی تو اس نے دروازہ کھول دیا۔ یہ اس سے مل کر اسے برابر اپنے ساتھ شرکت پر آمادہ کرتا اور اسے بہکاتا رہا، حتیٰ کہ کعب نے اس عہد کو توڑ دیا اور اپنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان طے شدہ معاہدہ سے دست بردار ہو گیا اور اپنی قوم سمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مخالف جماعتوں میں شریک ہو گیا۔ جس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہو گیا، آپ نے صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے سعد بن معاذؓ، سعد بن عبادہؓ، خوات بن جبیرؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا، انہوں نے یہودیوں کو انتہائی ابتر حالت میں پایا کہ مسلمانوں کو کھلم کھلا دشنام دے رہے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں بھی گستاخی کر رہے ہیں، انہوں نے واپس جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ساری صورت حال بیان کر دی، مسلمانوں پر یہ باتیں انتہائی گراں گزریں لیکن دوراندیش نبی برحق نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے فرمایا مسلمانو! تمہیں بشارت ہو کہ فتح و نصرت تمہاری قدم بوسی کرے گی۔

یہ انتہائی سخت ابتلا و آزمائش کا دور تھا، منافقین نفاق کا مظاہرہ کر رہے تھے، بنی حارثہ کے بعض افراد حالات کی ناسازگاری سے گھبراتے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے مدینہ واپس جانے کی اجازت طلب کرنے لگے کہ:

إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا[1]	ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے، وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

مشرکوں نے ایک مہینہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کیے رکھا کیونکہ خندق کی وجہ سے لڑائی نہ ہو سکی تھی قریشی لشکر، جن میں مشہور بہادر عمرو بن عبدود بھی تھا خندق

---

[1] الاحزاب ۱۳

کی طرف آیا اور خندق دیکھ کر کہنے لگا واللہ! یہ تو ایک نئی چال ہے، اس سے پہلے تو عرب اس چال سے واقف نہ تھے۔ پھر انہوں نے ایک جگہ خندق کا تنگ دہانہ دیکھا تو گھوڑوں کو ایڑ لگا کر اس طرف سے خندق میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دینے لگے عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں حضرت علیؓ آگے بڑھے، شیرِ خدا نے تلوار کا اس قدر بھرپور وار کیا کہ دشمنِ خدا خاک و خون پر تڑپنے پر مجبور ہو گیا، عمرو کا شمار عرب کے نامور سورماؤں میں ہوتا تھا۔ اس کے قتل ہونے سے اس کے باقی ساتھی بھی دل برداشتہ ہو کر واپس چلے گئے۔

محاصرہ کی مدت جب طول اختیار کر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ سردارانِ غطفان عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے صلح کر لی جائے اس شرط پر کہ وہ اپنی اپنی قوم کے افراد کو لے کر واپس چلے جائیں اور آپ انہیں اس کے صلہ میں مدینہ کے باغات کا تہائی پھل دے دیں گے، آپ نے اس سلسلہ میں جب حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا "حضورؐ! اگر آپ کا حکم ہے تو سرِ تسلیم خم ہے، اگر آپؐ اسے پسند فرماتے ہیں تو پھر بھی ہمارے لیے انکار کی گنجائش نہیں لیکن اگر آپؐ محض ہماری خاطر ایسا کرنا چاہتے ہیں، تو ہماری درخواست ہے کہ آپؐ ایسا نہ کریں کیونکہ ایک وقت تھا ہم بھی مشرک تھے، وہ بھی مشرک تھے لیکن اس وقت مدینہ کے پھلوں کو مہمانی کے طور پر یا خرید کر کھا سکتے تھے لیکن اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی بدولت معزز کر دیا ہے اور آپ کی برکت سے ہمیں عزت بخشی ہے تو ہم انہیں اپنے مال کیوں دیں؟ بخدا! ہم تو انہیں تلوار ہی دیں گے!"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں جانبازوں کی رائے کو نہایت مستحسن قرار دیا۔ اور فرمایا کہ میں تو محض تمہارے لیے ایسا کرنا چاہتا تھا کیونکہ سارا عرب ایک ہی کمان سے تم پر تیراندازی کر رہا ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے ایسے اسباب مہیا فرما دیئے کہ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور دشمن ذلیل و خوار ہو گیا، ہوا یہ کہ خاندانِ غطفان کے نعیم بن مسعود مشرف بہ اسلام ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے "حضورؐ! میں اسلام لے آیا ہوں لہٰذا آپؐ مجھے جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا تم ہی ہم میں

ایک ایسے شخص ہو، اگر کر سکو تو مخالفین میں تفرقہ پیدا کر کے ہمارے مقابلہ سے ہٹا دو کیونکہ جنگ ایک دھوکہ ہوتی ہے۔

نعیم بنو قریظہ کے پاس آئے، بہ زمانہ جاہلیت میں ان کے مصاحب و ہم نشیں تھے، ان سے کہنے لگے کہ تم محمدؐ سے لڑائی کر رہے ہو اور قریش وغیرہ کو تم نے اپنی شرکت سے غالب بنا دیا ہے۔ لیکن قریش تمہاری طرح نہیں ہیں یہ شہر تمہارا شہر ہے، جس میں تمہارے اموال، اولاد اور عورتیں موجود ہیں، تم انہیں یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کر سکتے لیکن قریش کو اگر کوئی فائدہ نظر آیا تو وہ اسے حاصل کریں گے اور اگر معاملہ برعکس ہوا تو وہ اپنے علاقہ میں واپس لوٹ جائیں گے۔ انہوں نے پوچھا "پھر آپ ہی بتائیں کیا کیا جائے"؟ نعیم نے کہا کہ تم اس قوم کے ساتھ ہو کر جنگ نہ کرو جب تک ان کے بعض معززین کو تمہارے پاس رہن نہ رکھ دیں۔ اس پر وہ کہنے لگے تم نے ایک بہترین مشورہ دیا ہے اور نہایت عمدہ نصیحت کی ہے"۔

پھر نعیم قریش کے پاس گئے اور ان سے کہنے لگے کہ "تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے کتنی محبت رکھتا ہوں اور میں تمہارا کتنا خیر خواہ ہوں"۔ انہوں نے کہا اس میں کیا شک ہے؛ نعیم نے کہا کہ مجھے ایک خبر معلوم ہوئی ہے، محبت کا تقاضا ہے کہ میں اسے آپ تک پہنچا دوں۔ بات در حقیقت یہ ہے کہ یہود نے اپنے اور محمدؐ کے درمیان جو عہد شکنی کی ہے، وہ اب اس پر سخت نادم ہیں اور انہوں نے محمدؐ کے پاس قاصد کے ذریعہ پیغام بھجوایا ہے کہ ہم اپنے فعل پر نہایت شرمندہ ہیں کیا آپ ہم سے اس بات پر خوش ہو جائیں گے کہ ہم قریش کے معززین حاصل کر کے تم کو دے دیں اور آپ ان کی گردنیں اڑا دیں؛ لہٰذا اگر یہود تم سے تمہارے آدمی رہن رکھنے کا مطالبہ کریں تو انہیں ایک آدمی بھی نہ دینا۔ پھر نعیم نے غطفان کے پاس جا کر بھی اسی طرح کی بات کی۔

جب ماہ شوال میں ہفتہ کی رات ہوئی تو قریشیوں نے یہود کے پاس ایک وفد بھیجا جس نے جا کر یہ کہا کہ ہم یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں، ہمارے اونٹ اور دوسرے جانور ہلاک ہو چکے ہیں۔ پس تم کل جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ تاکہ ہم محمدؐ سے مقابلہ کر کے اپنے اور ان کے درمیان فیصلہ کر لیں، یہودیوں نے جواب دیا کہ لڑائی کے لیے تم نے ہفتہ کا دن مقرر کیا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف نے ہفتہ کے دن زیادتی کر کے کتنا زبردست خمیازہ

بھگتنا تھا۔ علاوہ ازیں ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ مل کر جنگ کے لیے تیار نہیں جب تک تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس رہن نہ رکھ دو۔ جب پیغامبروں نے واپس آکر یہود کا جواب سنایا تو سب کہنے لگے بخدا! نعیم نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح تھا۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ واللہ! ہم تمہارے پاس اپنا ایک آدمی بھی نہ بھیجیں گے، اس طرح قاصد نے جب بنو قریظہ کو یہ پیغام سنایا تو انہوں نے بھی کہا کہ نعیم نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ اس طرح ان دونوں فریقوں میں پھوٹ پڑ گئی ادھر اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی بھیج دی، جس سے مشرکوں کے خیمے اکھڑ گئے، ہنڈیاں الٹ گئیں، ملائکہ کے لشکروں نے انہیں لرزہ بر اندام کر دیا اور دلوں میں رعب بھر دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا [1]	مومنو خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جو (اس نے تم پر (اس وقت) کی جب فوجیں تم پر (حملہ کرنے کو) آئیں، تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کیے) جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمانؓ کو بھیجا کہ ان کے حالات کا جائزہ لیں، حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں نہایت ابتر حالت میں پایا اور وہ ان حالات کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے فرار ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جب وہ فرار ہو چکے تو صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سمیت خندق سے مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے آئے اور ہتھیار اتار دیئے۔

ظہر کے وقت جبریل امین آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں حالانکہ فرشتے ابھی تک ہتھیار سجائے ہوئے ہیں، آیئے ذرا بنو قریظہ کی بھی خبر لے لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً منادی کرا دی کہ جو مطیع و فرماں بردار مسلمان یہ آواز سن رہا ہے، اس پر فرض ہے کہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں ادا کرے۔ مسلمان صدا سنتے ہی جلدی جلدی بنو قریظہ کی طرف چلنے لگے، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے قلعوں کے قریب تشریف لے گئے، تو

---

[1] احزاب ۹

آپ نے فرمایا "اے بندروں کے بھائیو! کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل و رسوا کر کے تم پر اپنا عذاب نازل نہیں فرمایا"؟ چنانچہ آپؐ نے پچیس راتوں تک ان کا محاصرہ کیے رکھا، حتیٰ کہ محاصرہ کے باعث جب وہ انتہائی مشقت میں مبتلا ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو ان کا سردار کعب بن اسد ان سے کہنے لگا میں تین چیزیں پیش کرتا ہوں، اگر بچنا چاہتے ہو تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو۔ پہلی یہ کہ ہم اس انسان کی نبوت کی تصدیق کر کے ان کی اتباع کر لیں کیونکہ تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ درحقیقت اللہ کے وہی پیغمبر ہیں، جن کا تذکرہ تم نے تورات میں پڑھا ہے، یہودیوں نے کہا کہ ہم تورات کی بات کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ کعب نے کہا اچھا پھر اپنے بیٹوں اور بیویوں کو خود قتل کر دو اور اپنی تلواریں نیام میں ڈال کر اس پیغمبر کے پاس چلو حتیٰ کہ اللہ تمہارے اور ان کے مابین جو چاہے فیصلہ فرما دے۔ یہودیوں نے کہا بچوں اور بیویوں کے قتل کے بعد جینے میں کیا مزہ ہو گا؟ کعب نے کہا دوسری بات یہ ہے کہ ہفتہ کی رات کا انتظار کرو ممکن ہے محمدؐ اور ان کے رفقاء ہفتہ کے دن کی وجہ سے تم پر حملہ آور نہ ہوں لیکن تم ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رات کو ان پر ٹوٹ پڑو، یہودیوں نے کہا ہفتہ کے دن ہم ہرگز کوئی خرابی نہ کریں گے، تمہیں معلوم ہے کہ ہفتہ کے دن سرکشی کرنے والے ہمارے آباء و اجداد کو کیا سزا ملی تھی؟ "افسوس کہ جب سے تمہاری ماؤں نے تمہیں جنم دیا ہے تم نے کبھی عقل کی بات نہیں کی"، کعب نے کہا، اور پھر وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرما دیں، آپؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو ان کے بارہ میں فیصلہ کرنے کے لیے حکم مقرر فرمایا، حضرت سعدؓ نے کہا کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ آدمیوں کو قتل کر دیا جائے، ساز و سامان تقسیم کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ خندق کا تذکرہ سورہ احزاب میں آیت ۹ سے ۲۷ تک میں فرمایا ہے۔

۶ھ اور صلح حدیبیہ

۶ھ میں حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، اس واقعہ میں چودہ سو صحابہ کرامؓ نے شرکت فرمائی جنہیں اہل شجرہ اور اہل بیعت رضوان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے قصد سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، آپ کا ارادہ

جنگ کا نہ تھا۔ مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر آپ نے قربانی کے جانور کو قلادہ پہنا دیا اور عمرہ کا احرام باندھ لیا اور خاندانِ خزاعہ کے ایک آدمی کو بھیج کر اپنے ارادہ سے مطلع فرمایا۔ آپ ابھی مقام عسفان پر پہنچے تھے کہ آپ کے پیغامبر نے آکر بتایا کہ کعب بن لوئی اور عامر بن لوی لشکر جرار تیار کر کے آپ سے لڑائی کی تیاریاں کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آپ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ خالد بن ولید اپنے دستہ کو لے کر کراع الغمیم تک آ گئے، آپ کو علم ہوا تو فرمایا کہ دائیں طرف کے راستہ سے چلے چلو کیونکہ وہ ویران راستہ تھا، اس طرف کم آمد و رفت تھی۔ آپ چلتے چلتے جب مقام ثنیۃ المرار میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی، اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ آپ یہاں بے سبب ٹھہر گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں از خود نہیں ٹھہرا اور نہ ہی قصواء ضد کرنے لگی ہے کیونکہ ضد کرنا تو اس کی عادت ہی نہیں بلکہ اس ذاتِ اقدس نے اسے یہاں روکا ہے جس نے مکہ سے اصحاب فیل کو روک دیا تھا، آج قریش اس خطۂ زمین پر مجھ سے صلہ رحمی کی درخواست کریں گے تو میں ضرور ان کی استدعا قبول کر لوں گا۔

پھر آپ نے قصواء کو ڈانٹا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی حتی کہ آپ حدیبیہ تشریف لے آئے، یہاں پانی بہت کم تھا جو کہ جلدی ختم ہو گیا، صحابہ کرامؓ پانی نہ ہونے کی وجہ سے شکایت کرنے لگے تو آپ نے اپنے تھیلہ سے ایک تیر نکال کر دیا اور فرمایا کہ اسے گڑھے کے وسط میں گاڑ دو، اس کے ساتھ ہی وہاں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا حتی کہ اہل لشکر اور ان کے سب جانور سیراب ہو گئے۔

حدیبیہ میں آپ کے فروکش ہونے کے باعث قریش گھبرا گئے، آپ نے ارادہ فرمایا کہ مکہ میں ان کے پاس کسی کو بھیج کر اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کریں، چنانچہ آپ نے اس مقصد کے لیے حضرت عمرؓ کو طلب فرمایا لیکن انہوں نے عرض کیا "حضورؐ! اگر قریش کی طرف سے مجھے کوئی ایذا پہنچائی گئی تو مکہ میں تو میرے خاندان بنو عدی بن کعب کا کوئی شخص موجود نہیں ہے جو میرا دفاع کر سکے لہٰذا آپ عثمانؓ کو بھیج دیں کیونکہ ان کا خاندان وہاں موجود ہیں، چنانچہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر قریش کے پاس روانہ فرمایا تاکہ وہ انہیں مطلع کر دیں کہ ہم ان سے جنگ کرنے نہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں نیز انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا عثمان مکہ کے مومن مرد عورتوں سے بھی ملاقات کرنا، انہیں فتح کی بشارت دینا اور کہنا

کہ اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن مکہ میں ضرور اپنے دین کو سرفرازی عنایت فرمائے گا حتیٰ کہ ایمان کو اس طرح مخفی رکھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

حضرت عثمانؓ قریش کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے پوچھا "عثمان تم کہاں"؟ آپ نے فرمایا مجھے رسول اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تمہیں اللہ اور اس کے دینِ اسلام کی دعوت دوں اور تمہیں یہ اطلاع بھی دے دوں کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں بلکہ ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ قریش نے کہا عثمانؓ ہم نے تمہاری بات سن لی ہے، تم عمرہ کر سکتے ہو!

مکہ میں داخل ہوتے وقت حضرت عثمانؓ کی سب سے پہلے ملاقات ابان بن سعید بن عاص سے ہوئی، اس نے حضرت عثمانؓ کو خوش آمدید کہا اور اپنے گھوڑے پر سوار کر کے شہر تک پہنچا دیا۔

حضرت عثمانؓ کی واپسی سے قبل بعض صحابہؓ نے کہا کہ عثمانؓ تو عمرہ کی سعادت حاصل کر لیں گے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ جب تک ہم محصور ہیں ہمارے بغیر عثمانؓ بھی طواف نہ کریں گے۔ اِدھر یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں؛ چنانچہ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے صحابہ کرامؓ کو بیعت کے لیے بلایا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے فوراً دستِ مبارک پر درخت کے نیچے بیعت کر لی کہ ہم کبھی میدان جنگ سے فرار نہ ہوں گے، آپ نے اپنے ایک دستِ مبارک کو دوسرے پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ گویا ان کی طرف سے بھی بیعت لی۔

بیعت ہو چکی تھی کہ حضرت عثمانؓ بھی تشریف لے آئے۔ صحابہ نے پوچھا "آپ نے تو طواف کر لیا ہوگا"؟ آپ نے کہا "میرے بارے میں تم نے اچھا گمان نہیں کیا، اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر مجھے مکہ میں سال بھر رہنے کا موقعہ ملتا تو میں ہرگز طواف نہ کرتا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ فرما لیتے، قریش نے مجھے طواف کی دعوت بھی دی لیکن میں نے بالکل انکار کر دیا تھا"۔ یہ سنتے ہی سب مسلمانوں نے بے ساختہ کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب سے اللہ کی نسبت زیادہ علم رکھتے ہیں اور ہم سب کی نسبت اچھا ظن رکھنے والے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیعت لے رہے تھے تو حضرت عمر فاروقؓ نے آپؐ کے

دستِ مبارک کو تھام رکھا تھا، جد بن قیس کے بجز وہاں موجود مسلمانوں میں سے کوئی بھی بیعت سے پیچھے نہ رہا تھا۔ سب سے پہلے بیعت کرنے کی سعادت ابو سنان وہب بن محصن اسدی نے حاصل کی اور حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے تین بار بیعت کی، ابتدا میں بھی، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔ آپ بیعت لے رہے تھے کہ بدیل بن ورقا قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ ”کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی لشکر ہائے جرار سمیت حدیبیہ کے قریب پہنچ رہے ہیں، ان کا ارادہ ہے کہ آپ سے جنگ کریں اور آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیں“، آپ نے فرمایا ”لیکن ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں ہم تو فقط عمرہ کے لیے آئے ہیں، افسوس کہ قریش پر جنگ کا بھوت سوار ہے، اس میں کیا مضائقہ ہے اگر وہ مجھے اور دوسرے عربوں کو آزاد چھوڑ دیں، اگر وہ مجھے ختم کر سکے تو ان کی دلی منشا پوری ہو جائے گی اور اگر اللہ نے مجھے ان پر غلبہ عطا فرما دیا تو پھر وہ اسلام میں بکثرت داخل ہو جائیں گے۔ اگر وہ کسی بات کو منظور نہیں کرتے تو پھر وہ جنگ کر لیں کہ ان کے پاس کافی طاقت ہے۔ خدا کی قسم! میں تو ہمیشہ اس دین حق کے لیے سرگرم جہاد رہوں گا، حتی کہ میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا یا اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرما دے گا“۔

بدیل نے کہا میں آپ کی یہ باتیں قریش تک پہنچا دیتا ہوں، چنانچہ قریش کے پاس جا کر انہوں نے کہا میں اس آدمی کے پاس ہو کر آیا ہوں، میں نے انہیں ایک بات کہتے ہوئے سنا ہے، اگر تم پسند کرو تو تمہیں بتا دیتا ہوں؟ بیوقوف قسم کے لوگ کہنے لگے ہمیں کسی بات کے سننے کی ضرورت نہیں البتہ سمجھدار لوگوں نے کہا۔ ہاں بتاؤ تم نے کیا سنا ہے، اس پر بدیل نے ساری بات کہہ سنائی۔ عروہ بن مسعود کہنے لگا یہ اچھی بات ہے، اگر تم مجھے اجازت دو تو میں خود محمدؐ سے بات کر کے آتا ہوں۔ قریشیوں نے اجازت دے دی۔ اس نے بھی آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر وہی سوال کیا جو قبل ازیں بدیل نے کیا تھا پھر عروہ کہنے لگا ”اے محمدؐ! اگر آپ اپنی قوم کو تباہ و برباد کر دیں تو کیا آپ سے قبل کسی عرب نے ایسا کیا ہے؟ اور اگر آپ کی قوم کو غلبہ نصیب ہو گیا تو مجھے یوں نظر آتا ہے کہ آپ کے یہ سب ساتھی آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیں گے“۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات سنی تو مشتعل ہو کر اسے گالی دی کہ اے لات کے غلیظ چیتھڑے کو چوسنے والے! کیا ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیں گے؟ عروہ نے یہ ناگوار گالی سن کر کہا یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ ابوبکر ہیں اس پر وہ بولا بخدا! اگر تمہارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو میں اس کا جواب دیتا۔

عروہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہا تھا تو وہ صحابہ کرام کی حرکات و سکنات کا بھی جائزہ لے رہا تھا، اس نے دیکھا کہ آپؐ جب تھوکتے ہیں تو آپ کا لعاب دہن اٹھانے میں صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے سبقت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جو سعادت مند اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا وہ اسے اپنے چہرہ یا جسم پر مل لیتا، جب آپ کوئی ارشاد فرماتے تو ہر ایک سراپا تعمیل بن جاتا، جب آپ وضو فرماتے تو صحابہ آپ کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لیے سبقت کا مظاہرہ فرماتے، جب آپ گفتگو فرماتے تو سب پر سکوت طاری ہو جاتا اور آپ کی تعظیم کے پیش نظر ترچھی نگاہوں سے آپ کی طرف نہیں دیکھتے تھے۔

عروہ نے واپس آکر اپنی قوم کے پاس یہ ساری کیفیت بیان کی اور کہا کہ میں بادشاہوں کے دربار میں وفد لے کر گیا ہوں، میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کی شان و شوکت دیکھی ہے، خدا کی قسم! میں نے آج تک کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں، جتنی محمدؐ کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ دیکھو! محمدؐ نے تمہارے سامنے ایک بہتر بات رکھی ہے، مناسب یہ ہے کہ تم اسے تسلیم کر لو۔

قبیلہ کنانہ کا ایک آدمی کہنے لگا اجازت دو تو میں ان کے پاس جاتا ہوں! چنانچہ اسے بھی قریش نے اجازت دے دی، جب وہ آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا یہ فلاں شخص ہے اور اس کا تعلق ایسی قوم سے ہے جو اونٹ کی بہت تعظیم کرتے ہیں، تم اس کے سامنے اونٹ پیش کرو۔ صحابہ کرامؓ کی زبانوں سے اس نے جب تلبیہ کے ترانے سنے تو کہنے لگا "سبحان اللہ! ان جیسے لوگوں کو تو بیت اللہ سے نہیں روکنا چاہیے۔ اپنی قوم کے پاس جا کر بھی اس نے آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کی بہت زیادہ تعریف کی۔

اس کے بعد سہیل بن عمرو خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے

دیکھتے ہی فرمایا کہ اب معاملہ سہل ہو گیا ہے۔ جب فریقین کا صلح پر اتفاق ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ لکھنے کے لیے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بلایا اور فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمان الرحیم اس پر سہیل بولا میں رحمن کو نہیں جانتا، اس کے بجائے لکھیے باسمك اللھم جیسا کہ آپ جاہلیت میں لکھا کرتے تھے، مسلمانوں نے اصرار کیا کہ بخدا! ہم تو بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باسمك اللھم ہی لکھ دیجیے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا لکھو۔

ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ۔ یہ وہ شرائط ہیں، جن پر محمد رسول اللہ نے معاہدہ کیا ہے۔

اس پر سہیل نے کہا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے تو پھر ہمارے مابین کوئی جھگڑا ہی نہ ہوتا اور نہ ہم آپ کو بیت اللہ شریف سے روکتے لہذا آپ محمد بن عبداللہ لکھوائیں۔ آپؐ نے فرمایا خواہ تم میری تکذیب کرو لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر حضرت علیؓ سے فرمایا محمد بن عبداللہ ہی لکھ دو۔ اس کے بعد فرمایا کہ شرط یہ ہے کہ قریش ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل نہ ہوں گے تاکہ ہم طواف کر سکیں۔ سہیل کہنے لگا خدا کی قسم ہم کبھی یہ گوارا نہ کریں گے کہ عرب میں یہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ آپ زبردستی ہمارے شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ لہذا اسے آیندہ برس تک اٹھا رکھیے۔ سہیل کی اس شرط کو آپ نے تسلیم کر لیا پھر سہیل کہنے لگا ایک شرط یہ بھی ہونی چاہیے کہ اگر قریش کا کوئی آدمی آپ کے پاس مسلمان ہو کر آئے تو آپ اسے واپس کر دیں گے اور اگر آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس پہنچ جائے تو وہ اسے واپس نہ کریں گے۔ مسلمانوں نے کہا "سبحان اللہ! مسلمان ہو کر آنے والے کو مشرکوں کی طرف کیوں بھیجیں"! اس شرط پر ابھی بات ہو رہی تھی کہ ابوجندل مکہ سے نکل کر پاؤں کی بیڑیوں میں لڑکھڑاتے ہوئے مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے، سہیل نے مطالبہ کیا کہ اس شرط پر ابھی عمل ہونا چاہیے لہذا ابوجندل میرے سپرد کر دو آپ نے فرمایا ابھی تو معاہدہ مکمل ہی نہیں ہوا۔ سہیل نے کہا اگر میری بات نہ مانیں گے تو میں ہرگز صلح نہیں کروں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اسے میرے لیے مستثنیٰ قرار دے دو، سہیل نے کہا ہرگز نہیں۔ آپؐ نے پھر فرمایا لیکن سہیل انکار ہی کرتا رہا۔ ابوجندل نے کہا مسلمانو!

کیا مجھے پھر مشرکوں کے سپرد کر دو گے حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں؟ تم میری حالت پر رحم نہیں کرتے۔ حقیقت بھی یہ تھی کہ ابو جندل نے بے پناہ آلام و مصائب، اللہ کے لیے برداشت کیے تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد میں نے آپؐ کے پاس کبھی کوئی شکوہ نہ کیا تھا لیکن یہ صورت حال دیکھ کر مجھ سے بھی نہ رہا گیا لہٰذا میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا آپؐ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں"؟ آپؐ نے فرمایا "کیوں نہیں" میں نے عرض کیا "کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے"؟ آپؐ نے فرمایا "کیوں نہیں"۔ میں نے عرض کیا "پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے دین میں کسی پستی کو دخل دیں"؟ آپؐ نے فرمایا "بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ میرا حامی و ناصر ہے، میں اس کے حکم کی ہرگز مخالفت نہ کروں گا"۔ میں نے عرض کیا "کیا آپ نے فرمایا نہیں تھا کہ ہم بیت اللہ شریف جا کر طواف کریں گے"؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ اسی سال؟ میں نے عرض کیا "جی نہیں"! آپ نے فرمایا "تو پھر یقین رکھو تم ضرور بیت اللہ شریف جا کر طواف کرو گے"۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں پھر میں نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر بھی اسی طرح کی گفتگو کی، انہوں نے بھی جواب میں وہی کچھ فرمایا جو آپ فرما چکے تھے۔ نیز یہ بھی کہا کہ "تا زیست آپ کی اطاعت کو شعار بناؤ واللہ! آپؐ حق پر ہیں" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اس دن کی اپنی جسارت کی تلافی کے لیے بعد میں میں نے بہت سے اعمال صالحہ کیے

معاہدہ کی تکمیل کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اپنے قربانی کے جانور ذبح کر دو اور حجامت بنوالو، آپ نے تین بار فرمایا لیکن صحابہ کرامؓ ہچکچاتے رہے حتیٰ کہ آپ نے خود اپنے اونٹ کو نحر کر دیا اور حجام کو بلا کر حجامت بنوالی، پھر سب صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کر دیا اور ایک دوسرے کی حجامتیں بھی بنا دیں۔

صلح کے زمانہ میں آپ ان مردوں کو جو مکہ چھوڑ کر آتے تھے، واپس فرما دیتے تھے لیکن خواتین کا امتحان لے کر انہیں واپس نہ فرماتے تھے، ان کا امتحان یہ تھا کہ مہاجر خاتون آپ کے سامنے حلفاً بیان دیتی کہ وہ خاوند کی نافرمانی کر کے نہیں آئی، بلکہ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، اسی موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ — مومنو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں وطن

الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ ... چھوڑ کر آئیں تو ان کی آزمائش کر لو۔

انہی دنوں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو طلاق دے دی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے جاں نثار صحابہ سمیت واپس تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ ہی میں آپ پر سورہ فتح نازل ہوئی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ [1]

(اے محمدؐ) ہم نے تم کو فتح دی، فتح بھی صریح و صاف تاکہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا "حضورؐ! کیا یہ فتح ہے؟" آپؐ نے فرمایا ہاں یہ فتح ہے، صحابہ نے عرض کیا حضورؐ! یہ تو آپؐ کے لیے، ہمارے لیے کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ آیتیں نازل فرما دیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ...... فَوْزًا عَظِيْمًا [2]

وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے .... اور یہ خدا کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

جب آپؐ مدینہ تشریف لے آئے تو ابو بصیر جو کہ خاندانِ قریش کے ایک فرد تھے، مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ادھر قریش نے بھی اپنے دو آدمی بھیج کر مطالبہ کیا کہ ہمارے اور آپ کے مابین جو معاہدہ طے پایا ہے اس کی رو سے ابو بصیر کو واپس کر دیجئے۔ آپ نے ابو بصیر کو ان دونوں کے ہمراہ واپس بھیج دیا حتیٰ کہ جب وہ مقام ذوالحلیفہ میں پہنچے اور کھجوریں نکال کر کھانے لگے تو ابو بصیرؓ نے ایک سے کہا "آپ کی تلوار بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہے"؟ اس نے کہا "ہاں واللہ یہ بہت عمدہ ہے، میں نے اس سے بارہا تجربہ کیا ہے۔ ابو بصیرؓ نے کہا "ذرا دکھائیے تو سہی"؟ اس نے تلوار ابو بصیرؓ کو دے دی تو ابو بصیر نے تلوار پکڑ کر اس قدر بھرپور وار کیا کہ چشم زدن میں اس کا کام تمام کر دیا، دوسرے نے یہ منظر دیکھا تو دم دبا کر

---

[1] الفتح ۱-۲ [2] ایضاً ۴-۵

بھاگ گیا تھا کہ مدینہ جاکر مسجد نبوی میں سانس لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیفیت دیکھتے ہی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے اس نے کوئی بڑی خوفناک چیز دیکھی ہے اس نے کہا کہ ابوبصیر نے میرے ساتھی کو تو قتل کر دیا ہے اور وہ میرے قتل کے بھی درپے تھا کہ میں نے بھاگ کر جان بچائی ہے۔

تھوڑی دیر بعد ابوبصیر بھی آگئے اور خدمت نبوی میں عرض گزار ہوئے کہ حضور! آپ نے جو معاہدہ کیا تھا اسے اللہ نے پورا کر دیا، آپ نے مجھے واپس کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی ہے آپ نے فرمایا افسوس تم جنگ کے شعلے بھڑکا دو گے ابوبصیر نے معلوم کیا کہ آپ پھر واپس کر دیں گے تو وہ خود ہی چلے گئے اور مکہ کے بجائے ساحل سمندر پر جاکر مقیم ہو گئے، ابوجندل بھی کسی نہ کسی طرح ان کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح مکہ کا جو شخص بھی مسلمان ہوتا وہ ان کے پاس آکر مقیم ہو جاتا حتیٰ کہ ایک اچھا خاصا گروپ تیار ہو گیا اور پھر اس گروپ کو جب بھی معلوم ہوتا کہ کوئی قریشی وفد شام جا رہا ہے تو یہ لوگ اس سے جاکر الجھ پڑتے، لڑائی کرتے حتیٰ کہ ان کے مال و اسباب تک چھین لیتے۔ قریش ان سے اس قدر تنگ آگئے کہ انہوں نے مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کو خدا کی قسم اور قرابت داری کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ اپنے ان ساتھیوں کو اپنے پاس مدینہ میں بلا لیجئے اور مکہ سے جو شخص بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں آئے اسے اپنے پاس ہی رکھیے ہماری طرف نہ بھیجیے!

غزوہ خیبر

حدیبیہ سے واپس تشریف لانے کے تقریباً بیس دن بعد آپؐ نے خیبر کا قصد فرمایا، اس موقعہ پر مدینہ میں آپ نے سباع بن عرفطہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا، انہی دنوں حضرت ابوہریرہؓ مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے، انہوں نے مدینہ میں سب سے پہلے صبح کی نماز سباعؓ کی اقتدا میں پڑھی، حضرت سباع نے نماز میں سورۂ مطففین کی قرأت فرمائی، جب پہلی آیت وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ (ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے) کی تلاوت کی تو نماز میں ہی کہنے لگے ہاں فلاں کے باپ کی بھی ہلاکت ہو کہ اس نے لینے اور دینے کے دو الگ الگ پیمانے رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک آدمی نے عامر بن اکوعؓ سے کہا بھائی اپنے کچھ اشعار تو سناؤ تو وہ سواری سے نیچے اتر آئے اور فی البدیہہ حُدی شروع کر دی ؎

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے، صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

تو ہم پر سکینت نازل فرما اور اگر دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا۔

انا اذا صیح بنا اتینا وبالصیاح عولوا علینا

ہمیں جب پکارا جائے تو ہم آجاتے ہیں اور انہوں نے صبح کے وقت ہمیں مدد کے لیے بلایا تھا۔

وان ارادوا فتنۃ ابینا

اگر ہمارے دشمن فتنہ برپا کرنے کا ارادہ کریں گے تو ہم اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو فرمایا "کون ہے یہ حدی خواں"؟ عرض کیا گیا یہ عامر بن اکوعؓ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ ان پر رحم فرمائے"۔ حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں جب ہم نے خیبر کا محاصرہ کیا اور محاصرہ طول پکڑ گیا تو ہمیں بھوک کی شدت نے ستانا شروع کر دیا۔ جب مقابلہ ہوا تو مرحب یہ شعر پڑھتے ہوئے اور اپنی تلوار کو لہراتے ہوئے دعوتِ مبارزت دینے لگا ؎

قد علمت خیبر انی مرحب

شاکی السلاح بطل مجرب

اذا الحروب اقبلت تلھب

سرزمین خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں جس نے ہتھیار زیب تن کیے ہوئے ہیں اور جب جنگوں کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں تو میں بڑا بہادر اور تجربہ کار ثابت ہوتا ہوں۔

عامر نے یہ شعر پڑھتے ہوئے اس کے چیلنج کو قبول کیا ۔

قد علمت خیبر أنی عامر   شاکی السلاح بطل مغامر

سرزمین خیبر کو بخوبی معلوم ہے کہ میرا نام عامر ہے، میں نے ہتھیار سجا رکھے ہیں، میں بڑا بہادر ہوں
اس کے بعد مقابلہ شروع ہوا تو دونوں کی تلواریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں، مرحب کی تلوار نے عامر کی ڈھال کو کاٹ دیا، عامر کی تلوار چھوٹی تھی، وہ جھک کر مرحب کے حصہ زیریں پر وار کرنا چاہتے تھے مگر تلوار ان کے اپنے ہی گھٹنے پر لگ گئی، جس سے شہادت واقع ہو گئی۔

حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عامر نے اپنے اعمال ضائع کر لیے ہیں۔ آپ نے فرمایا "جو شخص یہ کہتا ہے جھوٹ کہتا ہے، آپ نے دو انگلیوں کو جمع کرتے ہوئے فرمایا، اسے تو دوگنا ثواب ملے گا، وہ تو بہت بڑے مجاہد تھے، کم ہی عربی ہوں گے جو چلنے میں اس کا مقابلہ کر سکتے ہوں"۔

جب آپؐ خیبر کے قریب تشریف لے گئے تھے، تو فرمایا ٹھہرو، جس پر سارا لشکر ٹھہر گیا پھر آپؐ نے یہ دعا فرمائی ۔

"اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب کے رب، ساتوں زمینوں اور ان کی حقیر مخلوقات کے پروردگار، شیطانوں اور ان کی گمراہ ٹولیوں کے مالک ہواؤں اور جن چیزوں کو وہ لے جاتی ہیں ان سب کے پروردگار، اس گاؤں کی اچھی چیزیں، یہاں کے باشندوں کی اچھی باتیں اور اس گاؤں میں جو عمدہ چیزیں ہیں، ہم تجھ سے ان سب کے طلب گار ہیں اور یہاں کی بری چیزوں، یہاں کے باشندوں کی برائیوں اور یہاں کی تمام برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ اے مجاہدو! اب اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً بیس روز تک ان کا محاصرہ کیے رکھا، خیبر کی زمین وبا زدہ اور سخت گرم تھی، جس کے باعث مسلمانوں کو سخت جدوجہد کا سامنا کرنا پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حوصلہ افزائی کے لیے وعظ فرمایا اور جہاد کی ترغیب دلائی۔ ایک سیاہ رنگ کے غلام نے عرض کیا "حضورؐ! میں سیاہ رنگ ہوں، میرا چہرہ بھی بدصورت ہے، مجھ سے خوشبو بھی اچھی نہیں آتی، میرے پاس مال و دولت بھی نہیں، میں ان سے جہاد کرتے ہوئے اگر شہید ہو جاؤں تو

کیا جنت ملے گی؟ آپؐ نے فرمایا ضرور جنت ملے گی؛ چنانچہ انہوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ میدان میں شجاعت کے جوہر دکھاتے حتیٰ کہ جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہارے چہرہ کو زیبا کر دے، تمہیں معطر کر دے اور تمہارے مال کو زیادہ کر دے"۔ نیز آپؐ نے فرمایا "میں نے جنت میں ان کی دو حور عین بیویوں کو دیکھا ہے، جو ان پر جبہ ڈال رہی تھیں اور اس قدر لطیف تھیں کہ ان کے جبہ میں داخل ہو جاتی تھیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کے بعض حصے کو فتح کر لیا تو پھر کعبہ، وطیح اور سلالم کی طرف متوجہ ہوئے، خیبر کے دو حصے تھے۔ ایک شق اور نطاۃ کہلاتا تھا، اور دوسرا کعبہ، وطیح اور سلالم۔ آپؐ نے محاصرہ میں قطعاً کوئی فرق نہ آنے دیا حتیٰ کہ جب یہودیوں کو اپنی تباہی و ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے صلح کی درخواست کر دی، سلام بن ابی الحقیق صلح کی درخواست لے کر آیا، اس شرط پر صلح ہوئی کہ وہ تن بدن کے کپڑوں کے سوا سونا چاندی، مال زمین اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خیبر سے کہیں اور چلے جائیں گے۔

صلح کی شرائط کے مطابق جب آپؐ نے انہیں خیبر سے جلا وطن کرنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے پھر درخواست کر دی کہ حضورؐ! ہم اس زمین کے راز سے بخوبی آگاہ ہیں۔ لہٰذا آپ ہمیں کاشت کی اجازت دے دیں، پیداوار کا نصف آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ خیبر کے مالِ غنیمت کے کل تین ہزار چھ سو حصے تھے، جن میں سے نصف حصص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ناگہانی ضروریات کے لیے تھے اور باقی نصف مسلمانوں کی عام ضروریات کے لیے تھے۔

جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے رفقا کی آمد

اسی غزوہ کے موقعہ پر آپ کے برادرِ عم زاد حضرت جعفر بن ابی طالب اپنے رفقاء سمیت حبشہ سے واپس تشریف لائے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھی بھی اسی وفد میں شریک ہو کر آئے تھے۔ حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ ہم یمن میں تھے کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت کا علم ہوا تو ہم اپنے علاقے کے پچاس بھائیوں سمیت آپ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے گھروں سے نکلے، بحری سفر اختیار کیا گیا لیکن کشتی غلط

رخ اختیار کرنے کی وجہ سے حبشہ کی طرف چلی گئی، نجاشی کے ملک میں ہماری حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی، حضرت جعفرؓ نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہم نے اس علاقہ میں اقامت اختیار کی ہے، آیئے آپ بھی ہمارے ساتھ مقیم ہو جائیے؛ چنانچہ فتح خیبر تک ہم وہاں رہے، جب ہم مدینہ آ گئے تو لوگ کہتے تھے کہ ہجرت کے اعتبار سے ہم تم سے سبقت لے گئے ہیں۔ ایک دن اسماء بنت عمیسؓ حضرت حفصہؓ کے پاس گئیں، اتفاق سے حضرت عمرؓ بھی ان کے پاس آئے تو پوچھنے لگے یہ کون ہیں؟ حضرت حفصہؓ نے بتایا کہ یہ اسماء ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا یہ حبشیہ ہیں؟ کیا یہ بحری سفر کرنے والی ہیں؟ حضرت اسماء نے کہا جی ہاں، لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ہم ہجرت کے اعتبار سے تم سے سبقت لے گئے ہیں، لہٰذا ہم رسول اللہ کے زیادہ مقرب ہیں، حضرت اسماءؓ اس بات پر ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں واللہ! ہرگز نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ تم میں سے بھوکوں کو کھلاتے تھے، جاہلوں کو علم سکھاتے تھے لیکن ہم دور دراز علاقے میں رہتے تھے اور ہم نے یہ سب کلفتیں اللہ اور اس کے رسول کی خاطر گوارا کیں، خدا کی قسم! میں اس وقت تک کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاؤں گی، جب تک تمہاری اس بات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر نہ کر لوں؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو میں نے آپ کی خدمتِ اقدس میں حضرت عمرؓ کی بات کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا تم نے کیا جواب دیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ جواب دیا تھا۔ آپ نے فرمایا عمرؓ تمہاری نسبت میرے زیادہ قریب نہیں ہے، عمرؓ اور اس کے ساتھیوں نے تو ایک ہجرت کی ہے لیکن اے کشتی والو! تم نے دو ہجرتیں کی ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھ کشتیوں کا سفر کرنے والے رفقاء کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے بڑھ کر دنیا کی اور کوئی چیز فرحت بخش اور عظیم ترین نہ تھی۔

محاصرہ وادی القریٰ

خیبر سے واپسی کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ میں تشریف لے گئے، یہاں کے باشندے یہودی تھے، جن کے ساتھ بعض عرب بھی رہ رہے تھے۔ آپ جب یہاں تشریف لائے تو مقصد اسلام کی دعوت دینا تھا لیکن یہودیوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی،

جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام مدعم، جسے رفاعہ بن زید جذامی نے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا، جاں بحق ہوگیا۔ لوگوں نے کہا "اسے جنت مبارک ہو" لیکن آپؐ نے فرمایا بخدا ہرگز نہیں کیونکہ خیبر کے دن مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس نے جو شملہ چرالیا تھا وہ اس کے سر پہ آگ کے شعلے بھڑکا رہا ہے"۔ لوگوں نے جب یہ سنا تو کوئی ایک تسمہ اور کوئی دو تسمے اٹھائے ہوئے لے آیا۔ اور آپؐ نے فرمایا اگر یہ ایک یا دو تسمے نہ لائے جاتے تو یہ بھی باعثِ نار بنتے۔

یہودیوں کی اس تیراندازی کے باعث آپؐ نے بھی صحابہ کرامؓ کی صفوں کو ترتیب دے کر جہاد کے لیے تیار کیا، لڑائی سے قبل انہیں ایک بار پھر دعوت اسلام دی گئی لیکن وہ انکار ہی کرتے رہے بلکہ ان میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر دعوت مبارزت دی، جس کے جواب میں حضرت زبیر بن عوامؓ آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا، گروہِ یہود کی طرف سے ایک اور آدمی نے چیلنج کیا، جسے حضرت علی مرتضیٰؓ نے قبول فرمایا اور اس کا کام تمام کر دیا، شام تک لڑائی جاری رہی اور مسلمانوں نے گیارہ یہودیوں کو واصل جہنم کر دیا۔ شام کو لڑائی بند کر دی گئی، صبح سورج طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد مسلمانوں نے اچانک حملہ کر کے فتح حاصل کر لی، یہاں سے ضروریاتِ زندگی کا بہت سا سامان اور سونا چاندی مسلمانوں کے ہاتھ آیا، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم فرما دیا البتہ زمین اور کھجوروں کے درخت یہودیوں کے پاس رہنے دیئے اور انہیں عامل مقرر کر دیا۔

مدینہ واپسی کے بعد مہاجروں نے انصار کے کھجوروں کے عطیات واپس کر دیئے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فتح خیبر کے بعد ہم نے کہا کہ اب سیر ہو کر کھجوریں کھائیں گے۔

سریہ حرقات

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرقات کی طرف ایک سریہ بھیجا، جب مجاہدین حرقات کے قریب پہنچ گئے تو امیرِ لشکر نے حالات معلوم کرنے کے لیے جاسوس روانہ فرما دیئے، جاسوس جب صحیح صورتِ حال معلوم کر کے واپس آئے، تو امیرِ جیش نے رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد اپنے سارے ساتھیوں کو جمع کیا، پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، اور پھر فرمایا ساتھیو! اللہ وحدہٗ لاشریک کا تقویٰ اختیار

کرنے کی وصیت کرتا ہوں میری اطاعت کرنا ہوگی، مخالفت نہ کرنا اور نہ میری نافرمانی کرنا کیونکہ جس امیر کی اطاعت نہ کی جاتے وہ صاحب رائے نہیں ہوسکتا، پھر امیر نے سارے لشکر کو ترتیب دیتے ہوئے فرمایا اے فلاں تم اور فلاں آپس میں ساتھی ہو، اور اے فلاں تم اور فلاں آپس میں ساتھی ہو، تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے ساتھی کے دامن کو تھامے رکھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب میں کسی سے اس کے ساتھی کے بارہ میں پوچھوں تو وہ جواب دے کہ مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ جب میں اللہ اکبر کہوں، تو تم سب نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے، اپنی شمشیروں کو بے نیام کرکے دشمن پر ٹوٹ پڑنا؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب دشمن کا احاطہ کرلیا گیا اللہ کی تلواریں بے نیام ہوئیں تو دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔

عمرۃ القضیّہ

ماہ ذیقعدہ ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضیہؓ کی نیت سے سوئے مکہ روانہ ہوئے، مکہ کے قریب جب مقام یاجج پر پہنچے تو ہر طرح کے ہتھیار رکھ دیئے اور صرف سواروں کے ہتھیار یعنی تلواروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفرؓ بن ابی طالب کو میمونہؓ بنت حارث کے پاس خطبہ کا پیغام دے کر بھیجا، انہوں نے اپنا معاملہ حضرت عباسؓ کے سپرد کردیا؛ چنانچہ حضرت عباسؓ نے حضرت میمونہؓ کو آپ کے حبالۂ عقد میں دے دیا۔

صحابہ کرامؓ نے جب بیت اللہ شریف کا طواف شروع کیا تو آپ نے حکم دیا کہ کندھوں کو برہنہ کریں اور دوڑ دوڑ کر طواف کریں اس سے مقصود یہ تھا کہ مشرکوں کو اپنی قوت کا مظاہرہ دکھائیں؛ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے جب بڑے جوش خروش سے طواف شروع کیا تو مکہ کے آدمیوں، عورتوں اور بچوں نے بڑے تعجب سے طواف کے اس نرالے انداز کو دیکھا، مکہ ہی میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کی مہار پکڑ کر یہ رجزیہ اشعار پڑھے تھے ؎

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ　　　خلوا فکل الخیر فی رسولہ

اے کافرو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کو چھوڑ دو کیونکہ ہر طرح کی بہتری و بھلائی کا راستہ اللہ کے رسول کا راستہ ہے۔

قد انزل الرحمن فی تنزیلہ　　فی صحف تتلیٰ علیٰ رسولہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس اور ان صحائف میں یہ بات نازل فرمائی ہے، جسے اس نے اپنے رسول پہ نازل فرمایا۔

بأن خیر القتل فی سبیلہ　　یا رب انی مؤمن بقیلہ

کہ سب سے بہتر قتل وہ ہے، جو اس کے راستہ میں ہو، اے اللہ! میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں۔

إنی رأیت الحق فی قبولہ　　الیوم نضربکم علی تأویلہ

میرا خیال ہے کہ حق اس بات کے قبول کرنے میں ہے اور اس بات کے پیش نظر ہم شمشیر زنی کریں گے۔

کما ضربناکم علی تنزیلہ　　ضرباً یزیل الھام عن مقیلہ

قرآن مجید میں حکم جہاد کے نزول کے بعد ہی ہم نے شمشیر زنی کی جو کہ سر کو تن سے جدا کر دیتی ہے۔

ویذھل الخلیل عن خلیلہ

اور دوست کو دوست سے جدا کر دیتی ہے۔

مکہ میں آپ نے تین دن قیام فرمایا پھر سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حویطب بلند آواز سے چلاتے ہوئے کہنے لگا۔ آپ کو اللہ اور اپنے معاہدہ کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ اب آپ ہماری زمین سے چلے جائیں کیونکہ اب تین دن پورے ہو چکے ہیں، چنانچہ آپ نے حضرت ابو رافع؄ کو حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ لوگو! کوچ کی تیاری کر لو، ہم جا رہے ہیں۔

جنگِ موتہ

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر کو اپنا نامہ گرامی دے کر شاہِ روم کی طرف بھیجا تھا لیکن جب یہ موتہ میں پہنچے تو شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر کی طرف سے شام کا حاکم تھا، انہیں قتل کر دیا۔ ان کے سوا آپ کا اور کوئی قاصد شہید نہیں ہوا تھا، آپ کو جب یہ خبر پہنچی، تو نہایت گراں گزری؛ چنانچہ آپ نے انتقام

کے لیے تیاری فرمادی؛ اور تین ہزار کا لشکر تیار کر کے حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں روانہ کر دیا اور فرمایا اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ تمہارے سپہ سالار ہوں گے اور اگر جعفرؓ بھی جام شہادت نوش کر جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہؓ قیادت کے فرائض انجام دیں گے۔

جب لشکر مدینہ سے روانہ ہوا تو لوگوں نے رسول اللہ کے مقرر کردہ سپہ سالاروں کو بڑی محبت سے الوداع کیا، روانگی کے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا واللہ! نہ تو دنیا سے محبت ہے اور نہ تمہاری جدائی شاق گزر رہی ہے، لیکن بات درحقیقت یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درج ذیل آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا کرتا ہوں، جس میں جہنم کا ذکر ہے کہ۔

وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا — تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ
كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا — ہو، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا
مَّقْضِيًّا [1] — تیرے رب کا ذمہ ہے۔

تو مجھے نہیں معلوم کہ ورود کے بعد صدور ہوگا کہ نہیں ہوگا؟ مسلمانوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہاری یاوری فرمائے، تم سے دنیا و آخرت کے مصائب کو دور فرماتے اور تمہیں پہلے سے بھی زیادہ نیکی و تقویٰ کا پیکر بنا کر واپس لوٹائے، اس موقعہ پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے یہ اشعار پڑھے۔

لكنني اسأل الرحمٰن مغفرة — وضربة ذات فرغ تقذف الزبدا

لیکن میں تو اللہ سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں اور ایسی شمشیر زنی کا جو کاٹ دار اور جھاگ اڑانے والی ہو۔

اوطعنة بيدى حران مجهزة — بحربة تنفذ الاحشاء والكبدا

یا پیاسے کے ہاتھوں ایسی نیزہ بازی کا سوال کرتا ہوں جو انتڑیوں اور جگر کے پار ہو کر ناگہانی موت برپا کرنے والی ہو۔

حتى يقال اذا مروا على جدثى — يا ارشد الله من غاز وقد رشدا

حتیٰ کہ جب لوگ میری قبر کے پاس سے گزریں تو یہ کہیں کہ اللہ بھلا کرے، بہت اچھا

---

[1] مریم ۷۱

غازی تھا۔

پھر لشکر روانہ ہو کر معان میں فروکش ہوا، تو خبر ملی کہ ہرقل ایک لاکھ رومیوں سمیت بلقا تک پہنچ گیا ہے نیز لخم اور جذام وغیرہ کے ایک لاکھ افراد بھی اس کے ساتھ آ ملے ہیں۔ مسلمان دو دن تک غور و فکر کرتے رہے کہ کیا کیا جائے۔ بعض نے تجویز پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ساری صورت حال لکھ کر ارسال کی جائے اور پھر آپ کے حکم کا انتظار کیا جائے کہ آپ ہماری تعداد میں اضافہ فرماتے ہیں یا کوئی اور حکم دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے حوصلوں کو جلا بخشتے ہوئے فرمایا کہ طلب شہادت کے لیے تم گھروں سے نکلے تھے تو اب اسے ناپسند کیوں سمجھتے ہو؟ قوت و کثرت کے ساتھ ہم نے کبھی بھی غلبہ حاصل نہیں کیا بلکہ ہماری فتح و نصرت کا راز تو یہ دین ہے، جس کے ساتھ اللہ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ اللہ کا نام لو اور آگے بڑھو، فتح و نصرت ہمارا مقدر ہو یا شہادت ہمارے لیے دونوں ہی بہتر ہیں، عبداللہ بن رواحہؓ کی یہ ولولہ انگیز باتیں سن کر لشکر اسلام آگے بڑھا، بڑھتا رہا حتی کہ بلقا کے قریب مقام موتہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا، جنگ کے آغاز میں اسلامی پرچم حضرت زیدؓ کے ہاتھ میں تھا، لڑتے لڑتے جب زیدؓ شہید ہو گئے تو پرچم حضرت جعفرؓ نے تھام لیا۔ انہوں نے شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھائے حتیٰ کہ جب گھمسان کا رن پڑا تو اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے، خود اپنے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے اور پیادہ لڑنے لگے، لڑتے لڑتے آپ کا دایاں ہاتھ شہید ہو گیا تو بائیں میں پرچم پکڑ لیا، بایاں ہاتھ بھی شہید ہو گیا تو پرچم اسلام سرنگوں نہ ہونے دیا حتی کہ جام شہادت نوش فرما گئے، ابھی تک آپ نے عمر شریف کی صرف تینتیس بہاریں دیکھی تھیں۔ رضی اللہ عنہم۔

حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد پرچم حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے پکڑ لیا، یہ سپہ سالار پرچم اسلام لہراتے ہوئے گھوڑے پر سوار دشمن کی طرف بڑھتے جا رہے اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر یہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے۔

اقسمت باللہ لتنزلنہ ... لتنزلنہ او لتکرھنہ

اے نفس! تجھے اللہ کی قسم! تو ضرور بہ میدان جنگ میں اتر، ضرور اتر ورنہ میں تجھے مجبور اً

اتار دوں گا۔

یا طالما قد کنت مطمئنة ان اجلب الناس وشدوا الرنّة

اگر لوگ کھینچے چلے آئیں اور معرکہ گرم کر دیں تو پھر بھی تو عرصہ دراز تک مطمئن رہے گا۔

مالی اراک تکرھین الجنة؟

کیا بات ہے کہ تم جنت کو ناپسند کرتے ہو؟

نیز انہوں نے یہ شعر بھی پڑھے ۔

یا نفس ان لم تقتلی تموتی ھذا حمام الموت قد صلیت

اے نفس اگر تو یہاں قتل نہ ہوا تو ایک نہ ایک دن ضرور مر جائے گا لیکن یاد رکھ حقیقی موت یہ ہے جو میدان کارزار میں نصیب ہو۔

وما تمنیت فقد اعطیت ان تفعلی فعلھما ھدیت

تو نے جس چیز کی بھی تمنا کی وہ تجھے مل گئی، اگر تو بھی ان جیسا کام کرے تو ہدایت یافتہ ہو گا۔

میدانِ جنگ میں آپ کے برادرِ عم زاد نے گوشت کا ایک ٹکڑا پیش کیا اور کہا اے بہادر! اسے شوق فرمائیے کہ آپ کی کمر کچھ مضبوط ہو کیونکہ کئی دنوں سے آپ بھوک پیاس کی بڑی سختیاں برداشت کر رہے ہیں، انہوں نے پکڑ کر اسے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ اسے لوگوں کے پیچھے سے ایک آواز سنائی دی کہ آپ ابھی تک دنیا میں ہیں؟ یہ آواز سنی تو آپ نے گوشت کے ٹکڑے کو پھینک دیا اور دشمنوں کی صفوں پر یہ فرزندِ توحید ٹوٹ پڑا، بے شمار کافروں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد بالآخر خود بھی جام شہادت نوش فرما گئے۔

آپ کی شہادت کے بعد پرچم حضرت خالد بن ولیدؓ نے پکڑ لیا اور پھر جنگ کے خاتمہ تک آپ ہی قیادت فرماتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ شہادت کے بعد ہم نے حضرت جعفرؓ کے جسم پر نوے زخم شمار کیے اور یہ سب زخم جسم کے اگلے حصہ پر تھے۔

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ میں یتیم تھا اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے زیر کفالت،

اس سفر میں آپ نے مجھے اپنے گھوڑے پر پیچھے بٹھایا ہوا تھا اور ایک دفعہ رات کو یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

اذا ادیتنی وحملت رحلی مسیرۃ اربع بعد الحساء

جب تو مجھے پہنچا دے اور پھر چار دن کی مسافت کے بعد صحرا میں سے میرے پالان کو اٹھا لے۔

فشانک فانعمی وخلاک ذم ولا ارجع الی اھلی ورائی

پھر تو جہاں چاہے خوش رہ، تو قابل مذمت نہ ہو گی۔ اب میں پیچھے پلٹ کر اہل وعیال کے پاس نہ آؤں گا۔

وجاء المسلمون وغادرونی بارض الشام مستنھی الثواء

مسلمان آئے اور سرزمین شام کے انتہائی علاقوں میں مجھے چھوڑ گئے۔

وردک کل ذی نسب قریب الی الرحمٰن منقطع الاخاء

ہر قریبی رشتہ دار نے تمام اخوتوں کو منقطع کرتے ہوئے تجھے رحمان کے سپرد کر دیا۔

ھنالک لا ابالی طلع بعل ولا نخل اسافلھا روائی

وہاں مجھے کچھ پرواہ نہ ہو گی کہ میں اپنے پیچھے کھجوریں یا کچھ اور درخت وغیرہ چھوڑ کر گیا ہوں۔

میں رونے لگا تو آپ نے مجھے چابک کے ساتھ چوکا دیا اور فرمایا روتے کیوں ہو؟ اللہ مجھے شہادت عنایت فرمائے گا اور تم میرے گھوڑے پر تنہا بیٹھ کر واپس لوٹو گے!

غزوہ فتح اعظم

یہ غزوہ رمضان ۸ھ میں پیش آیا۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ایک بات یہ بھی طے ہوئی تھی کہ جو خاندان چاہے وہ رسول اللہ کے ساتھ شامل ہو جائے اور جو چاہے قریش کے ساتھ شریک ہو جائے؛ چنانچہ بنو بکر قریش کے ساتھ اور خاندانِ خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ پھر ہوا یہ کہ اب بنو بکر نے رات کو خزاعہ کے پانی کے چشمے وتیر پر حملہ کر دیا، قریشیوں نے بھی بنو بکر کی ہتھیاروں کے ساتھ مدد کی بلکہ بعض قریشیوں نے رات کو چھپ کر بنو بکر کے ساتھ مل کر خزاعہ کے کئی آدمیوں

کو بھی قتل کر دیا، حتیٰ کہ اس ظلم و ستم سے گھبرا کر خزاعہ کے لوگ حرم مکہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے بنو خزاعہ جب حرم میں پہنچ گئے تو بنو بکر نے اپنے قائد نوفل بن معاویہ دیلی سے کہا کہ اب تو ہم حرم میں داخل ہو گئے ہیں لہٰذا اللہ سے ڈرنا چاہیے لیکن نوفل نے جواب میں ایک بڑی بات کہی کہ آج اس کا کوئی الٰہ نہیں اور پھر کہا کہ اے بنی بکر! حرم میں جب تم چوری کرنے سے نہیں گھبراتے تو اپنا انتقام لینے سے کیوں ڈرتے ہو؟

خزاعہ کے لوگوں نے مدد کے لیے عمرو بن سالم خزاعی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، عمرو جب مدینہ آئے تو آپ صحابہ کرام کے درمیان مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ عمرو نے آتے ہی یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے ؎

یا رب إني ناشد محمدًا حلف أبينا وأبيه الأتلدا

اے میرے پروردگار! میں حضرت محمدؐ کو اس عہد پر مطلع کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے اور آپ کے آباؤ اجداد کے درمیان طے پایا تھا، جو ایک ہی گھرانہ کے افراد تھے۔

قد كنتموا ولدًا وكنا والدًا ثمت أسلمنا ولم ننزع يدا

اے محمدؐ! اس وقت آپ بچے تھے اور ہم آپ سے بڑے تھے پھر ہم اسلام لے آئے اور اس بیعت سے ہاتھ نہیں کھینچا۔

فانصر هداك الله نصرًا ايدا وادع عباد الله يأتوا مددا

خدا آپ کو ہدایت دے، ہماری بھرپور مدد فرمائیں اور خدا کے دوسرے بندوں کو ہماری مدد کے لیے بلائیں۔

فيهم رسول الله قد تجرّدا أبيض مثل البدر يسمو صعدا

ان کفار کے درمیان رسول اللہ تنہا گھِر گئے ہیں آپ چاند کی طرح روشن رو ہیں، اور بلندیوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

ان سيم خسفا وجهه تربدا في فيلق كالبحر يجري مزبدا

جب آپ کو ان کی طرف سے ایذا پہنچائی جاتی ہے، تو رنج سے آپ کا چہرہ مبارک اتر جاتا ہے، آپ ایک ایسی عظیم فوج کے قلب میں موجود ہیں جو سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں کی طرح

چلتی ہیں۔

ان قریشا اخلفوک الموعدا ونقضوا میثاقک المؤکدا

بلا شبہ قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ سے کیا ہوا تاکیدی معاہدہ توڑ ڈالا

وجعلوا لی فی کداء رصدا وزعموا ان لست ادعو احدا

قریش نے ہمیں پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیا اور یہ خیال کیا کہ ہم کسی کو اپنی مدد کے لیے نہ بلا سکیں گے۔

وھم اذل واقل عددا ھو بیتونا بالوتیر ھجّدا

حالانکہ وہ بے حد درجہ ذلیل وخوار ہیں اور گنتی میں بھی بہت کم انہوں نے نماز تہجد کے موقع پر ہم پر شب خون مارا۔

وقتلونا رکعا وسجّدا

اور رکوع وسجدہ کی حالت میں ہمیں قتل کیا۔

آپؐ نے یہ اشعار سن کر فرمایا عمرو بن سالم! تمہاری ضرور مدد کی جائے گی۔

پھر بدیل بن ورقاء بھی خزاعہ کی ایک جماعت سمیت مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے ساری صورت حال کہہ سنائی، قریش نے بنو بکر کے ساتھ بنو خزاعہ کے خلاف جو تعاون کیا، اس کے بارہ میں بھی بتایا، یہ ساری باتیں سننے کے بعد آپؐ نے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اب ابوسفیان آئے گا اور درخواست کرے گا کہ عہد ومیثاق پھر سے پختہ کر لیا جائے، مدت میں اضافہ کر دیا جائے، قریش چونکہ اپنے کیے پر نادم اور خوف زدہ ہیں لہٰذا وہ ضرور ابوسفیان کو بھیجیں گے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا ابوسفیان مدینہ میں آیا اور اپنی صاحبزادی حضرت ام حبیبہؓ کے گھر آ گیا، جب ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت ام حبیبہؓ نے جلدی سے بستر کو لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا، بیٹی مجھے معلوم نہیں کہ بستر میرے شایانِ شان نہیں یا میں بستر کے لائق نہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس بستر ہے اور تم مشرک اور نجس ہو اور اس پر بیٹھنے کے اہل نہیں ہو۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ واللہ!

میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچی ہے"۔ یہ کہنے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ کے پاس جا کر کلام کرنے لگے لیکن آپؐ نے ابوسفیان کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا، ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ سے کلام کیجئے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں تو اس بارہ میں آپ سے کلام نہیں کر سکتا ابوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ سے کہا، انہوں نے فرمایا میں تمہاری سفارش نہیں کر سکتا، واللہ! اگر ذرہ جتنی بات ہو تو میں تمہارے خلاف جہاد کے لیے تیار ہوں ابوسفیان پھر حضرت علیؓ کے گھر گئے، حضرت فاطمہؓ بھی تشریف فرما تھیں اور حضرت حسنؓ ابھی بچے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے پاس کھیل رہے تھے، ابوسفیان نے کہا "اے علی! آپ ساری قوم سے زیادہ میرے ساتھ رحمدل ہیں میں ایک ضرورت کے پیش نظر تمہارے پاس آیا ہوں، مجھے ناکام نہ لوٹانا، بات یہ ہے کہ محمدؐ کے پاس میری سفارش کر دو" حضرت علیؓ نے فرمایا آپ ایک ایسا عزم کر چکے ہیں کہ ہمیں گفتگو کی تاب نہیں پھر وہ حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے اس چھوٹے صاحبزادے کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کی فریاد رسی کریں اور اس طرح وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پورے عرب کے سردار بن جائیں گے، انہوں نے فرمایا ابھی میرا یہ کمسن بچہ اس عمر کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کو پناہ دے سکے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالاتر ہو کر کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، یہ سن کر وہ کہنے لگے" اے ابوالحسن! میں دیکھ رہا ہوں کہ معاملہ ہمارے خلاف شدت اختیار کر چکا ہے، پس آپ ہی مجھے نصیحت کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا واللہ! میں خود کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا جو آپ کو بچا سکے۔ لیکن آپ بنی کنانہ کے سردار ہیں اس لیے کھڑے ہو جائیے اور باہم لوگوں میں صلح پسندی کا اعلان کر دیں اور پھر اپنے شہر واپس چلے جائیں۔ ابوسفیان نے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے مجھے کوئی فائدہ پہنچے گا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا" نہیں میرے خیال میں کوئی فائدہ تو نہیں پہنچ سکے گا لیکن اس کے سوا کوئی اور تدبیر بھی ذہن میں نہیں آتی"، چنانچہ اس کے بعد ابوسفیان نے مسجد میں پہنچ کر اعلان کر دیا کہ "اے لوگو! میں آپس میں صلح کا اعلان کرتا ہوں" یہ کہہ کر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

ابوسفیان جب قریش کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا کیا خبر ہے؟ ابوسفیان نے جواب

دیا کہ میں نے حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے گفتگو کی لیکن خدا کی قسم! آپؐ نے میری کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا پھر میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کے پاس گیا لیکن وہاں بھی مجھے کوئی بہتری نظر نہ آئی، پھر میں عمر بن خطابؓ کے پاس پہنچا تو انہیں سب سے بڑا دشمن پایا، پھر علی بن ابی طالبؓ کے پاس گیا تو انہیں میں نے سب سے زیادہ نرم پایا، انہوں نے مجھے ایک مشورہ دیا تھا سو میں نے اس کے مطابق عمل کیا، انہوں نے پوچھا کیا حضرت محمدؐ نے اس فعل کو جائز قرار دے دیا تھا؟ کہا نہیں۔ اس پر قریشی کہنے لگے ابوسفیان! تم پر افسوس ہے، واللہ علیؓ نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ تم سے مذاق کیا ہے۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور اپنے اللہ سے یہ دعا مانگی کہ "اے میرے اللہ! کفار کی آنکھوں اور کانوں کو بند کر دے، پس وہ ہمیں اچانک ہی دیکھیں اور ہماری آمد کی خبر یکایک ہی سنیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تیاری میں مصروف تھے کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کی طرف ایک خط لکھ کر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ کی طرف تشریف لانے کی خبر دے دی، حاطب نے یہ خط بنو عبدالمطلب کی ایک لونڈی سارہ کے ہاتھ بھیجا۔ اس نے اس خط کو سر کی مینڈھیوں میں چھپا لیا تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آسمان سے اس خط کے بارہ میں اطلاع آگئی، آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو عورت کی تلاش میں بھیجا، انہوں نے روضہ خاخ کے پاس جاکر بڑھیا کو پکڑ لیا، خط کے بارہ میں پوچھا تو اس نے انکار کر دیا، انہوں نے اس کے سامان وغیرہ کی تلاشی لی لیکن خط نہ مل سکا بالآخر انہوں نے ذرا ڈرایا دھمکایا تو اس نے خط اپنی مینڈھیوں سے نکال کر دے دیا۔ وہ دونوں خط لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، خط دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے ہے، آپ نے حاطب کو طلب فرما کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حاطب نے عرض کیا حضور میری بات سن لیجئے۔ جلدی نہ فرمائیے۔ خدا کی قسم! میں اللہ اور اس کے رسول پہ دل سے ایمان رکھتا ہوں، مجھ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی میں مرتد ہوا ہوں لیکن بات درحقیقت یہ ہے کہ میں ایسا شخص تھا جس کا مکہ میں کوئی کنبہ قبیلہ نہ تھا اور میرے اہل وعیال ان میں گھرے ہوئے تھے پس میں نے ان پہ یہ احسان کرنا چاہا تاکہ وہ میرے اہل وعیال

سے اچھا سلوک کریں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غلبہ عنایت فرما کر نہایت مستحکم کر دے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا "حضورؐ! مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن اڑا دوں، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے اور نفاق کا مظاہرہ کیا ہے، آپؐ نے فرمایا یہ تو غزوہ بدر میں شریک تھے اور اے عمرؓ! کیا تمہیں خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے حالات پر مطلع تھا اور اس نے ان کی شان میں یہ حکم نازل فرمایا تھا کہ تم جو چاہے کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے

یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور کہنے لگے اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے لیے رخت سفر باندھا اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور خبروں کو قریش تک نہ پہنچنے دیا، تاہم وہ خطرہ ہر وقت محسوس کرتے رہتے تھے، ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا مسلمانوں کی خبریں معلوم کرنے کی ٹوہ میں رہتے تھے' انہی دنوں حضرت عباسؓ اپنے اہل وعیال کو لے کر مسلمان اور مہاجر کی حیثیت سے مکہ سے نکل پڑے تھے، جحفہ میں ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، آپؐ جب عشاء کے وقت مقام مرالظہران پر پہنچے تو آپ نے تمام لشکر کو آگ جلانے کا حکم دے دیا؛ چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں دس ہزار سے زیادہ آگ کے الاؤ روشن کیے گئے، حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنے لگے جو قریش کو جا کر صورت حال کی خبر دے تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخلہ سے قبل ہی آپ سے امن کی بھیک مانگ لیں، آپ فرماتے ہیں میں اسی خچر پر سوار ہو کر جا رہا تھا کہ میں نے ابوسفیان اور بدیل کو گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ میں نے آج جیسی آگ کبھی نہیں دیکھی اور نہ کبھی ایسا لشکر دیکھا ہے، بدیل نے کہا واللہ یہ خزاعہ کی آگ ہے جس نے جنگ بھڑکائی ہے۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ خزاعہ قلیل بھی ہیں اور ذلیل بھی وہ ایسی آگ نہیں جلا سکتے۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں، میں نے ابوسفیان کی آواز پہچانتے ہوئے کہا کیا ابو حنظلہ ہے؟

انہوں نے بھی میری آواز کو پہچان لیا اور کہا ابوالفضل ہیں؟ میں نے کہا ہاں، ابوسفیان نے پوچھا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں کیا خبر ہے؟ میں نے کہا یہ جناب رسول اللہ میرے پیچھے ہیں، اور بہت بڑا لشکر جرار لے کر تمہاری طرف آ رہے ہیں، ابوسفیان نے پوچھا پھر آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ میں نے کہا اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آ گئے تو تمہاری گردن اڑا دی جائے گی لہذا میرے اس خچر پر میرے پیچھے سوار ہو جاؤ تاکہ میں رسول اللہ سے تمہارے لیے امن طلب کر سکوں، چنانچہ وہ میرے پیچھے بیٹھ گئے، اس کے ساتھی واپس لوٹ گئے، میں انہیں سوار کر کے خچر کو دوڑاتے ہوئے آپ کی طرف روانہ ہو گیا، میں جہاں جہاں مسلمانوں کی آگ کے پاس سے گزرتا، لوگ مجھے دیکھ کر کہتے، یہ رسول اللہ کے چچا رسول اللہ کے خچر پر سوار جا رہے ہیں، حتیٰ کہ جب میرا گزر حضرت عمر بن خطابؓ کی آگ پر ہوا تو انہوں نے پوچھا کون ہے؟ اور میرے سامنے کھڑے ہو گئے، ابوسفیان کو دیکھا تو فرمانے لگے دشمن خدا! خدا کی تعریف ہے جس نے ہمیں کسی معاہدہ و ذمہ داری کے نہ ہونے کی صورت میں تم پر قابو دے دیا ہے۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے ادھر میں نے بھی ابوسفیان کو لیے ہوئے تیزی سے خچر دوڑایا اور عمرؓ سے پہلے پہنچ گیا، ابھی تھوڑی دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر کسی معاہدہ امن اور تحفظ کی ذمہ داری کے اس پر قابو دے دیا ہے، مجھے اجازت دے دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اسے پناہ دے دی ہے۔ جب حضرت عمرؓ کا ابوسفیان کے بارے میں اصرار بڑھا تو میں نے کہا اے عمرؓ! بس اب جانے دو، خدا کی قسم! آپ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ وہ بنو عدی بن کعب میں سے نہیں ہیں اگر ان میں سے ہوتے تو آپ ایسا نہ کہتے، انہوں نے کہا اے عباسؓ! آپ بھی بس کریں، خدا کی قسم جس دن آپ اسلام لائے تھے، تو آپ کا اسلام لانا مجھے خطاب کے اسلام لانے سے بشرطیکہ وہ اسلام لاتے زیادہ پسند تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر خطاب اسلام لے آتے تو ان کے اسلام لانے کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا اسلام زیادہ پسند تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عباس انہیں اپنے گھر لے جاؤ، کل صبح سویرے انہیں میرے سامنے پیش

کرنا، دوسرے دن صبح سویرے جب حضرت عباسؓ نے انہیں پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا ابوسفیان تم پر افسوس ہے کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اس بات کو سمجھ لو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' انہوں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ نثار ہوں آپ نہایت رحم دل، حلیم، معزز اور صلہ رحمی فرمانے والے ہیں، واللہ! مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر خدا کے سوا کوئی دوسرا ہوتا تو وہ مجھے فائدہ پہنچا دیتا، پھر آپؐ نے فرمایا اے ابوسفیان! تم پر افسوس ہے کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابوسفیان نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ نثار ہوں' آپ کس قدر صاحبِ حلم، معزز اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں البتہ آپ کی نبوت کے بارہ میں مجھے کچھ تردد ہے! حضرت عباسؓ نے کہا، تم پر افسوس ہے، قبل اس سے کہ تمہاری گردن اڑا دی جائے، فوراً اسلام قبول کر لو، پس انہوں نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان ایک بڑائی پسند آدمی ہے لہذا آپ انہیں کوئی نمایاں امتیاز عطا فرما دیں، آپؐ نے فرمایا ہاں جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اسے امن دے دیا جائیگا، جو اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے گا، وہ بھی مامون رہے گا اور جو شخص مسجد حرام میں پناہ لے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔

ابوسفیان نے جب گھر جانے کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباس آپ انہیں لے جائیں اور تنگ گھاٹی میں پہاڑ کی چوٹی پر بٹھا دیں تاکہ خدائی لشکر ان کے سامنے سے گزرے اور یہ اس کی شان و شوکت دیکھ سکیں، پس میں وہاں سے روانہ ہوا اور میں نے ابوسفیان کو ایک تنگ گھاٹی میں پہاڑ کی چوٹی پر بٹھا دیا اور مختلف قبائل لشکر اپنے پرچم لہراتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرنے لگے حتی کہ آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سبز پوش دستہ کے ساتھ گزرے، جس میں زرہ پوش مہاجر و انصار شامل تھے، ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں اور کچھ نہیں ابوسفیان نے پوچھا "سبحان اللہ، اے عباس! یہ کون لوگ ہیں"؟ میں نے کہا یہ "رسول اللہ ہیں جو مہاجرین و انصار کے پروانوں میں گھرے ہوئے ہیں"۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم دنیا کی کوئی قوم ان سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھ سکتی۔

انصار کا پرچم سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا، وہ جب ابوسفیان کے پاس سے گزرے

تو کہنے لگے "اے ابوسفیان! آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے، آج کعبہ میں خونریزی کی اجازت ہوگی، آج کے دن اللہ قریش کو ذلیل و خوار کرے گا۔" حضرت ابوسفیانؓ نے اس بات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا سعد نے ٹھیک بات نہیں کی، آج کا دن تو کعبہ کی تعظیم کا دن ہے، آج کے دن تو اللہ تعالیٰ نے قریش کو معزز بنا دیا ہے۔" پھر آپ نے علم ان سے لے کر ان کے صاحبزادے قیس کو دے دیا۔

ابوسفیان جب قریش کے پاس پہنچے تو بآوازِ بلند کہنے لگے "اے قوم قریش! یہ محمدؐ تم تک اتنا عظیم الشان لشکر لے کر آ پہنچے ہیں کہ اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر دیکھنے میں نہ آیا تھا، آج جو شخص میرے گھر میں آجائے گا اسے امن مل جائے گا۔ لوگوں نے کہا "افسوس ہے، تمہارا گھر ہمیں کیا بچا سکتا ہے"؟ پھر انہوں نے کہا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے گا، وہ بھی امن میں رہے گا اور جو مسجد میں داخل ہو جاتے گا اسے بھی امن مل جائے گا۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ رہے اور کچھ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالائی گھاٹی سے مکہ میں داخل ہوئے اور حضرت خالد بن ولیدؓ اور ان کے دستہ کو زیریں گھاٹی سے داخل ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی قریشی تمہارے سامنے آئے تو اسے پکڑے رکھو حتی کہ صفا پر آ کر مجھ سے ملاقات کرو؛ چنانچہ جو قریشی بھی ان کے سامنے آتا یہ اسے سلا دیتے۔

کچھ بے وقوف قریشی لوگ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ خندمہ میں جمع ہو گئے تاکہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی کر سکیں، حماس بن قیس کو رسول اللہ کی آمد آمد سے قبل بہت بہادر سمجھا جاتا تھا۔ اس سے اس کی بیوی نے کہا واللہ! دنیا کی کوئی طاقت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس نے کہا تم دیکھنا ان میں سے بعض کو تمہارا خادم بنا کر لاؤں گا اور پھر اس نے یہ شعر پڑھا ؎

إن يقبلوا اليوم فمالى علة   هذا سلاح كامل وإله

اگر وہ آج پیش قدمی کریں تو میرے لیے کبھی کوئی عذر نہیں ہوگا۔ یہ مکمل ہتھیار اور لمبا نیزہ میرے پاس ہے۔

وذو غرار بین سریع لسلہ

اور دو دھاری اور نہایت برق رفتار تلوار ہے۔

پھر حماس بھی خندمہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ جاکر مل گیا، جب حضرت خالد بن ولیدؓ اور ان کے رفقاء کی ان کافروں کے ساتھ معمولی جھڑپ ہوئی اور بارہ مشرک قتل ہو گئے تو سب شکست خوردہ ہو کر بھاگ گئے، حماس بھی بھاگ کر اپنے گھر پہنچ گیا اور بیوی سے کہنے لگا دروازہ فوراً بند کر دو، بیوی نے کہا وہ جو تم اپنی بہادری کی باتیں کرتے تھے وہ کیا ہوئیں؟ کہنے لگا۔

انك لو شهدت يوم الخندمة　　اذ فر صفوان وفرّ عكرمة

اگر تم خندمہ کے دن حاضر ہوتیں جب صفوان بھی فرار ہو گیا اور عکرمہ بھی۔

وابو يزيد قائم كالمؤتمة　　واستقبلنا بالسيوف المسلمة

اور ابو یزید یعنی سہیل بن عمرو بیوہ عورت کی طرح کھڑا تھا اور مسلمان تلواروں کے ساتھ ہمارا استقبال کر رہے تھے۔

يقطعن كل ساعد وجمجمة　　ضربا فلا يسمع الا غمغمة

مسلمانوں کی تلواریں کلائیوں اور کھوپڑیوں کو کاٹ کاٹ کر پھینک رہی تھیں اور غیر مفہوم آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔

لهم نهيت خلفنا وهمهمة　　لم تنطقي باللوم ادنى كلمة

وہ ہمارے پیچھے کراہ رہے تھے اگر تو اس منظر کو دیکھتی تو ملامت کا ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکالتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو حضرت زبیرؓ کو شہر کے ایک طرف، حضرت خالدؓ کو دوسری طرف اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو حسّر کی طرف متعین فرما دیا؛ چنانچہ انہوں نے بطنِ وادی پر قبضہ کر لیا، آپؐ خود اپنے دستہ کے ہمراہ ہی رہے اِدھر قریش نے اپنے اوباشوں کو بھی اِدھر اُدھر پھیلا دیا اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی تو ہم ان کے

ساتھ مل جائیں گے اور اگر قریش کو فتح ہوئی تو ان کے ساتھ شریک ہو جائیں گے، آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو حکم دیا کہ انصار کو بلاؤ، انصار کے سوا کوئی اور نہ آئے، جب وہ آ گئے تو آپ نے فرمایا تم قریش کے اوباش و اتباع لوگوں کو نہیں دیکھتے؟ تم انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑ لو حتی کہ میرے پاس صفا پر آ کر ملاقات کرو"، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جس کسی نے ان میں سے کسی کو قتل کرنا چاہا تو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کو مقام حجون میں مسجد فتح کے قریب نصب کر دیا گیا تھا، پھر آپ نے مسجد میں قدم رنجہ ہونے کے لیے پیش قدمی فرمائی۔ انصار و مہاجرین آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے جاں نثار پروانوں کی صورت ہالہ بنے ہوئے تھے۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد آپ سیدھے حجر اسود کے پاس تشریف لے آئے، حجر کو بوسہ دیا اور طواف شروع فرمایا، دست مبارک میں کمان پکڑی ہوئی تھی، بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، آپ کمان کے ساتھ انہیں گراتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ۔	حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا۔ بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔ حق آ گیا اور باطل اب نہ آئے گا

اور بت اوندھے منہ گر رہے تھے۔ آپ نے سواری پر طواف فرمایا تھا، چونکہ احرام نہیں باندھا ہوا تھا۔ لہٰذا آپ نے طواف ہی پر اکتفاء فرمایا۔

طواف سے فراغت کے بعد آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر اس سے کعبہ کی چابی لی اور دروازہ کھولنے کا حکم دیا، آپ اندر تشریف لے گئے تو کعبہ شریف کے اندر بھی بت رکھے ہوئے دیکھے، ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے بت بھی دیکھے کہ ہاتھوں میں تیر پکڑے قسمت آزمائی کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا "اللہ انہیں تباہ و برباد کرے انہوں نے تو کبھی بھی تیروں کے ساتھ قسمت آزمائی نہ کی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ ان بتوں کو بھی ختم کر دیا جائے پھر حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ نے دروازہ بند کر دیا اور آپ نے دروازہ کی جانب والی دیوار کی طرف منہ کر لیے اور دیوار کے قریب ہو کر حتی کہ آپ کے اور دیوار کے درمیان صرف تین ہاتھ کا

فاصلہ تھا، نماز پڑھی، پھر چاروں طرف چکر لگایا، اللہ کی تکبیر و توحید کے ترانے بلند فرمائے اور پھر دروازہ کھول دیا گیا، قریش صفیں بنائے محوِ انتظار تھے کہ آج ان کے بارے میں کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ آپ نے دروازہ کی دہلیز پر کھڑے ہو کر سب سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: "اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، اپنے لشکر کو عزت بخشی اور تمام مخالف جماعتوں کو شکست سے دوچار کیا۔ خبردار رہو کہ ہر آبائی عزو شرف، ہر خون یا مال جس کا کوئی دعویٰ کرتا ہو وہ آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہے، بجز بیت اللہ کی خدمت گزاری اور حجاج کو آبِ زمزم پلانے کی خدمت کے، آگاہ رہو غلطی سے قتل بھی دانستہ قتل کرنے کے مساوی شمار ہو گا۔ دونوں صورتوں میں شدید قسم کا خون بہا یعنی سو اونٹ، جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں، ادا کرنا ہو گا۔ اے قوم قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہارے زمانہ جاہلیت کے تکبر و غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کے ناروا طریقہ کو ختم فرما دیا ہے، تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور خود حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے پھر آپؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (الحجرات ۱۳)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

پھر فرمایا اے قریشیو! تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے کیا سلوک کروں گا؟ سب نے بیک جنبشِ زباں عرض کیا۔ آپ سے ہمیں بھلائی کی امید ہے کیونکہ آپ ہمارے مہربان و فیاض بھائی اور مہربان و فیاض بھائی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم سے

وہی بات کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ آج تم پر کوئی گرفت نہ ہو گی، جاؤ تم سب آزاد ہو، پھر آپ مسجد میں تشریف فرما ہوئے، حضرت علیؓ ہاتھ میں کعبہ کی چابی لیے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے، یارسول اللہ، اللہ کی رحمتوں کا آپ پر نزول ہو، حجابہ اور سقایہ ہمارے لیے مخصوص فرما دیجئے، آپ نے فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں"؟ عثمان حاضر ہوئے تو فرمایا "عثمان یہ چابی لو، آج نیکی اور وفاداری کا دن ہے"۔

نماز کا وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہنے کا حکم فرمایا؛ چنانچہ ارشادِ نبوی کی تعمیل میں حضرت بلالؓ جب اذان کہہ رہے تھے تو اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اُسید، حارث بن ہشام اور بہت سے دیگر سردارانِ قریش بھی کعبہ شریف کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے حضرت بلالؓ کی آواز کو پسند نہ کیا۔ عتاب کہنے لگا" اللہ نے میرے باپ اسید کو عزت بخشی کہ اس نے اس آواز کو نہ سنا"، اسی طرح حارث نے بھی اظہار ناپسندیدگی کیا البتہ ابوسفیان نے کہا میں کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے کوئی بات کی تو میرے متعلق یہ کنکریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دیں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا تم نے جو جو باتیں کی ہیں وہ مجھے معلوم ہو گئی ہیں۔ یہ سنتے ہی حارث اور عتاب نے کہا ہم صدق دل سے شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں کیونکہ واللہ اس وقت ہمارے پاس اور کوئی آدمی نہ تھا جب ہم یہ گفتگو کر رہے تھے کہ یہ کہہ سکیں اس نے آپ کو خبر دی ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے، آپ نے وہاں غسل فرمایا اور فتح کی خوشی میں آٹھ رکعت نمازِ شکرانہ ادا فرمائی؛ چنانچہ امراء اسلام کا بھی یہ معمول رہا ہے کہ وہ جب بھی کسی علاقے کو فتح کرتے تو آٹھ رکعت نماز پڑھتے ہیں۔

جب مکہ کی فتح ہر اعتبار سے مکمل ہو گئی تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو امان دے دی البتہ نو آدمیوں کو مستثنیٰ قرار دیا اور فرمایا ان کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ کعبہ کے غلاف ہی کو کیوں نہ پکڑے ہوئے ہوں۔ وہ نو آدمی یہ تھے (۱) عبداللہ بن ابی سرح

(۲) عکرمہ بن ابی جہل (۳) عبدالعزیٰ بن خطل (۴) حارث بن نفیل (۵) مقیس بن صبابہ (۶) ھبار بن اسود (۷، ۸) ابن اخطل کی دو گانے والی عورتیں اور (۹) سارہ جو کہ بنو عبدالمطلب کی باندی تھی۔

ابن سرح کو جب اس حکم نبوی کا علم ہوا تو وہ دوڑ کر حضرت عثمانؓ کے پاس چلا گیا اور کہنے لگا کہ قبل اس کے کہ میری گردن اڑا دی جائے، آپ رسول اللہ سے میرے لیے امن طلب کر لیں۔ حضرت عثمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میں نے انہیں پناہ دے دی ہے، پس اب ان سے بیعت لے لیجئے، آپ نے یہ بات سن کر کئی دفعہ رخ انور دوسری طرف پھیر لیا تاکہ کوئی مسلمان اسے قتل کر دے لیکن جب کسی مسلمان نے اس راز کو نہ سمجھا تو آپ نے ان سے بیعت لے لی۔ عکرمہ فرار ہو گیا تھا، اس کی بیوی نے اس کے لیے امان لے لی اور اسے واپس لے آئی تو وہ مسلمان ہو گئے، اور بڑے سچے پکے مسلمان ہوئے البتہ ابن اخطل، مقیس، حارث اور ایک گانے والی عورت کو قتل کر دیا گیا تھا جب کہ ھبار نے پہلے راہِ فرار اختیار کی لیکن بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ سارہ اور ایک دوسری گانے والی عورت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کر لی گئی تھی اور یہ دونوں مسلمان بھی ہو گئی تھیں۔

فتح مکہ کے دوسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور پھر فرمایا "لوگو! اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن ہی مکہ کو محترم قرار دیا تھا لہٰذا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ یہاں خونریزی کرے یا یہاں کے کسی درخت کو کاٹے، اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہاں لڑائی کی تھی تو اسے کہو کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو اجازت دے دی تھی لیکن تجھے اجازت نہیں دی اور مجھے بھی بس تھوڑے ہی وقت کے لیے اجازت ملی تھی۔

فضالہ بن عمیر بن ملوح لیثی نے ارادہ کیا کہ (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ طواف میں شہید کر دے، جب وہ آپؐ کے قریب ہوا تو آپؐ نے فرمایا "فضالہ ہے؟" اس

نے کہا "ہاں یا رسول اللہ! میں فضالہ ہوں"۔ آپ نے فرمایا "تم اپنے جی میں کیا باتیں کرتے ہو؟" وہ کہنے لگا کچھ نہیں بس اللہ کا ذکر کر رہا تھا آپ مسکرائے اور فرمانے لگے "اللہ سے معافی مانگو" پھر آپ نے دست مبارک اس کے سینہ پر رکھا تو اس کا دل پرسکون ہو گیا، فضالہ کہا کرتے تھے "بخدا! جب آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ سے اٹھایا تو روئے زمین پر آپ سے زیادہ محبوب مجھے کوئی نہ تھا"۔ جب میں واپس گھر جا رہا تھا تو ایک عورت کے پاس سے گزرا جس سے بات چیت کیا کرتا تھا، اس نے کہا فضالہ آؤ باتیں کریں۔ میں نے انکار کر دیا اور فی البدیہہ یہ اشعار کہے ؎

قالت هلم الى الحديث فقلت لا   يأبى الاله عليك والاسلام

اس نے کہا آؤ باتیں کریں تو میں نے کہا نہیں، اللہ اور اسلام تجھ سے باتیں کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

لو قد رأيت محمدا وقبيله   بالفتح يوم تكسر الاصنام

اگر تم محمدؐ اور ان کے قبیلے کو فتح کے موقع پر دیکھتیں، جس دن کہ بت توڑ ڈالے گئے تھے

لرأيت دين الله اضحى بينا   والشرك يغشى وجهه الاظلام

تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ کا دین غالب ہو گیا ہے اور شرک کے چہرے پر تاریکیاں چھا گئی ہیں۔

فتح کے دن صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل نے بھی راہ فرار اختیار کر لی تھی، صفوان کا ارادہ سمندری سفر کا تھا کہ عمیر بن وہب نے رسول اللہ سے ان کے لیے امان لے کر انہیں واپس لوٹا لیا۔ عکرمہ کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام نے بھی عکرمہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لے لی اور انہیں یمن سے واپس بلا لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید خزاعی کو حکم دیا کہ حرم شریف کے نشانات کی تجدید کر دو نیز آپ نے مکہ کے اردگرد کے تمام بتکدوں مثلاً لات، عزیٰ اور منات وغیرہ کے انہدام کے لیے مختلف سریے بھیجے، جنہوں نے ان تمام کو پیوند خاک کر دیا۔ مکہ مکرمہ میں بھی آپ کے حکم سے یہ منادی کر دی گئی کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو

وہ اپنے گھر میں رکھے ہوئے ہر بت کو پاش پاش کر دے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کی سواع کی طرف فوج کشی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ماہِ رمضان میں حضرت عمرو بن عاصؓ کو قبیلہ ہذیل کے سواع نامی بت کے انہدام کے لیے بھیجا، حضرت عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں وہاں پہنچا تو بت کا پجاری اس کے پاس موجود تھا اس نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں اس بت کو منہدم کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا تم ایسا نہ کر سکو گے۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے کہا تمہیں روک دیا جائے گا۔ میں نے کہا تم پر افسوس ہے کہ تم ابھی تک باطل ہی پر ڈٹے ہوئے ہو، کیا یہ بت کچھ سنتا اور دیکھتا ہے؟ یہ کہہ کر میں بت کے پاس گیا اور اسے پاش پاش کر دیا اور ساتھیوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس کے خزانہ والے کمرے کو بھی پیوندِ خاک کر دیا۔ لیکن اس میں سے کچھ بھی نہ ملا۔ پھر میں نے پجاری سے پوچھا کیا حال ہے؟ کہنے لگا میں بھی اللہ پر ایمان لے آیا ہوں۔

سعد بن زیدؓ کی منات پر فوج کشی

پھر آپؐ نے سعد بن زید بن مالک ابن عبد کعب بن عبد الاشہل الاشہلی انصاریؓ کو ماہِ رمضان المبارک میں ہی منات کے انہدام کے لیے بھیجا، یہ بت مقام مشلل میں قدید کے پاس تھا، اوس، خزرج اور غسان سب اس کی تعظیم کرتے تھے، حضرت سعدؓ بیس سواروں کا دستہ لے کر وہاں پہنچے، پجاری وہاں موجود تھا۔ اس نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ فرمایا منات کا انہدام۔ اس نے کہا آپ جانیں اور منات، دونوں آپس میں نمٹ لیں۔

حضرت سعدؓ اس کی طرف چلے ہی تھے کہ ایک سیاہ فام، عریاں جسم، پراگندہ بال عورت آپ کے سامنے نمودار ہوئی، جو کہ ہائے وائے کرتے ہوئے سینہ کوبی کر رہی تھی۔ پجاری نے کہا منات یہ تیرے نافرمان ہیں ان سے نبٹ لے لیکن حضرت سعدؓ نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا اور پھر سارے بت کدہ کو منہدم کر دیا، مگر اس کے خزانہ میں سے کچھ نہ ملا۔

غزوہ حنین

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب قبیلہ ہوازن نے یہ خبر سنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرما لیا ہے تو انہوں نے آپؐ سے مقابلہ کی تیاری

شروع کر دی، ہوازن کے سردار مالک بن عوف نصری نے ثقیف کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا اور جب وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلا تو اس نے حکم دیا کہ وہ اپنی ہر چیز، اپنے مویشی، مال و دولت، عورتوں اور اولاد کو اپنے ساتھ لے چلیں حتیٰ کہ ان کا سارا لشکر اوطاس میں جمع ہو گیا، اس لشکر میں درید بن صمہ جُشمی بھی تھا جو کہ بہت تجربہ کار اور بہادر شخص تھا، مگر بوڑھا ہو چکا تھا، اس نے پوچھا تم کس وادی میں ہو؟ بتایا گیا کہ اوطاس میں، کہنے لگا گھوڑوں کے لیے اچھی جولان گاہ ہے، نہ نرم ہے' نہ سخت لیکن یہ کیا بات ہے کہ میں اونٹوں، گدھوں، بکریوں، بچوں اور عورتوں وغیرہ کی آوازیں بھی سن رہا ہوں تو انھوں نے بتایا کہ مالک بن عوف نے ان سب کو میدانِ جنگ میں لے چلنے کو کہا ہے' اس نے پوچھا "مالک کہاں ہے"؟ مالک کو بلایا گیا تو درید کہنے لگا آپ اپنی قوم کے رئیس ہیں، اس دن کے بعد بھی ہمیں دنیا میں کئی دن اور رہنا ہے تو تم نے یہ کیا کیا ہے؟ مالک نے جواب دیا اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ ہر سپاہی کے پیچھے اس کا مال و اسباب اور اہل و عیال رہیں تاکہ وہ ان کے تحفظ کے لیے خوب لڑے"۔ درید نے کہا واللہ تم تو بکریوں کے چرواہے معلوم ہوتے ہو، کیا شکست خوردہ کو کوئی چیز بچا سکتی ہے؟ اگر تمہیں فتح ہوئی تو تیر و تلوار سے مسلح جوان ہی تمہارے لیے مفید ثابت ہوئے ہوں گے اور اگر تمہیں شکست ہوئی تو اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب میں ذلت کا سامنا کرو گے" پھر درید نے پوچھا کعب و کلاب کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ وہ تو حاضر نہیں ہوئے۔ درید نے کہا ہاں یہ جد و جہد کا موقع ہے لہذا وہ حاضر نہیں ہوئے اگر بلندی و رفعت کا موقع ہوتا تو وہ کبھی غائب نہ ہوتے، درید پھر مالک سے کہنے لگا کہ بال بچوں اور مال و اسباب کو واپس بھیج دو لیکن وہ نہ مانا اور کہنے لگا کہ بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی رائے میں کمزوری آگئی ہے، پھر ہوازن سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا اے گروہِ ہوازن: تم ضرور میری اطاعت کرو گے ورنہ میں اپنی اس تلوار سے خودکشی کر لوں گا، تو سب نے کہا ہم آپ کی اطاعت کرتے ہیں، پھر کہنے لگا جب تم دشمنوں کو دیکھو تو اپنی تلواریں سونت لو، ان کے میان توڑ دو اور سب مل کر شخص واحد کی طرح یک دم حملہ کر دو۔

پھر مالک نے مسلمانوں کے لشکر کا حال معلوم کرنے کے لیے اپنے جاسوس بھیجے جو نہایت خوفزدہ ہو کر واپس لوٹے۔ مالک نے پوچھا تم پر افسوس تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہنے لگے ہم نے ابلق گھوڑے پر سوار نہایت خوبصورت انسان دیکھے ہیں، بخدا! اگر ان سے مقابلہ ہوا تو ہم ٹھہر نہ سکیں گے لیکن یہ بات بھی مالک کو اس کے ارادے سے باز نہ رکھ سکی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جنگی تیاریوں کے متعلق سنا تو حضرت عبداللہ بن حدرد اسلمیؓ کو بھیجا اور حکم دیا کہ دشمن کے لشکر میں داخل ہو کر ان کی باتوں کو سنیں کہ وہ کس لیے جمع ہوئے ہیں؛ چنانچہ وہ مکمل معلومات حاصل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری صورتِ حال سے مطلع کیا۔

جب آپ مسلمان مجاہدین کی قیادت فرماتے ہوئے نکلنے لگے تو صحابہ نے عرض کیا کہ صفوان بن امیہ کے پاس بہت سی زرہیں اور ہتھیار ہیں، وہ ان دنوں مشرک ہی تھے، آپ نے ان سے فرمایا "اے ابو امیہ! اپنا یہ اسلحہ ہمیں مستعار دے دو کیونکہ کل ہمارا دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے۔ صفوان نے پوچھا کیا تم میرا یہ اسلحہ مجھ سے چھیننا چاہتے ہو، آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ مستعار چاہتے ہیں، جسے واپس لوٹا دیں گے؛ چنانچہ اس نے سو عدد زرہیں اور کچھ ضروری اسلحہ دے دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لشکر میں دو ہزار اہل مکہ اور دس ہزار صحابہ کرامؓ فاتحین مکہ یعنی کل بارہ ہزار مجاہد تھے۔ آپؐ نے مکہ میں عتاب بن اسید کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وادی حنین میں پہنچے تو وادی کے مختلف تنگ حصوں میں چھپے ہوئے دشمن کے سپاہی اچانک ٹوٹ پڑے جس سے مسلمان منتشر ہو گئے، کوئی کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے دائیں طرف کھڑے ارشاد فرما رہے تھے کہ "اے لوگو! میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں"۔ آپؐ کے ساتھ مہاجرین اور آپ کے اہل بیت کے چند افراد رہ گئے تھے۔ دراصل اس لڑائی میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی جس کی وجہ سے بعض صحابہ نے کہا کہ آج ہم عددی کمتری کی بنا پر مغلوب و شکست خوردہ نہ ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی،

جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اس ابتلاء و آزمائش میں مبتلا ہونا پڑا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس ہزیمت کو دیکھ کر مکہ کے بعض اہل جفا اپنے اندرونی حسد کا اظہار کرنے لگے ابوسفیان نے کہا یہ شکست تو سمندر تک پہنچا کر رہے گی'' جبلہ بن حنبل نے کہا ''آج جادو ٹوٹ گیا ہے'' اس کا بھائی صفوان بن امیہ کہنے لگا ''خاموش رہو اللہ تمہارے منہ کو رسوا کرے، واللہ! اگر کوئی قریشی مجھے گزند پہنچائے تو مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ ہوازن کا کوئی آدمی گزند پہنچائے''۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ شیبہ بن عثمان حجبی نے کہا کہ فتح کے دن میں نے کہا تھا کہ میں بھی قریش کے ساتھ مل کر ہوازن کی طرف جاؤں گا شاید مجھے موقعہ ملے اور میں اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے (نعوذ باللہ) آپ کا کام تمام کر دوں اور اس طرح سارے قریش کا میں تنہا انتقام لے لوں گا کیونکہ میں آپ کی مخالفت میں اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ کہا کرتا تھا اگر سارا عرب و عجم بھی آپ کے تابع فرمان ہو جائے تو میں آپ کی اتباع نہ کروں گا، میدان جنگ میں جب رن پڑا اور لوگ خلط ملط ہو گئے تو آپؐ اپنے خچر سے نیچے تشریف لے آئے، میں نے تلوار کو سونت لیا اور اپنے ارادے کی تکمیل کے لیے آپ کے قریب ہوا، میں آگے بڑھ کر تلوار کا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ دیکھتا ہوں کہ آگ کا ایک کوندا بجلی کی سی رفتار سے لپک کر مجھے جھلس دینا چاہتا ہے، میں نے ڈر کے مارے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے، رسول اللہ نے میری طرف التفات فرمایا اور ارشاد ہوا ''اے شیبہ! ذرا قریب ہو''۔ میں قریب ہوا تو آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا ''اللہ! اسے شیطان سے پناہ دے''، واللہ! اس وقت آپ مجھے اپنے کان، آنکھ اور جان سے زیادہ عزیز محسوس ہو رہے تھے، پھر آپ نے فرمایا قریب ہو کر لڑائی کرو چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر آپ کے آگے اپنی شمشیر کے جوہر دکھانے شروع کیے، اللہ جانتا ہے کہ اس وقت میری تمنا یہ تھی کہ کاش! میری جان نثار ہو جائے لیکن آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اگر اس وقت میرا باپ بھی میرے مقابلہ میں ہوتا تو بخدا! تلوار سے ان کا کام تمام کر دیتا، میں نے اس وقت اپنی تمام صلاحیتیں آپ کی حفاظت کے لیے صرف کر دیں حتی

کہ دیگر لوگ بھی واپس آگئے اور انہوں نے شخص واحد کی طرح دشمن پر حملہ کر دیا، آپ کی خدمت میں آپ کا خچر پیش کیا گیا، آپ اس پر سوار ہو کر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ساتھ خیمہ میں داخل ہو گیا تاکہ آپ کے چہرہ اقدس کی زیارت سے فرحت و سرور حاصل کرتا رہوں، میرے علاوہ اور کوئی شخص آپ کے ہمراہ نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا "شیبہ! اللہ نے تمہارے لیے جو ارادہ فرمایا ہے، وہ اس سے بہت بہتر ہے جو تمہارا اپنے متعلق ارادہ تھا"۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، میں جسیم آدمی تھا، میری آواز بھی بلند تھی، آپؐ نے جب لوگوں کو منتشر ہوتے دیکھا تو فرمایا لوگو! میرے پاس آؤ نیز فرمایا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ میں سچا نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا فرزند ہوں۔

میں نے دیکھا کہ لوگوں نے توجہ نہیں دی تو آپ نے فرمایا "عباسؓ! بیعت رضوان والوں کو آواز دو" میں نے آواز دی "اے بیعت رضوان والو، اے سورۂ بقرہ والو! آواز سننے کے بعد لوگوں نے اس طرف اپنے اونٹوں کا رخ موڑنا چاہا لیکن اونٹ کثرتِ ازدہام کے باعث اس طرف آ ہی نہیں رہے تھے، انہوں نے اونٹوں کو چھوڑ دیا، اپنے ہتھیار لے لیے اور اس طرف کا رخ کیا، جدھر سے آواز آرہی تھی؛ چنانچہ چشم زدن میں شمع رسالت کے سو جانثار پروانے لبیک لبیک کہتے ہوئے آپ کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے بڑی بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کیا، پھر انصار کا نام لے کر انہیں پکارا گیا اور پھر خاص طور پر بنو حارث بن خزرج کو صدا دی گئی، یہ لوگ جنگ میں بڑے صبر کا مظاہرہ کیا کرتے تھے صحیح مسلم میں ہے کہ پھر آپ نے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر دشمن کے منہ پر پھینک ماری اور فرمایا رب محمدؐ کی قسم! اب یہ شکست کھا جائیں گے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مشرکوں کو جب شکست ہوئی تو وہ بھاگ کر طائف کی طرف چلے گئے، مالک بن عوف بھی انہی کے ساتھ تھا، بعض نے اوطاس کی راہ لی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اوطاس کی طرف فرار ہونے والوں کے تعاقب میں ابو عامر اشعریؓ کے زیر قیادت ایک دستہ بھیجا، جس نے دشمن کو پالیا، لڑائی کی اور دشمن کو اللہ تعالیٰ نے شکست دی البتہ ابو عامرؓ شہید ہو گئے تو پرچم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے تھام لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابو عامرؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ نے دعا فرمائی "اے اللہ! ابو عامر کو معاف فرما دے اور روز قیامت اسے اپنی بہت سی مخلوق سے بلند مرتبہ عنایت فرمانا"۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مال غنیمت اکٹھا کیا گیا تو دشمن کی چھ ہزار عورتیں ہاتھ آئیں، حاصل شدہ اونٹ چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار اور چاندی چار ہزار اوقیہ تھی۔ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت سب سے پہلے مؤلفۃ القلوب کو دیا گیا؛ چنانچہ ابو سفیانؓ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ (تقریباً سو تولہ) چاندی دی گئی، ان کے بیٹے یزیدؓ اور معاویہؓ کو بھی اتنا مال ہی عنایت فرمایا، حکیم بن حزامؓ کو سو اونٹ عطا فرمائے، انہوں نے آپ سے سو اور مانگے تو آپؐ نے وہ بھی عطا فرما دیئے، ابن اسحاق نے ان لوگوں کا نام بنام تذکرہ کیا ہے جنہیں سو سو یا پچاس پچاس اونٹ دیئے گئے تھے، پھر آپؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ باقی مجاہدین اور بکریوں کی گنتی پیش کریں۔ پھر آپؐ نے وہ سب مال باقی لوگوں میں برابر تقسیم فرما دیا۔

ابن اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہ، محمود بن لبید، ابو سعید خدریؓ کی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت قریش اور دیگر قبائل عرب میں تقسیم فرما دیا اور انصار کو کچھ نہ دیا تو انصار نے اسے محسوس کیا اور چہ میگوئیاں شروع کر دیں حتیٰ کہ کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ واللہ! اب رسول اللہ اپنی قوم سے مل گئے ہیں اور ان کی طرف جھک گئے ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ، آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا "سعدؓ! تمہارا اس بارہ میں کیا خیال ہے؟ حضرت سعدؓ نے عرض کیا "حضور! میں بھی اپنی ہی قوم کا ایک فرد ہوں"۔ آپ نے فرمایا اپنی قوم کو یہاں جمع کرو۔ جب سب انصار جمع ہو گئے تو حضرت سعدؓ نے آپ کو خبر دی، آپؐ ان کے پاس تشریف لے آئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا اے جماعتِ انصار! یہ کیا بات ہے۔ جو مجھے تمہاری طرف سے

پہنچی ہے؟ یہ کیا ہے جو تم نے اپنے دلوں میں محسوس کیا ہے؟ کیا تم گمراہ نہ تھے کہ اللہ نے میری بدولت تمہیں ہدایت بخشی؟ تم فقیر نہ تھے کہ اللہ نے میرے باعث تمہیں تونگری بخشی؟ تم آپس میں دشمن نہ تھے کہ اللہ نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں مہر و وفا پیدا فرما دی؟ انصار نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ احسان فرمانے والے اور بہت افضل ہیں؟

پھر آپ نے فرمایا اے جماعتِ انصار تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟

انصار نے کہا "یارسول اللہ! ہم کیا عرض کریں جب کہ آپ سراپا احسان و فضل ہیں"!

آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو اور اس بات میں سچے ہو گے اور تمہاری تصدیق بھی کی جائے گی کہ آپ ہمارے پاس آئے کہ آپ کی تکذیب کی جا رہی تھی لیکن ہم نے تصدیق کی، لوگ آپ کی مدد نہ کرتے تھے لیکن ہم نے آپ کی مدد کی، لوگ آپ کو جگہ نہ دیتے تھے لیکن ہم نے ٹھکانا دیا، لوگوں نے آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا لیکن ہم نے غم خواری کی، تو اے جماعت انصار! کیا تم اپنے دلوں میں ناراضگی محسوس کرتے ہو کہ اس دنیا کا حقیر سامان میں نے ایسے لوگوں کو دیا ہے، جن کی تالیف قلبی مقصود رہی ہے تاکہ وہ اسلام میں راسخ ہو جائیں اور تمہیں تو میں نے تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا ہے؟ اے جماعتِ انصار کیا تمہیں یہ منظور نہیں ہے کہ دوسرے لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو اپنے پڑاؤ میں لے کر جاؤ؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے! جس چیز کو لے کر تم لوٹے ہو اس سے بہت بہتر ہے جسے دوسرے لوگ لے کر لوٹے ہیں۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک فرد ہوتا، اگر لوگ کسی گھاٹی اور وادی کو اختیار کریں اور انصار دوسری گھاٹی اور وادی کو تو میں بھی انصار ہی کی گھاٹی و وادی کی طرف چلوں گا، لوگ شعار ہیں اور انصار دثار، اے اللہ انصار پر، ان کی اولاد پر اور اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو سننے کے بعد سب انصار زار و قطار رونے لگے حتیٰ کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور عرض کرنے لگے

"یارسول اللہ! ہم آپ کی تقسیم پر اور آپ کے ہمارے حصہ میں آنے پر بخوشی راضی ہو گئے ہیں" پھر آپ بھی تشریف لے آئے اور سب انصار بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

انہی دنوں شیما بنت حارث، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں "یارسول اللہ! میں آپ کی بہن ہوں، آپؐ نے اپنی چادر مبارک بچھادی اور اس پر بٹھایا اور فرمایا اگر تم پسند کرو تو میرے پاس عزت و تکریم سے رہو اور اگر پسند کرو تو میں تمہیں سامان دیتا ہوں تو اسے لے کر اپنی قوم کے پاس چلی جاؤ۔ شیما نے عرض کیا حضور! آپ مجھے سامان دے کر میری قوم کے پاس بھیج دیں۔ آپؐ نے انہیں تین غلام، لونڈی، اونٹ اور بکریاں دے کر نہایت عزت سے رخصت فرمایا۔ شیما مشرف بہ اسلام بھی ہو گئی تھیں۔

اسیروں کی واپسی

چودہ افراد پر مشتمل ہوازن کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی کہ ان کے قیدی اور مال و اسباب واپس کر کے احسان فرمایا جائے"؟ آپؐ نے فرمایا کیا میرے پاس کچھ دیکھتے ہو، مجھے سچی بات سب سے زیادہ پسند ہے۔ کیا تمہیں بچے اور عورتیں زیادہ محبوب ہیں یا مال و اسباب؟ انہوں نے عرض کیا کہ بیوی بچوں کے مساوی کوئی چیز نہیں ہو سکتی تو آپ نے فرمایا جب میں صبح کی نماز پڑھ لوں تو تم نے کھڑے ہو کر کہنا ہم رسول اللہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مومنوں کے پاس ہماری سفارش کریں اور مومنوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں کہ ہمارے قیدی ہمیں واپس لوٹا دیئے جائیں؟

صبح جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز ادا فرما چکے تو ہوازن کے لوگوں نے کھڑے ہو کر وہی بات کہی جو انہیں سکھائی گئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میرے یا بنی عبدالمطلب کے پاس ہے تو ہم اسے واپس کر دیتے ہیں، البتہ جو کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اس کی بابت لوگوں سے پوچھوں گا۔ اقرع بن حابس نے کہا جو میرے اور بنو تمیم کے حصہ میں آیا ہے ہم اسے واپس نہیں کریں گے، عینیہ بن حصن نے کہا جو مجھے اور بنو فزارہ کو ملا ہے، اسے بھی واپس نہیں کیا جائے گا، اسی طرح عباس بن مرداس نے کہا

جو مجھے اور بنو سلیم کو ملا ہے، ہم بھی واپس نہیں کریں گے البتہ بنو سلیم کہنے لگے نہیں جو کچھ ہمیں ملا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، میں نے انہیں اختیار دیا تھا کہ مال لے لو یا قیدیوں کو تو انہوں نے بچوں اور بیویوں کے مساوی کسی چیز کو قرار نہیں دیا لہٰذا جو بطیب خاطر واپس کرنا چاہے وہ کر دے اور جو نہ واپس کرنا چاہے وہ بھی کر دے اور ہم اس کے بعد حاصل ہونے والے پہلے مال غنیمت میں سے چھ گنا زیادہ دے دیں گے۔ سب نے کہا حضورؐ! ہم آپؐ کی خاطر بطیب خاطر واپس کرتے ہیں، آپ نے فرمایا معلوم نہیں کون خوشی سے اور کون ناخوشی سے یہ اقدام کر رہا ہے لہٰذا تم میں سے صاحب فہم لوگوں کو اس بارہ میں گفتگو کرنی چاہیے! چنانچہ بالآخر سب نے ہوازن کے بچوں اور عورتوں کی واپسی پر بخوشی آمادگی کا اظہار کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کو لباس پہنا کر واپس کر دیا۔

فصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے جب مکہ کی فتح کی تکمیل ہو گئی تو حکمت الٰہی اس بات کی مقتضی ہوئی کہ ہوازن کے دلوں کو اسلام سے دور رکھا جائے تاکہ ان سے حاصل شدہ مال غنیمت اہل فتح کے لیے باعث شکر ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے لشکر کی ایسی شان و شوکت کا مظاہرہ دکھائے، جس کی پہلے مثال نہ تھی، اس قوت و شوکت کے باوصف اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں مسلمانوں کو شکست کا مزہ بھی چکھایا تاکہ ان سروں کو نگوں کر دیا جائے جو فتح کی وجہ سے بلند ہو گئے تھے اور حرم میں اس طرح داخل نہ ہوئے تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک جھکائے ہوئے، گھوڑے پر سواری کے وقت عاجزی و انکساری کا پیکر بنے ہوئے اور تواضع کی تصویر بنے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے حتیٰ کہ تواضع کے باعث آپ کی ٹھوڑی مبارک گھوڑے کی زین سے لگ رہی تھی، اس شکست سے یہ بھی مقصود تھا کہ ان لوگوں کو جو کثرت پر فخر کرتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ آج ہم عددی کمتری کی بنا پر مغلوب و شکست خوردہ نہ ہوں گے یہ بات سمجھا دی جائے کہ فتح و شکست کا انحصار قلت و کثرت پر نہیں بلکہ مشیت ایزدی پر ہے، جسے خدا شکست دینا چاہے اسے کوئی فتح نہیں دے سکتا، اللہ اپنی نصرت سے اپنے

دین کی مدد فرما رہا ہے، دین کا غلبہ تمہاری کثرت پر موقوف نہیں، جب شکست سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے سکینت نازل فرمائی اور فتح و نصرت سے بھی نوازا۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا[1]

پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے ثابت فرما دیا کہ اس کی طرف سے سکینت اور فتح و نصرت کا نزول شکستہ دلوں ہی پر ہوا کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ[2]

اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں

غزوہ طائف

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۸ھ میں طائف تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو پہلے حضرت طفیل بن عمروؓ کو ذوالکفین۔ عمرو بن حممة دوسی کا بت ۔۔۔ منہدم کرنے کے لیے روانہ فرمادیا اور ہدایت فرمائی کہ اس سلسلہ میں وہ اپنی قوم سے مدد لیں اور پھر مجھ سے طائف میں آملیں؛ چنانچہ آپ نہایت تیزی سے اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان کی مدد سے ذوالکفین کو منہدم کر دیا، اس کے چہرے کو آگ سے جھلس دیا اور یہ شعر پڑھا ؎

یا ذا الکفین لست من عباد کا میلادنا اکبر من میلاد کا

اے ذوالکفین! میں تیرے پجاریوں میں سے نہیں ہوں، ہماری پیدائش تیرے وجود سے بہت پہلے کی ہے۔

انی حشوت النار فی فؤاد کا

میں نے تیرے دل میں آگ لگا دی ہے۔

پھر حضرت طفیلؓ اپنی قوم کے چار سو آدمیوں سمیت تیزی سے روانہ ہو کر آنحضرت

---

[1] التوبہ ۲۶ [2] القصص ۵

صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف میں تشریف آوری کے چار دن بعد آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ آپ اس سفر میں ایک دبابہ اور ایک منجنیق لے کر تشریف لائے تھے۔

ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ اوطاس میں شکست کھا گئے تھے تو اپنے قلعہ میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو گئے تھے اور جنگ کے لیے تیاریاں شروع کر دی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا سفر اختیار فرما کر قلعہ طائف کے قریب اپنا پڑاؤ ڈالا اور دشمن پر حملہ کر دیا، دشمنوں نے یہاں مسلمانوں پر تیروں کی سخت بوچھاڑ کر دی۔ تیر ٹڈی دل کی طرح برس رہے تھے حتیٰ کہ بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے اور بارہ جام شہادت نوش فرما گئے، لڑائی کے بعد آپؐ مسجد طائف کے مقام پر تشریف لے آئے اور اٹھارہ دن تک طائف کا محاصرہ کیے رکھا۔ قلعہ کے سامنے منجنیق نصب کر دی گئی اسلام میں سب سے پہلے آپؐ ہی نے منجنیق کو استعمال فرمایا ہے، پھر آپؐ نے ثقیف کے انگور کے باغات کاٹ پھینکنے کا حکم دیا، مسلمانوں نے ابھی کچھ حصہ ہی کاٹا تھا کہ انہوں نے اللہ اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر قطع و برید ختم کر دینے کی درخواست کی جسے آپ نے منظور فرما لیا اور آپؐ کے منادی نے اعلان کر دیا کہ جو شخص قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے گا، اسے چھوڑ دیا جائے گا؛ چنانچہ ابوبکرہ بن مسروح کے ساتھ دس سے زیادہ آدمی قلعہ سے نکل کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے، آپ نے انہیں آزاد فرمایا اور حفاظت کے لیے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک مسلمان کے سپرد کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کو بزور شمشیر فتح کرنے کی اجازت نہ دی بلکہ حضرت عمر بن خطابؓ کو حکم دیا کہ لوگوں میں کوچ کرنے کا اعلان کر دو، اس پر لوگوں میں کچھ شور و غوغا بلند ہوا کہ فتح کے بغیر کیسے کوچ کریں؟ تو آپؐ نے فرمایا اچھا پھر صبح لڑائی کی تیاری کرو؛ چنانچہ لڑائی ہوئی اور بہت سے صحابہ کرام زخمی ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم ان شاء اللہ کل واپس جائیں گے، صحابہ کرام خوشی خوشی تیاری کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے تھے۔ جب صحابہ کرامؓ کوچ کیے جا رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا یہ دعا پڑھو۔

آئبون، تائبون عابدون لربنا حامدون۔	ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں۔ اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں اور اسی کی حمد بیان کرنے والے ہیں۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حضورؐ! ثقیف کے لیے بد دعا فرمایئے"؟ آپؐ نے فرمایا"اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں مسلمان بنا کر ہمارے پاس لے آ"۔ پھر آپؐ جعرانہ کی طرف سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں عمرہ کے لیے تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

فصل

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے رمضان المبارک میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسی مہینے آپ کی خدمتِ اقدس میں ثقیف کا وفد حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وفد سے ملاقات کے بعد جب مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی عروہ بن مسعود نے آپ سے ملاقات کی، اسلام قبول کیا اور آپؐ سے اجازت طلب کی کہ اپنی قوم میں جا کر اپنے اسلام کا اظہار کروں اور انہیں بھی دعوت دوں، آپؐ نے فرمایا"تمہاری قوم میں بڑی نخوت ہے، وہ نہایت شدت کے ساتھ مزاحمت کریں گے" انہوں نے عرض کیا"لیکن میں اپنی قوم میں بڑا محبوب و مخدوم ہوں"؛ چنانچہ وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور اسلام کی دعوت دینے لگے انہیں امید تھی کہ ان کے مقام و مرتبہ کے پیشِ نظر ان کی مخالفت نہیں کی جائے گی لیکن ہوا یہ کہ انہوں نے اسلام کا نام سنتے ہی ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی، جس سے ان کی شہادت واقع ہو گئی، شہادت سے قبل ان سے پوچھا گیا کہ"اس خون کے بارے میں آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ اللہ نے میری عزت افزائی فرمائی ہے اور یہ شہادت ہے۔ جس سے مجھے ہمکنار کیا ہے، مجھے امید ہے کہ وہی مرتبہ نصیب ہو گا جو ان شہداء کو نصیب ہوا، جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا لہٰذا میری یہ وصیت ہے کہ مجھے بھی ان شہداء کے ساتھ دفن کرنا؛ چنانچہ آپ کو

انہی کے ساتھ دفن کیا گیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "ان کی مثال ایسے ہے جیسے صاحب یٰسین کی اپنی قوم میں"۔

حضرت عروہؓ کی شہادت کے ایک ماہ بعد تک ثقیف مقیم رہے اور باہمی مشورہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہ اپنے گردوپیش کے عربوں سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے لہٰذا مسلمان ہوجانا چاہیے؛ چنانچہ وہ سب کے سب مشرف بہ اسلام ہوگئے اور انہوں نے آپؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کی اجازت لینے کے لیے اسی طرح ایک آدمی بھیجنا چاہا۔ جیسا کہ پہلے حضرت عروہؓ کو بھیجا تھا۔ اس بارہ میں جب انہوں نے عبدیالیل بن عمرو سے بات کی تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کروگے جو قبل ازیں عروہ کے ساتھ کرچکے ہو، ہاں اگر میرے ساتھ کچھ اور آدمی بھی بھیجو تو میں پھر جاسکتا ہوں، چنانچہ انہوں نے ان کے ساتھ دو حلیفوں کو اور تین بنی مالک کے افراد کو بھیجنے کا فیصلہ کرلیا، عثمان بن ابی العاص بھی ان میں شریک تھے۔ یہ وفد جب مدینہ کے قریب پہنچا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے اس کی ملاقات ہوئی، حضرت مغیرہؓ کو جب ان کے عزائم کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور دوڑے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد کی بشارت سنائیں، راستہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کی ملاقات ہوئی تو حضرت صدیقؓ فرمانے لگے تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس بارہ میں حضورؐ سے پہلے مجھے گفتگو کرنے دیجئے۔ حضرت مغیرہؓ نے آمادگی کا اظہار کردیا اور خود ان آنے والوں کو ساتھ مل گئے اور انہیں بارگاہِ نبوت کے آداب سکھانے لگے اور بتانے لگے کہ آپ کی خدمت میں کیسے سلام عرض کیا جاتا ہے لیکن انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر زمانہ جاہلیت کے طریقے کے مطابق ہی سلام کیا، آپؐ نے ان کے لیے مسجد نبوی کے ایک کونے میں خیمہ نصب کروادیا۔

اس وفد کے مطالبات میں سے ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ لات کو تین سال تک منہدم نہ کیا جائے لیکن آپ نے انکار فرمادیا، مدت میں کمی کرتے کرتے ایک ماہ تک پہنچ گئے لیکن آپ نے ایک ماہ کے وقفہ کو بھی تسلیم نہ فرمایا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ارادہ

یہ تھا کہ وہ اسے یکایک منہدم کر کے عورتوں اور بیوقوفوں کی مخالفت کو مول لینا نہیں چاہتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ جوں جوں اسلام کی سمجھ آتی جائے گی، وہ اس سے خود بخود متنفر ہو جائیں گے لیکن آپؐ نے شرک کے اس اڈے کو لمحہ بھر کے لیے بھی گوارا نہ فرمایا بلکہ اس کے انہدام کے لیے فوراً ابوسفیان بن حربؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ کو بھیج دیا۔

جب یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے تو آپؐ نے حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو ان کا امیر بنا دیا اگرچہ وہ نوخیز تھے لیکن تفقہ فی الدین اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے بڑے مشتاق تھے۔ جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آپؐ نے ابوسفیانؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا، طائف پہنچے تو مغیرہؓ نے ابوسفیانؓ سے کہا کہ پہلے آپ شہر میں داخل ہوں لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ کی قوم ہے۔ لہٰذا پہلے آپ داخل ہوں، ابوسفیانؓ ذوالہدم میں اپنے سامان سمیت ٹھہر گئے، مغیرہ شہر میں داخل ہوئے تو جاتے ہی بتکدہ کی چھت پر چڑھ گئے اور کلہاڑے کے ساتھ اسے پاش پاش کرنا شروع کر دیا' بنو مغیث دور کھڑے یہ نظارہ دیکھتے رہے، انہیں اندیشہ تھا کہ عروہ کی طرح ان پر بھی تیروں کی بوچھاڑ کر کے انہیں ختم کر دیا جائے گا، ثقیف کی عورتوں کو معلوم ہوا تو وہ ننگے سر اور روتی ہوئی گھروں سے باہر نکلیں، حضرت مغیرہؓ نے منہدم کرنے کے بعد یہاں کے اموال اور زیورات وغیرہ بھی لے لیے اور انہیں ابوسفیانؓ کے پاس بھیج دیا۔

چند فقہی مسائل

غزوہ طائف سے ہمیں چند فقہی مسائل کا بھی علم ہوتا ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے، اس غزوہ سے معلوم ہوا کہ حرمت والے مہینوں میں بھی قتال جائز ہے اور اس کی تحریم کا حکم منسوخ ہو گیا ہے، قدرت کے بعد طواغیت اور مقام شرک کو ایک دن کے لیے باقی رکھنا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ کفر کا شعار ہیں اور منکرات میں سب سے سرفہرست ہیں، اسی طرح ان مزاروں کا حکم بھی یہی ہے جنہیں قبروں پر بنایا گیا ہے۔ اور جن کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے، علی ھذا القیاس ان احجار و اشجار کا بھی یہی حکم ہے، تعظیم، تبرک اور نذر و نیاز کے پیش نظر جن کا قصد کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے اکثر لات و عزیٰ کے قائم مقام ہیں بلکہ ان کے پاس ان کی نسبت زیادہ شرک ہوتا ہے۔

ان ارباب طواغیت کا بھی یہ اعتقاد نہیں تھا کہ یہ خلق، رزق، موت اور حیات کے مالک ہیں بلکہ یہ ان کے سامنے اسی قسم کا معاملہ کرتے تھے جیسا کہ آج کے مشرک اپنے طاغوتوں کے ساتھ کرتے ہیں گویا آج کے مشرکوں نے بھی اپنے سے پیشتر مشرکوں کی راہ کو اختیار کیا ہے، اکثر لوگوں پر شرک کا غلبہ جہالت، قلتِ علم اور غلبہ تقلید کے باعث ہے آج نیکی کو برائی برائی کو نیکی، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت تصور کیا جاتا ہے، اسی پر بچوں کی تربیت ہوتی ہے اور اسی پر ساری زندگی بسر کر کے بوڑھے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اسلام کی علامات مٹائی جا رہی ہیں۔ آہ! یہ کس قدر غربتِ اسلام کا دور ہے۔

لیکن ابتدا سے آج تک ایک محمدی گروہ حق پر بھی قائم رہا ہے، جو ہر دور کے مشرکوں اور بدعتیوں کے خلاف جہاد کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا تا آنکہ اللہ اس زمین اور اہل زمین کا وارث ہو گا۔

ایک مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ ان مشاہد کے انہدام کے وقت پجاریوں کی طرف سے بھیجے ہوئے جو اموال ہاتھ لگیں، انہیں امامِ وقت کے پاس بھیج دینا چاہیئے اور امام پر واجب ہے کہ ان اموال کو جہاد اور مسلمانوں کی بہتری کے امور میں صرف کرے نیز ان مقابر و مشاہد کے اوقاف بھی مسلمانوں کے امور کی بہتری و بھلائی میں صرف کرنے چاہئیں۔

۹ھ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر سے واپسی پر جب مدینہ منورہ کو قدومِ میمنت لزوم سے نوازا اور ۹ھ شروع ہو گیا تو آپؐ نے اعراب سے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عمال کو بھیجا۔

اسی سال آپؐ نے حضرت علیؓ کو صنم طیؔ کے انہدام کے لیے روانہ فرمایا، انہوں نے سپیدہ سحر نمودار ہوتے ہی محلہ آلِ حاتم پر حملہ کر دیا اور آناً فاناً اس بتکدہ طی کو پیوند خاک کر دیا اور اونٹوں، بکریوں اور عورتوں وغیرہ کو مال غنیمت کے طور پر حاصل کر لیا عورتوں میں عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بھی تھی جب کہ خود عدی شام کی طرف بھاگ گیا تھا، اس بتکدہ کے خزانہ میں سے تین تلواریں اور تین زرہیں بھی ہاتھ آئی تھیں، مال غنیمت تو حضرت علیؓ نے راستہ ہی میں تقسیم کر دیا تھا البتہ آلِ حاتم کی عورتوں کو تقسیم نہ کیا بلکہ انہیں مدینہ طیبہ

لے آئے۔

عدی بن حاتم کا بیان ہے کہ جب میں نے پہلے پہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنا تو شاید ساری عرب دنیا سے آپ کو میں زیادہ ناپسند کرنے والا تھا۔ میں ایک شریف نصرانی آدمی تھا، اپنے آپ کو دیندار تصور کرتا تھا۔ میں نے اپنے اونٹوں کے چرواہے سے کہا کہ میرے اونٹوں میں سے خوبصورت اور موٹے تازے اونٹوں کو الگ کر لو اور جب تمہیں علم ہو کہ محمدؐ کا لشکر اس طرف آ رہا ہے، تو مجھے فوراً اطلاع دے دینا چنانچہ ایک دن جب جیشِ محمدؐ آ ہی گیا تو اس نے کہا محمدؐ کے لشکر کی آمد پر جو تم نے سوچنا ہو اب کر لو کیونکہ میں نے کچھ جھنڈے لہراتے ہوئے دیکھے ہیں اور ان کی بابت سوال کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ محمدؐ کے لشکر ہیں، میں نے کہا اچھا میرے وہ اونٹ لے آؤ۔ میں نے ان پر اپنے اہل و عیال کو سوار کیا اور پروگرام یہ بنایا کہ شام میں اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے پاس چلا جاؤں۔ حاتم کی ایک لڑکی کو میں نے حاضرہ میں چھوڑا اور خود شام جا کر مقیم ہو گیا بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ادھر آیا تو دیگر لوگوں کے ساتھ یہ عورت بھی گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کی گئی، آپؐ کو میرے شام کی طرف فرار ہونے کی خبر پہنچ گئی تھی، ایک دفعہ آپ کا اس عورت کے پاس سے گزر ہوا تو کہنے لگی "یا رسول اللہ! وفد کے لوگ غائب ہو گئے باپ فوت ہو گیا ہے اور میں معمر عورت ہوں، میں کسی خدمت کے قابل بھی نہیں، آپ مجھ پر احسان فرمائیے اللہ آپ پر احسان فرمائے گا"۔ آپؐ نے فرمایا تمہارے وفد کا سربراہ کون تھا؟ اس نے کہا عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہ جو اللہ و رسول سے فرار ہو گیا ہے؟ اس عورت نے تین دن تک آپ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی، آخر کار آپؐ نے اس عورت پر احسان فرماتے ہوئے اسے آزاد کر دیا، نہ صرف آزاد کیا بلکہ اس کے لیے سواری کا انتظام فرمایا، لباس عنایت فرمایا اور سفر کے لیے خرچ دے کر رخصت کر دیا۔

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ یہ عورت سیدھی میرے پاس آئی اور کہنے لگی حضرت محمد رسول اللہؐ نے میرے ساتھ اس قدر حسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا ہے کہ تمہارے والد صاحب نے بھی میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا ہو گا، لہذا ان کے پاس ضرور جاؤ خواہ خوشی خوشی

یاڈرتے ہوئے کیونکہ فلاں فلاں شخص نے اپنے آپ کو ان کی خدمت میں پیش کر کے امان لے لی ہے، عدی کہتے ہیں میں نے بڑھیا کی باتیں سن کر اپنے آپ کو عدالت نبوی میں پیش کر دیا، جب میں حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، لوگ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے "یہ عدی بن حاتم بغیر امان کے اور بغیر معاہدہ کے حاضر ہو گئے ہیں" لیکن آپؐ نے میرے ہاتھ کو تھام لیا اور قبل ازیں ایک مرتبہ آپ یہ پیش گوئی فرما چکے تھے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عدی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے گا۔ آپ میرے ہاتھ کو پکڑے ہوئے کھڑے ہو گئے، اسی وقت ایک عورت اپنا ایک بچہ لیے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی مجھے آپؐ سے ایک کام ہے آپ نے اس کی بات کو نہایت توجہ سے سنا، ماں اور بچے کی ضرورت پوری کی اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے کاشانہ مبارک میں لے آئے، خادمہ نے آپ کے لیے تکیہ لگایا، آپ تشریف فرما ہوئے اور میں بھی آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؐ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ کیا تم اس وجہ سے راہِ فرار اختیار کرتے ہو کہ یہاں لاالہ الا اللہ کے نغمے بلند کیے جا رہے ہیں؟ کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ میں نے عرض کیا جی نہیں، پھر آپ کچھ دیر تک گفتگو کرنے کے بعد فرمانے لگے کیا تم اس بات سے بھاگتے ہو کہ یہ کہا جائے کہ اللہ سب سے بڑا ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ سے بڑھ کر کوئی اور ہو سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ "مجھے نہیں معلوم کہ اللہ سے بڑھ کر بھی کوئی ہے"۔ آپ نے فرمایا "یہود مغضوب علیہم اور نصاریٰ گمراہ ہیں"۔ میں نے عرض کیا "لیکن میں تو اللہ کا فرمان بردار اور مسلمان بندہ ہوں"۔ پس میری اس بات پر آپ کا چہرہ اقدس خوشی سے دمک دمک اٹھا۔ پھر آپ کے حکم سے مجھے ایک انصاری کے ہاں ٹھہرایا گیا، البتہ صبح وشام میں آپ کی خدمت میں بھی ضرور حاضری دیتا تھا، ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ کی خدمت میں صوف کے کپڑے پہنے ہوئے کچھ نہایت تباہ حال لوگ آئے، نماز سے فراغت کے بعد ان سے تعاون کے سلسلہ میں آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ:۔

"لوگو! راہِ خدا میں صدقہ کرو۔ خواہ صاع ہو یا نصف صاع، مٹھی بھر ہو یا اس سے بھی

کہ تم میں سے ہر ایک کو اپنا چہرہ جہنم کی آگ سے بچانا چاہیے خواہ ایک کھجور صدقہ کرو یا کھجور کا بھی کچھ حصہ، اگر کچھ بھی پاس نہ ہو تو اچھی بات ہی سہی، کیونکہ ہر ایک کی خدا سے ملاقات ہونے والی ہے اللہ فرمائے گا اے بندے کیا میں نے تجھے مال و دولت سے نواز نہ تھا؟ بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں میرے اللہ! تو پھر اللہ فرمائے گا۔ بتا تو نے اپنے لیے کیا آگے بھیجا تھا۔ بندہ اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھے گا لیکن اسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے چہرے کو جہنم کی آگ سے بچا سکے۔ لوگو! تم میں سے ہر ایک کو اپنا چہرہ جہنم کی آگ سے بچانا چاہیے خواہ ایک ہی کھجور صدقہ کر کے اسے بچاؤ اگر کچھ بھی پاس نہ ہو تو اچھی بات ہی سہی۔ مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم بھوکے مرو گے، اللہ تمہارا مددگار ہے۔ وہ تمہیں بہت کچھ دے گا۔ تم دیکھو گے کہ ایک دن آئے گا جب ایک عورت یثرب اور حیرہ کے درمیان سفر کرے گی لیکن اسے چوری کا کوئی کھٹکا نہ ہوگا۔ حضرت عدیؓ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت سوچ رہا تھا کہ اس دور میں خاندانِ طی کے چور کہاں چلے جائیں گے؟

کعب بن زہیر

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تو بجیر بن زھیر نے اپنے بھائی کو ایک خط میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ان تمام آدمیوں کو قتل کروا دیا ہے جو آپ کی ہجو کیا کرتے تھے یا در پئے ایذا ہوا کرتے تھے، ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب وغیرہ جو قریشی شعراء بچ گئے تھے، وہ بھاگ گئے ہیں، اگر تمہیں جان کی امان چاہیے تو فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤ، کیونکہ جو شخص تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اسے قتل نہیں کیا جاتا۔ اس نے اپنے بھائی کو جواب میں یہ شعر لکھ بھیجے ؎

الا ابلغا عنی بجیرًا رسالۃ　　　فھل لک فیما قلت ویحک ھل لکا

خبردار! اے دوستو! تم دونوں میری طرف سے بجیر کو یہ پیغام پہنچا دو کہ جو بات میں

نے کبھی نہیں کیا تم اس پر غور نہیں کرو گے؟

فبین لنا ان کنت لست بفاعل　　علی ای شیء غیر ذلک دلکا؟

اگر تم یہ کام نہیں کرنے والے تو ذرا واضح تو کرو اس کے علاوہ وہ کون سی چیز ہے جو تمہارے لیے باعث ہدایت و راہنمائی ہو سکتی ہے؟

علی خلق لم تلف أمًا ولا ابًا　　علیه ولم تلق علیه أخا لکا

یہ ایسی بات ہے جس پر نہ تمہاری ماں تھی، نہ باپ اور نہ بھائی۔

فان أنت لم تفعل فلست بآسف　　ولا قائل إما عثرت لعا لکا

اگر تم ایسا نہ کرو گے تو مجھے کوئی افسوس نہ ہوگا اور نہ میں تمہاری لغزش پہ کہوں گا کہ سنبھل جاؤ۔

سقاک بها المأمون کأسا رویة　　وانهلک المأمون منها وعلکا

مامون نے تجھے سیراب کر دینے والے جام پلائے ہیں اور مامون (جس سے امن طلب کیا جائے) نے تمہیں یہ جام بار بار پلائے ہیں۔

بجیر کے پاس جب یہ جواب آیا تو اس نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی رکھنا پسند نہ کیا۔ رسول اللہ نے فرمایا کعب نے جو یہ کہا ہے سقاک بها المأمون تو بخدا! اس نے سچی بات کہی ہے اگرچہ وہ خود جھوٹا ہے۔ بے شک میں مامون ہوں اور جب اس کا یہ مصرع سنا کہ

علی خلق لم تلف أمًا وأبًا

تو فرمایا ہاں اس نے اپنے ماں باپ کو اس بات پہ نہ پایا تھا۔ پھر بجیر نے جواب میں لکھا

من مبلغ کعبا فهل لک فی التی　　تلوم علیها باطلا وهی أحزم

کون ہے جو کعب کو یہ پیغام پہنچا دے کیا تم اس بہترین بات کو قبول نہ کرو گے جس پر باطل ملامت کر رہے ہو۔

الی الله لا العزی ولا اللات وحده　　فتنجوا اذا کان النجاء وتسلم

اگر تم نجات پانا چاہتے ہو تو عزی و لات کے بجائے اللہ وحدہ لا شریک کی طرف رجوع

کرو نجات بھی پاؤ گے، سلامت بھی رہو گے۔

لدی یوم لا ینجو ولیس بمفلت من الناس الا طاھر القلب مسلم

اس دن جب کہ پاک دل مسلمان کے سوا اور کوئی نجات پائے گا اور نہ فلاح۔

فدین زھیر وھو لاشیٔ دینہ ودین أبی سلمی علی محرم

زہیر کا دین کوئی دین نہیں تھا اور اسی طرح میرے باپ ابو سلمیٰ کا دین بھی مجھ پر حرام ہے

جب کعب کے پاس یہ جواب پہنچا تو اسے زمین تنگ محسوس ہونے لگی اور جان کی حفاظت اسلام کے گوشہ عافیت ہی میں نظر آنے لگی تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اپنا مشہور و معروف قصیدہ کہا اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضری دینے کے لیے سوئے مدینہ چل پڑے، مدینہ طیبہ آکر اپنے ایک واقف کار کے ہاں قیام کیا اور اسی کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضری دی۔ آپ انہیں پہچانتے نہ تھے لہٰذا یہ آپ کے سامنے جاکر بیٹھ گئے اور عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر امن کی درخواست لے کر آیا ہے، اگر میں اسے آپ کی خدمت میں لے آؤں تو کیا آپ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے"؟ آپ نے فرمایا "ہاں اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی"۔ تو انہوں نے عرض کیا "حضور! میں ہی کعب بن زہیر ہوں"۔

عاصم بن عمرو بیان کرتے ہیں یہ سن کر ایک انصاری صحابی جوش میں آگئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے، اللہ کے اس دشمن کی گردن اڑا دوں"۔ آپ نے فرمایا "ذرا صبر کرو تمہیں معلوم نہیں کہ یہ اپنے سابقہ رویہ سے تائب ہو کر آئے ہیں" اس انصاری صحابی کی بات کے پیش نظر حضرت کعبؓ ان کے قبیلہ سے ناراض ہو گئے تھے، مہاجرین میں سے بجیر کے سوا اور کسی نے کعب کی بابت کوئی بات نہ کی تھی۔ کعبؓ نے خدمتِ نبوی میں اپنا مشہور و معروف قصیدہ بھی پیش کیا، جس کا مطلع یہ ہے ؎

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اثرھا لم یفد مکبول

میری محبوبہ سعاد داغ مفارقت دے گئی ہے اور میرا دل اس کے فراق میں غمگین ہے، ذلیل و رسوا ہو چکا ہے، قید سے رہائی حاصل کر سکتا ہے اور نہ خلاصی کی استطاعت

رکھتا ہے۔ اسی قصیدہ کا ایک شعر ہے ؎

امست سعاد بارض لا یبلغها   الا العتاق النجیبات المراسیل

سعاد اس قدر دور دراز علاقے میں پہنچ گئی ہے کہ وہاں تک انتہائی برق رفتار اونٹوں کے بغیر پہنچنا ناممکن ہے۔ حتیٰ کہ اس نے اپنی بابت کہا ؎

تسعی الغواۃ جنابیها وقولهم   إنك یا ابن أبی سلمی لمقتول

مفسد لوگ بغلیں بجا رہے ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ اے ابن ابی سلمی اب تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔

وقال کل صدیق کنت آمله   لا ألهینك إنی عنك مشغول

ہر اس دوست نے مجھ سے یہ کہا جس کے تعاون کی مجھے امید تھی کہ میں مشغول ہوں مجھ سے نصرت واعانت کی توقع نہ رکھو۔

فقلت خلوا سبیلی لا أبا لكم   فكل ما قدر الرحمن مفعول

میں نے کہا تمہارا باپ نہ ہو! میرا راستہ چھوڑ دو، رحمٰن نے میرے لیے جو مقدر کر رکھا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔

نبئت ان رسول الله أوعدنی   والعفو عند رسول الله مأمول

مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے لیکن مجھے رسول اللہ سے معافی کی امید ہے۔

مهلا هداك الذی أعطاك نافلة ال   قرآن فیها مواعیظ وتفصیل

ذرا ٹھہر جائیے! وہ ذات آپ کو اور زیادہ ہدایت بخشے جس نے نبوت کے علاوہ آپ کو قرآن مجید کا عطیہ بخشا ہے، جس میں مواعظ و تفصیل ہے۔

لا تأخذنی بأقوال الوشاۃ ولم   أذنب وان كثرت فی الأقاویل

غیبت گو لوگوں کی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے میرا مؤاخذہ نہ کیجیے اگرچہ میرے بارے میں بکثرت باتیں کہی گئیں ہیں لیکن میں نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا اور پھر یہ اشعار کہے ؎

ان الرسول لنور یستضاء بہ   وصارم من سیوف اللہ مسلول

بے شک اللہ کے یہ رسول وہ نور ہیں، جس سے حق کا راستہ تلاش کیا جاتا ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار بے نیام ہیں۔

فی فتیۃ من قریش قال قائلھم   ببطن مکۃ لما أسلموا زولوا

جماعت قریش میں سے ایک کہنے والے نے اسلام قبول کرتے وقت یہ کہا کہ اب وادی مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف منتقل ہو جاؤ۔

زالوا فما زال انکاس ولا کشف   عند اللقاء ولا میل معازیل

وہ تو چلے گئے لیکن کمزور، میدانِ جنگ میں حاضر نہ ہونے والے بے تلوار اور بے ہتھیار لوگ نہ جا سکے۔

یمشون مشی الجمال الزھر یعصمھم   ضرب اذا عرد السود التنابیل

وہ سفید اونٹوں کی طرح چلتے ہیں اور جب سیاہ اور کوتاہ قامت لوگ بھاگ جائیں تو شمشیر زنی ان کی حفاظت کرتی ہے۔

شم العرانین أبطال لبوسھم   من نسج داؤد فی الھیجا سرابیل

وہ اونچی ناکوں والے بہادر ہیں، میدان جنگ میں ان کا لباس حضرت داؤد کی بنائی ہوئی ذرعیں ہوتی ہیں۔

یسوا مفاریح إن نالت رماحھم   قوما ولیسوا مجازیعا اذا نیلوا

جب ان کے نیزے کسی مدمقابل قوم کو چھیدتے ہیں تو وہ بہت زیادہ خوشی کا اظہار نہیں کرتے اور جب زخم خوردہ ہوتے ہیں تو بہت جزع فزع نہیں کرتے۔

لا یقع الطعن الا فی نحورھم   وما لھم عن حیاض الموت تھلیل

نیزے صرف ان کے سینوں ہی میں پیوست ہوتے ہیں اور وہ موت کے گھاٹوں سے پیچھے نہیں ہٹتے۔

عاصم بن عمرو کہتے ہیں کہ اذا عرد السود التنابیل کعب کا اشارہ انصار کی طرف تھا لیکن مسلمان ہونے کے بعد انصار کی مدح میں انہوں نے درج ذیل

اشعار کہے ؂

من سرہ کرم الحیاۃ فلا یزل　　فی مقنب من صالحی الأنصار

جسے خوشگوار زندگی بسر کرنا مقصود ہو تو وہ ان نیک انصار کی جماعت میں شامل ہو جائے جو اپنے عمدہ گھوڑوں کی پشتوں پر سوار رہتے ہیں

ورثوا المکارم کابرا عن کابر　　ان الخیار ھمو بنی الأخیار

انہوں نے مکارم اخلاق اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں پائے ہیں، بے شک بہترین لوگ، بہترین آباء کی اولاد ہوتے ہیں۔

الذائدین الناس عن أدیانھم　　بالمشرفی وبالقنا الخطار

وہ لوگوں کو ان کے باطل دینوں سے تلواروں اور لہراتے ہوئے نیزوں کے ساتھ دور کر دیتے ہیں۔

والبائعین نفوسھم لنبیھم　　یوم الھیاج وفتنۃ الکفار

جنگ اور کفار کی فتنہ سامانیوں کے دن وہ اپنی جانوں کو اپنے نبی پر نثار کر دینے والے ہیں

والناظرین بأعین محمرۃ　　کالجمر غیر کلیلۃ الابصار

وہ دشمن کی طرف شعلوں جیسی سرخ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کی آنکھوں میں کوئی نقص ہے۔

والباذلین نفوسھم لنبیھم　　للموت یوم تعانق وکرار

جنگ و جدال کے دن وہ اپنے نفسوں کو اپنے نبی کی حفاظت کے لیے، موت پر پیش کر دیتے ہیں۔

یتطھرون یرونہ نسکا لھم　　بدماء من علقوا من الکفار

وہ کفار کے خون کے ساتھ وضو کرتے ہیں اور اسے عبادت سمجھتے ہیں۔

قوم اذا خوت النجوم فانھم　　للطارقین النازلین مقاری

یہ ایسی قوم کے افراد ہیں کہ قحط سالی اور تنگی و ترشی کے دور میں بھی رات کو اچانک آنے والے مہمانوں کے لیے دیگیں چڑھا دیتے ہیں۔

غزوۂ تبوک

مؤرخ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب یہ غزوہ ہوا تو لوگوں کے لیے انتہائی عسرت کا زمانہ تھا۔ شدید قحط پڑا ہوا تھا، پھلوں کے پکنے کا زمانہ قریب آ رہا تھا لہٰذا ہر آدمی کی قدرتی طور پر خواہش تھی کہ وہ حفاظت کے لیے اپنے باغات میں ٹھہرے، گرمی کی شدت سے محفوظ رہنے کا مقام بھی باغوں کے سایوں سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا، یہی وجہ تھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد پر روانگی کو کسی سے مخفی نہ رکھا جیسا کہ دوسرے غزوات میں آپ کا معمول توریہ کا تھا بلکہ لوگوں پر صاف صاف واضح فرما دیا تھا تاکہ ہر کوئی بُعدِ مشقت اور گرمی کی شدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سفر کی تیاری کر سکے۔

اسی تیاری کے دوران ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس سے فرمایا "کیا تم بنو اصغر کے جلاد سے نپٹ سکتے ہو"؟ جد نے کہا یا رسول اللہ مجھے معاف رکھا جائے اور فتنہ میں مبتلا نہ کیا جائے، میری ساری قوم جانتی ہے کہ مجھ سے بڑھ کر عورتوں کا مشتاق کوئی نہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ جب میں بنو اصغر کی عورتوں کو دیکھوں گا تو صبر نہ کر سکوں گا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے تجھے نہیں بھیجیں گے؛ چنانچہ اسی کے بارے میں آیت شریفہ نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي[1]	ان میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے کہ "مجھے رخصت دے دیجئے اور مجھ کو فتنے میں نہ ڈالیے۔

بعض منافق ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس سخت گرمی کے موسم میں گھروں سے نہیں نکلنا چاہیے، انہی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں کیا ہے

وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا[2]	اور انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اس سخت گرمی میں نہ نکلو ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب ثروت لوگوں کو جب راہ خدا میں مال خرچ کرنے

---

[1] التوبہ ۴۹ [2] ایضاً ۸۱۔

کی ترغیب دی تو بہت سے دولت مند لوگوں نے ثواب کی نیت سے مجاہدین کو سواری کے جانور مہیا کر دیئے' حضرت عثمانؓ نے تین سو اونٹ بمعہ ساز و سامان اور ہزار دینار بطورِ عطیہ دیا۔

سات صحابہ کرام گریہ وزاری کرتے ہوئے آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے سفر کے لیے سواری کا سوال کرنے لگے لیکن آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تمہارے لیے سواری کا انتظام نہیں ہے، وہ یہ سن کر روتے ہوتے واپس چلے گئے، انہی کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ۔[1]

اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے۔ جنہوں نے خود آکر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے۔

علبہ بن زیدؓ نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور پھر اپنے اللہ سے یہ مناجات شروع کر دی کہ اے اللہ تو نے جہاد کا حکم دیا ہے، جہاد کی ترغیب دی ہے لیکن میرے پاس استطاعت نہیں کہ تیرے پیغمبر کی معیت کا شرف حاصل کر سکوں، تیرے پیغمبر کے پاس بھی کوئی سواری نہیں کہ وہ مجھے دے دیں، میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ اسے تیری راہ میں خرچ کر سکوں، ہاں مجھے مالی جسمانی اور روحانی اعتبار سے جو کوئی تکلیف پہنچی اور جو تو نے اس کا اجر و ثواب عنایت فرمایا، اسے میں ہر مسلمان پر صدقہ کرتا ہوں صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

[1] التوبہ ۹۲۔

وسلم نے فرمایا رات کو صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ لیکن کوئی شخص کھڑا نہ ہوا، آپؐ نے پھر دریافت فرمایا تو پھر بھی کوئی کھڑا نہ ہوا تو پھر علبہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر رات کا قصہ سنایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علبہ تمہیں بشارت ہو! اس ذاتِ اقدس کی قسم، محمدؐ کی جان جس کے قبضۂ قدرت میں ہے، تمہارے اس صدقہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا گیا ہے۔"

کچھ دیہاتی جہاد کے لیے نہ جانے کا عذر پیش کرنے لگے لیکن آپؐ نے ان کے عذر قبول نہ فرماتے، آپؐ نے روانگی سے قبل محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام متعین فرمایا۔ آپ کی روانگی کے بعد عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ ہی میں رہ گیا اور اس نے جانے کی تیاری نہ کی البتہ کچھ مسلمان بھی بغیر شک و ارتیاب کے محض سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے، جن میں سے کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں البتہ ابوخیثمہ السالمیؓ اور ابوذرؓ آپؐ کے ساتھ جا ملے تھے۔ آپ جس لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تھے، اس کی تعداد تیس ہزار تھی، جس میں دس ہزار گھوڑے بھی تھے، آپؐ نے اس عظیم الشان لشکر سمیت تبوک میں بیس دن قیام فرمایا، اس مدت میں آپؐ نمازِ قصر ادا فرماتے رہے، ہرقل کا قیام ان دنوں حمص میں تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لیے حضرت علیؓ کو مدینہ ہی میں رہنے دیا تو منافقوں نے باتیں بنانی شروع کر دیں کہ آپ کو بوجھ محسوس کرتے ہوئے یہاں چھوڑا گیا ہے، آپ نے یہ باتیں سنیں تو برداشت نہ ہو سکیں، اپنے ہتھیار اٹھائے اور مقامِ جرف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اور آپ کی خدمت میں عرض کیا "اے اللہ کے نبی! منافقوں کا کہنا ہے کہ آپ نے مجھے بوجھ سمجھتے ہوئے مدینہ میں چھوڑا ہے" آپؐ نے فرمایا "وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، میں نے تو تمہیں اپنے اہل و عیال کی نگہداشت کے لیے پیچھے چھوڑا تھا، جاؤ واپس چلے جاؤ اور میرے اور اپنے اہل خانہ کی نگہداشت کرو، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ میرے اسی طرح قائم مقام بنو جس طرح ہارون موسیٰ کے قائم مقام تھے البتہ یہ یاد رہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا

یہ ارشاداتِ نبوی سننے کے بعد حضرت علی مدینہ طیبہ واپس چلے گئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے کئی دن بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوخیثمہؓ اپنے اہل وعیال کے پاس گئے، سخت گرم دن تھا، انہوں نے دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے باغ کے گھنے سایہ میں دو جھونپڑے بنا رکھے ہیں، ہر ایک میں پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا ہے، پینے کے لیے ٹھنڈا پانی اور کھانے کے لیے عمدہ کھانا تیار ہے یہ سارا منظر دیکھ کر سوچ میں پڑ گئے کہ رسول اللہ تو سخت دھوپ، گرمی اور بادِ صرصر سے دوچار ہوں اور ابوخیثمہ، گھنے سایہ عمدہ کھانا اور خوبصورت بیوی سے متمتع ہو رہا ہو، واللہ! یہ انصاف کی بات نہیں! پھر بیویوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے خدا کی قسم! میں تم میں سے کسی ایک کے پاس نہیں آؤں گا، میں تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری دوں گا۔ لہذا میرے لیے جلد از جلد زادِ راہ تیار کر دیجئے۔ بیویوں نے حکم کی تعمیل کی، انہوں نے اپنی سواری کو لیا، خوب تیز دوڑایا حتیٰ کہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔

ابوخیثمہ جا رہے تھے کہ راستہ میں ان کی عمیر بن وہب جمحی سے ملاقات ہوئی، دونوں نے اکٹھا سفر شروع کر دیا حتیٰ کہ جب تبوک قریب آیا تو ابوخیثمہؓ ان سے کہنے لگے کہ مجھ سے ایک گناہ کا ارتکاب ہو گیا ہے لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری سے پیشتر مجھ سے جدا نہ ہونا! چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب یہ قریب پہنچے تو لوگوں نے کہا راستہ پر ایک سوار آتا دکھائی دے رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوخیثمہ ہوں گے جب بالکل قریب پہنچ گئے تو صحابہؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ! ابوخیثمہ ہی ہیں" ابوخیثمہؓ نے سواری کو بٹھایا، نیچے اترے اور حضور کی خدمتِ اقدس میں سلام عرض کیا، آپ نے فرمایا ابوخیثمہ تمہارے لیے جہاد میں شرکت ہی بہتر ہے، ابوخیثمہؓ نے اپنا سارا واقعہ جب تفصیل سے عرض کیا تو آپ اور بھی خوش ہوئے اور برکت کی دعائیں دینے لگے۔

اس سفر کے دوران جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا حجر یعنی دیار ثمود کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس عذاب کی گئی قوم کے پاس صرف روتے ہوئے ہی آنا چاہیئے اگر رونا نہ آئے تو پھر ان کے پاس بھی نہیں آنا چاہیئے۔ مبادا کہ تم بھی اس عذاب میں مبتلا نہ

ہوجاؤ جس میں یہ لوگ مبتلا ہوئے تھے، آپؐ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ یہاں کا پانی نہ پینا، نماز کے لیے وضو بھی یہاں کے پانی سے نہ کرنا، اگر کسی نے یہاں کے پانی سے آٹا گوندھ لیا ہو تو وہ روٹی نہ پکائے بلکہ آٹا اونٹوں کو کھلا دے۔ نیز آپ نے فرمایا یہاں سے برتنوں میں جو پانی ڈالا گیا ہے، اسے انڈیل دیا جائے اور اس کنوئیں سے پانی پیو جس سے اونٹنی (حضرت صالحؑ کی) پیتی تھی۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ چلتے چلتے جب ہم تبوک پہنچ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات نہایت سخت ہوا چلے گی لہٰذا تم میں سے کوئی شخص کھڑا نہ ہو، ہر شخص اپنے اپنے اونٹ کو بھی نہایت مضبوطی سے باندھ لے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، رات کو نہایت تیز ہوا چلی، ایک آدمی کھڑا ہو گیا تو ہوا نے اسے اٹھا کر طی کے پہاڑوں میں پھینک دیا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو لوگوں کے پاس پانی نہ تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی، آپؐ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ابر باراں بھیج دیا جو خوب کھل کر برساحتی کہ سب لوگ سیر ہو گئے انہوں نے اپنی ضرورتیں پوری کر لیں، پھر وہاں سے چلے اور جب ایک مقام پر پہنچے تو لوگوں نے کہا فلاں فلاں شخص پیچھے رہ گئے ہیں، ہر ایک کا نام سننے کے بعد آپؐ یہی فرماتے اس کا ذکر چھوڑ دو، اگر اس میں کوئی خوبی ہوئی تو اللہ اسے تمہارے ساتھ ملا دے گا اور اگر اس میں کوئی خوبی نہیں تو اللہ نے تمہیں اس سے محفوظ کر دیا ہے

چلتے چلتے حضرت ابوذرؓ کا اونٹ تھک گیا تو وہ پیچھے رہ گئے، پہلے تو انہوں نے اونٹ پر سوار ہو کر قافلہ تک پہنچنے کا انتظار کیا لیکن جب اونٹ نے سستی کی تو انہوں نے اسے چھوڑ کر اپنا سامان کمر پر لاد لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ کے نقوشِ قدم کا تتبع کرتے ہوئے پیدل روانہ ہو گئے، آپؐ راہ میں کسی جگہ فروکش تھے کہ مسلمانوں میں سے کسی کی حضرت ابوذرؓ پر نظر پڑی تو اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کوئی شخص تن تنہا پیدل چلا آ رہا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "ابوذرؓ ہوں گے"۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو بول اٹھے

"ہاں یارسول اللہ! یہ ابوذر ہی ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "اللہ ابوذر پر رحم فرمائے! وہ تنہا چلتے ہیں، تنہا ہی وفات پائیں گے اور قیامت میں بھی تنہا اٹھائے جائیں گے"۔

صحیح ابن حبان میں ام ذر سے روایت ہے کہ جب ابوذرؓ کا آخری وقت تھا تو میں رونے لگی انہوں نے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے کہا روؤں نہ تو اور کیا کروں، اس بیابان میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی ہے اور میرے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں جو کفن کا کام دے سکے اور نہ ہی آپ کے دفن کا انتظام ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمہیں بشارت ہو، رونے کی ضرورت نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ایک گروہ سے فرمایا تھا، جس میں میں خود شامل تھا کہ تم میں سے ایک شخص بیابان میں وفات پائے گا لیکن اس کے جنازے پر مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو جائے گی، اس گروہ کا ہر فرد دنیا سے رخصت ہو گیا ہے، صرف میں باقی ہوں واللہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کبھی کسی نے مجھے جھٹلایا ہے لہٰذا جاؤ راستہ دیکھو، میں اٹھی اور ٹیلے پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی کوئی نظر نہ آیا تو تیمارداری کے لیے ان کے پاس آئی، اس طرح کئی بار ہوا بالآخر میں نے دیکھا کہ بہت دور کچھ مسافر اپنی سواریوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آرہے ہیں، جب ذرا قریب پہنچے تو میں نے انہیں اشارہ کیا، وہ فوراً میرے پاس پہنچ گئے اور پوچھنے لگے "اللہ کی بندی کیا بات ہے"؟ میں نے کہا "ایک مسلمان آدمی کا دم مرگ ہے، تجہیز وتکفین کے سلسلہ میں میری مدد کرو"۔ انہوں نے پوچھا "وہ کون ہیں"؟ میں نے جواب دیا کہ ابوذرؓ ہیں۔ پوچھنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ماں باپ ان پر نثار ہوں اور فوراً ان کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابوذرؓ نے ان سے کہا کہ تمہیں بشارت ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا تھا اور پھر انہوں نے وہ حدیث سنائی جو قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہے۔ پھر فرمانے لگے اگر میرے یا میری بیوی کے پاس کوئی کپڑا ہوتا تو میں اسے کفن کے لیے زیادہ پسند کرتا لیکن ہمارے پاس تو کوئی کپڑا نہیں لہٰذا بخدا! مجھے کسی ایسے انسان کے کپڑے کا کفن نہ دینا جو امیر، عریف، برید یا نقیب رہا ہو لیکن ایک انصاری جو ان کے سوا ان میں سے کوئی

بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی منصب پر نہ رہا ہو۔ اس انصاری جوان نے کہا چچا جان! میں اپنی اس چادر کو تمہارے لیے کفن بنا دوں گا علاوہ ازیں میرے سامان میں میری ماں کے ہاتھ کے بنے ہوئے دو کپڑے ہیں، انہیں استعمال کروں گا آپ نے فرمایا ٹھیک ہے مجھے ان کپڑوں میں کفن دینا؛ چنانچہ جب ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تو اس انصاری صحابی نے آپ کو کفن دیا، سب نے مل کر نمازِ جنازہ پڑھی اور پھر نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس صحابی رسول کو دفن کر دیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو ایلہ کا حکمران آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے جزیہ ادا کر کے مصالحت کر لی، اسی طرح جربا اور اذرح کے باشندوں نے بھی جزیہ ادا کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک تحریر بھی دے دی تھی، جو ان کے پاس رہی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اکیدر دومہ کی طرف بھیجا اور پیش گوئی فرمائی کہ جب تم پہنچو گے تو اسے نیل گائے کے شکار میں مصروف پاؤ گے۔

حضرت خالدؓ اپنے لشکر سمیت اس کے قلعے کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ وہ چاندنی رات میں صاف نظر آرہا تھا۔ اکیدر اس وقت چھت پر تھا اس نے دیکھا کہ ایک نیل گائے محل کے دروازے کے ساتھ سینگ مار رہی ہے اس کی بیوی نے پوچھا کیا تم نے اس جیسی گائے کبھی دیکھی ہے؟ اس نے کہا بخدا نہیں! تو وہ کہنے لگی اس جیسی گائے کو کون چھوڑتا ہے؟ کہنے لگا کوئی نہیں چھوڑتا، پھر وہ چھت سے اترا، اس کے حکم سے گھوڑے پر زین ڈال دی گئی اور اس کے گھر کے کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے ابھی وہ گھروں سے باہر نکلے ہی تھے کہ رسول اللہ کے لشکر نے انہیں آلیا، مسلمانوں نے اسے پکڑ لیا اور اس کے بھائی کو قتل کر دیا، حضرت خالدؓ نے اُسے گرفتار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، اس نے جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کر لی، پھر اسے چھوڑ دیا گیا اور وہ اپنی بستی میں چلا گیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں دس سے کچھ زیادہ دن

ٹھہرے، پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے نیز انہوں نے لکھا ہے کہ مجھ سے محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی نے بیان کیا کہ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ غزوہ تبوک میں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، ایک دفعہ رات کو اٹھا تو میں نے لشکر کے ایک طرف آگ کے کچھ شعلے دیکھے، جب میں نے اس طرف غور سے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ وعمرؓ نظر آئے۔ بات یہ تھی کہ حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ کا انتقال ہو گیا تھا اور یہ مقدس شخصیتیں ان کے لیے قبر کھود رہی تھیں۔ بالآخر جب قبر تیار ہو گئی تو آپؐ قبر میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے عبداللہ کو قبر میں اتارنا شروع کیا تو آپؐ نے فرمایا اپنے بھائی کو مجھے پکڑا دو، آپؐ نے پکڑ کر جب انہیں پہلو کے بل قبر میں لٹایا تو فرمایا "اے اللہ! میں ان سے راضی ہوں، پس تو بھی ان سے راضی ہو جا"۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ دیکھا تو کہا "اے کاش! اس قبر میں میں ہوتا"۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفرِ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے تو مسجد ضرار کے بانی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے "یارسول اللہ! ہم نے برسات اور موسم سرما کی راتوں میں مریضوں اور دوسرے ضرورت مندوں کے آرام کی خاطر ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں تشریف لا کر ہمیں نماز پڑھائیں، آپ نے فرمایا "میں اس وقت ضروری کام سے عازم سفر ہوں، ان شاء اللہ واپسی پر تمہارے پاس آؤں گا۔ جب آپ مقام ذی اوان میں پہنچے تو آسمان سے آپ پر اس مسجد سے متعلق وحی نازل ہوئی، آپؐ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو بلایا اور فرمایا اس مسجد میں جاؤ جس کے بانی ظالم لوگ ہیں اور جا کر اسے منہدم کر ڈالو اور پھر جلا دو۔ یہ حکم سنتے ہی یہ فوراً روانہ ہو کر بنی سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچے جو مالک بن دخشم کے قبیلے کے لوگ تھے، مالک نے معن سے کہا تم یہیں میرا انتظار کرو، میں ابھی آگ لے کر آتا ہوں، یہ گھر پہنچے اور کھجور کی ایک ٹہنی جلا کر لے آئے اور پھر دونوں جلدی سے روانہ ہو کر مسجد ضرار میں داخل ہو گئے، جہاں اس کے بانی منافقین بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اس میں آگ لگا دی اور پھر مسمار کر دیا، اسی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ نازل فرمائی:۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ . . . . وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ دعوت حق کو نقصان پہنچائیں اور (خدا کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں اور (اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں .... اور اللہ نہایت باخبر اور حکیم و دانا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کچھ انصاری لوگ ہیں، جنہوں نے مسجد بنائی تھی ان سے ابو عامر فاسق نے کہا تھا تم اپنی مسجد الگ بنالو اور حسب استطاعت قوت اور اسلحہ کی فراہمی کرو، میں قیصر روم کے پاس جاکر رومیوں کا ایک لشکر جرار لے کر آتا ہوں جس کی بدولت ہم محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ سے باہر نکال دیں گے، جب مسجد کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کرنے لگے کہ ہم اپنی مسجد کی تعمیر سے فارغ ہو چکے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ آپ تشریف لا کر ہمیں نماز پڑھائیں اور برکت کی دعا فرمائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرمادیا

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا . . .   تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا . . . . .

. . . .

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ . . .   یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں بے یقینی کی جڑ بنی رہے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپسی پر جب مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے، تو آدمیوں، عورتوں، بچوں اور بچیوں نے شہر سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا اور فرط مسرت سے یہ اشعار پڑھے ؎

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا   ما دعا للہ داع۔

لے التوبہ ۱۰۷ ۔ ۱۱۰

کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہو گیا ہے۔ جب تک
اللہ کو پکارنے والے پکارتے رہیں گے ہم پر اس کا شکر
واجب ہے۔

غزوہ تبوک وہ آخری غزوہ تھا جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی، اس غزوہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورہ براۃ میں کیا ہے، عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سورہ کو "المبعثرۃ" کہا جاتا تھا کیونکہ اس سورہ مبارکہ میں منافقین کے اسرار اور ان کے دلوں کے بھید طشت از بام کیے گئے ہیں۔

غزوہ تبوک ہی میں کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ واقفی کے پیچھے رہ جانے کا واقعہ پیش آیا، یہ بدری صحابی تھے اور اب پیچھے رہ جانے کے لیے ان کے پاس کوئی عذر بھی نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے تو پیچھے رہ جانے والے منافقوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے عذر پیش کیے اور خوب قسمیں اٹھا کر اپنے عذروں کی صداقت کا یقین دلایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر قبول فرما لیے، ان تینوں نے چونکہ کوئی عذر پیش نہ کیا تھا اس وجہ سے ان کے فیصلہ کو اللہ کے حکم کے انتظار میں موقوف قرار دے دیا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا کیونکہ یہ سچے پکے مومن تھے، منافقوں کی طرح جھوٹے نہ تھے اور ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ	اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور ان مہاجرین و انصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبی کا ساتھ دیا تو) اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی

عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا [1] | کا ہے اور ان تینوں کو بھی معاف کیا جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔

یہ تینوں سچے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے پیچھے رہنے کے گناہ کو معاف کر دیا اور ان کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔

وفودِ عرب کی آمد

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے فارغ ہو گئے اور خاندانِ ثقیف مشرف بہ اسلام ہو گیا تو ۹ھ میں اطراف و اکنافِ عرب کے وفود اونٹوں پر سوار ہو کر دربارِ نبوی میں حاضر ہونے لگے، اسی وجہ سے اس سال کو وفود کا سال کہا جاتا ہے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ سارے عرب کو اس بات کا انتظار تھا کہ قریش مسلمان ہوتے ہیں یا نہیں کیونکہ قریشی اس دور میں سربراہ اور سردار تصور کیے جاتے تھے، بیت اللہ کے پڑوسی اور حرم کے باشندے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، دیگر عرب قریشیوں کی ان فضیلتوں کے معترف تھے لیکن قریشیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ برپا کر رکھی تھی، سارا عرب فیصلے کا منتظر تھا لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان ہو گئے تو سارے عرب نے محسوس کیا کہ وہ رسول اللہ سے جنگ یا عداوت کی تاب نہیں رکھتے لہذا انہوں نے مشرف بہ اسلام ہونے کو پسند کیا اور گروہ در گروہ دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر دنیا و آخرت کی کامرانیوں کی سعادت حاصل کرنے لگے، اسی بارہ میں ارشادِ الٰہی تھا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ | جب اللہ کی مدد آ جائے اور فتح نصیب ہو جائے اور اے نبیؐ تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا

---

[1] التوبہ ۱۱۷-۱۱۸

تَوَّابًا۔ مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بنوتمیم کے سرکردہ لوگوں کا وفد عطارد بن حاجب تمیمی کی قیادت میں حاضر ہوا، اس وفد کا مقصد اپنے ان قیدیوں کی رہائی کے بارہ میں گفتگو کرنا بھی تھا جنہیں اسی سال محرم کے سریہ میں عیینہ بن حصن فزاری نے گرفتار کیا تھا، عیینہ گیارہ آدمیوں، اکیس عورتوں اور تیس بچوں کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے تھے۔ بنوتمیم کا یہ وفد جب مسجد نبوی میں داخل ہوا تو انہوں نے حجرات کے پاس کھڑے ہو کر باآواز بلند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانا شروع کر دیا، جسے آپؐ نے ناپسند فرمایا، اسی بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	اے نبی، جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمہارے برآمد ہونے تک صبر کرتے تو انہی کے لیے بہتر تھا۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔

جب آپؐ باہر تشریف لائے تو یہ کہنے لگے ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ فخر کا اظہار کریں۔ لہٰذا ہمارے شاعر و خطیب کو اجازت دیجیے، آپؐ نے فرمایا کہو جو کہنا چاہتے ہو، میں تمہارے خطیب کو اجازت دیتا ہوں، چنانچہ عطارد نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا، وہ اپنی بات پوری کر چکا تو آپؐ نے ثابت بن قیس بن شماس سے فرمایا کہ کھڑے ہو کر اس شخص کی باتوں کا جواب دو، ثابت نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اس کی باتوں کا جواب پیش کیا پھر زبرقان بن بدر نے کھڑے ہو کر جواب میں یہ شعر پڑھے ؎

نحن الکرام فلاحی یعادلنا ۔۔۔ منا الملوك وفینا تنصب البیع

ہم معزز لوگ ہیں، کوئی خاندان ہمارا ہمسر نہیں ہے، ہم میں بادشاہ بھی ہوتے ہیں اور ہمارے علاقوں میں عبادت گاہیں بنائی گئی ہیں۔

وکم قسرنا من الأجیاد کلهم   عند النهاب وفضل العز یتبع

بوقت جنگ ہم نے تمام خاندانوں کی قوت وشوکت توڑ دی اور عزّ وشرف جس کا اتباع کیا جاتا ہے۔

ونحن یطعم عند القحط مطعمنا   من الشواء اذا لم یؤنس القزع

جب بادل بارش نہ برسائے اور قحط پڑ جائے تو ہمارے لوگ ہی دوسروں کو بھنا ہوا گوشت کھلاتے ہیں

حتیٰ کہ اس نے یہ شعر پڑھا؎

إنا أبینا ولم یأبیٰ لنا احد   إنا کذالک عند الفخر نرتفع

ہم دوسروں کی باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں لیکن ہماری بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور فخر کے وقت ہم اسی طرح رفیع المرتبت ثابت ہوتے ہیں۔

زبرقان اپنے شعر پڑھ چکا تو آپ نے حضرت حسانؓ سے فرمایا، کھڑے ہو کر اس آدمی کے اشعار کا جواب دو؛ چنانچہ انہوں نے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے؎

ان الذوائب من فهر واخوتهم   قد بینوا سننا للناس تتبع

خاندانِ فہر کے سرداروں اور ان کے بھائیوں نے لوگوں کے لیے ایسے طریقوں کی نشاندہی کر دی ہے، جن کا اتباع کیا جاتا ہے

یرضی بها کل من کانت سریرته   تقوی الاله وکل الخیر یصطنع

ان طریقوں سے ہر وہ شخص خوش ہے جس کا باطن خوفِ خدا سے آشنا ہو اور وہ ہر نیکی کا کام کرتا ہو۔

قوم اذا حاربوا ضروا عدوهم   او حاولوا النفع فی أشیاعهم نفعوا

یہ لوگ ایسی قوم کے افراد ہیں کہ جب برسرِ پیکار ہوں تو اپنے دشمن کو نقصان پہنچاتے ہیں یا جب اپنے لوگوں کو فائدہ پہنچانا چاہیں تو پہنچا دیتے ہیں۔

سجیة تلك منهم غیر محدثة   ان الخلائق فاعلم شرها البدع

یہ ان کی کوئی نئی عادت نہیں اور جان لو کہ نئی عادتیں بدترین ہوتی ہیں۔

ان کان فی الناس سباقون بعدھم   فکل سبق لأدنی سبقھم تبع

اگر ان کے بعد لوگوں میں کچھ سبقت کا مظاہرہ کرنے والے ہوں تو سبقت کا مظاہرہ کرنے والا ہر شخص ان کے ادنی سے ادنی آدمی کا تابع ہوگا

پھر یہ اشعار پڑھے۔

لا یبخلون علی جار بفضلھم   ولا یمسھم من مطمع طبع

پڑوسی پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے اور لالچ کا میل کچیل انہیں چھوتا تک نہیں۔

لا یفخرون اذا نالوا عدوھم   وان اصیبوا فلا خور ولا ھلع

جب دشمن پر غلبہ حاصل کرلیں تو فخر کا اظہار نہیں کرتے اور اگر شکست سے دوچار ہوں تو کمزوری اور جزع فزع کا اظہار نہیں کرتے۔

لغسموا اذا الحرب نالتنا مخالبھا   اذا الزعانف من اظفارھا خشعوا

جب لڑائی اپنے پنجے ہم پر گاڑ دے تو ہم سر بلند ہو جاتے ہیں جب کہ ذلیل لوگ لڑائی کے ناخنوں سے بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔

اور پھر یہ اشعار پڑھے ؎

اکرم بقوم رسول اللہ شیعتھم   اذا تفرقت الاھواء والشیع

یہ کس قدر معزز قوم ہے، رسول اللہ جس کے فرد ہیں جب کہ دیگر لوگوں کی خواہشات اور جماعتیں متفرق ہیں۔

أھدی لھم مدحتی قلب یؤازرہ   فیما احب لسان حائك صنع

میرا ایسا دل ان کی مدحت کے گن گاتا ہے، جس کی نیابت میرے حسب پسند بہترین اور عمدہ باتیں کرنے والی زبان کرتی ہے۔

زبرقان نے پھر یہ اشعار پڑھے ؎

اتیناك کیما یعلم الناس فضلنا   اذا احتفلوا عند احتضار المواسم

ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ لوگ حج اور عکاظ و ذوالمجاز کے موسموں

میں جب آئیں تو ہمارے فضل و شرف کو پہچان سکیں۔

فانا ملوک الناس فی کل موطن ۔ وان لیس فی ارض الحجاز کدارم

ہم ہر جگہ لوگوں کے بادشاہ ہیں اور سرزمینِ حجاز میں دارم جیسا کوئی نہیں۔

وانا نذود المعلمین اذا انتخوا ۔ ونضرب رأس الاغید المتفاخم

جنگ میں معروف لوگ جو نخوت کا اظہار کریں تو ہم انہیں دور ہٹا دیتے ہیں اور نہایت متکبر اور شدید انسان کے سر کو شمشیر کے ساتھ اڑا دیتے ہیں۔

وان لنا المرباع فی کل غارة ۔ نغیر بنجد او بأرض الاعاجم

غارت گری کے ذریعہ حاصل کیے ہوئے مال میں چوتھا حصہ ہمارا ہوتا ہے اور ہم عرب و عجم کی زمین پر غارت گری کرتے رہتے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جواب میں گویا ہوئے ؎

هل المجد الا السودد العود والندی ۔ وجاه الملوک واحتمال العظائم

بزرگی تو سرداری، سخاوت، بادشاہوں کے جاہ و جلال اور عظیم کاموں کے بیڑہ اٹھالانے کا نام ہے۔

نصرنا وآوینا النبی محمدًا ۔ علی انف راض من معد وراغم

ہم نے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ کو اپنے ہاں ٹھکانا دیا، معد کے لوگوں کی پسند و ناپسند سے قطع نظر جگہ دی۔

حتیٰ کہ یہ اشعار پڑھے ؎

ونحن ضربنا الناس حتی تتابعوا ۔ علی دینه بالمرهفات الصوارم

ہم نے قاطع تلواروں کے ساتھ لوگوں کو مارا حتیٰ کہ وہ پے در پے آپ کے دین کو ماننے لگے۔

ونحن ولدنا من قریش عظیمها ۔ ولدنا نبی الخیر من آل هاشم

ہم نے قریش کے ایک عظیم انسان کو جنم دیا، یعنی آلِ ہاشم سے ایک بہترین نبی کو ہم نے جنم دیا۔

بنی دارم لا تفخروا ان فخرکم   یعود وبالا عند ذکر المکارم

بنی دارم کے لوگو! فخر نہ کرو کیونکہ جب مکارمِ اخلاق کا تذکرہ کیا جائے گا تو تمہارا یہ فخر وبال بن کر لوٹے گا۔

ھبلتم علینا تفخرون؟ وأنتم   لنا خول ما بین ظئر وخادم

تم گم ہو جاؤ کیا ہم پر فخر کرتے ہو؟ حالانکہ تم تو ماماؤں اور خادموں کی حیثیت میں ہمارے خدمت گزار ہو۔

فإن کنتموا جئتم لحقن دمائکم   واموالکم ان تقسموا فی المقاسم

اگر تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ اپنی جانوں اور مالوں کو غنیمت کے طور پر تقسیم ہونے سے بچا سکو!

فلا تجعلوا للہ ندا واسلموا   ولا تلبسوا زیا کزی الاعاجم

تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، مسلمان ہو جاؤ اور عجمیوں کا سا لباس نہ پہنو۔

حضرت حسانؓ اپنے اشعار سنا کر جب فارغ ہوئے تو اقرع بن حابس کہنے لگا کہ یہ آدمی یقیناً خدا کا پیغامبر معلوم ہوتا ہے، اس کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ خطیبانہ صلاحیتیں رکھتا ہے، اس کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ قادر الکلام ہے، ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ شیریں ہیں۔ بالآخر یہ سب لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہایت عمدہ تحائف دے کر رخصت فرمایا۔

وفد طی

وفد طی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے سردار زید الخیل کی قیادت میں حاضر ہوا، آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو سب لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور اسلام قبول کرنے کے بعد خوش اسلوبی کا مظاہرہ کیا۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ مجھ سے خاندانِ طی کے قابلِ اعتماد لوگوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی میرے پاس کسی عربی کی خوبیوں کی تعریف کی گئی تو میں نے اسے تعریف سے کم تر ہی پایا مگر زید خیل کو اس کی تعریف سے بڑھ کر پایا۔ آپ نے اس کا نام تبدیل کر کے زید خیر رکھ دیا، اسے قطعہِ اراضی عنایت فرمایا اور ایک تحریر لکھ کر دے دی۔

زید خیر یہاں سے جب واپس اپنی قوم کے پاس جا رہے تھے تو ابھی نجد کے چشمہ فردہ پر ہی پہنچے تھے کہ بخار میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے، اس کی بیوی نے ان تمام تحریروں کو لے کر نذرِ آتش کر دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوا کر دی تھیں۔

وفد عبد القیس وفد عبد القیس جارود عبدی کی قیادت میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا، جارود نصرانی تھے انہوں نے عرض کیا حضور! ابھی تک میں اپنے دین پر ہوں لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ اپنا دین چھوڑ کر آپ کے دین کو اختیار کر لوں لیکن آپ ضمانت دیجیے کہ یہ دین میرے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں میں ضمانت دیتا ہوں کہ جس دین کی میں دعوت دیتا ہوں وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس پر آپ تھے؛ چنانچہ جارود اپنے تمام رفقا سمیت مسلمان ہو گیا اور تا زیست نہایت سختی کے ساتھ دینِ اسلام پر قائم رہا۔ انہوں نے دورِ ارتداد بھی دیکھا۔ اس وفد میں اشج بھی تھے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم میں دو خوبیاں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتے ہیں اور وہ ہیں حلم اور بردباری۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ سے قبل حضرت علاءؓ بن حضرمیؓ کو منذر بن ساوی العبدی کی طرف دعوتِ اسلام دینے کے لیے بھیجا، منذر نے اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تھا اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اور اہل بحرین کے ارتداد سے قبل فوت ہو گئے، جب کہ حضرت علاءؓ ابھی تک آپؐ کی طرف سے بحرین کے امیر ہی تھے۔

وفد بنی حنیفہ بنو حنیفہ کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو مسیلمہ کذاب بھی اس وفد میں شریک تھا۔ لیکن انہوں نے مسیلمہ کو اپنے ساز و سامان کے پاس چھوڑ دیا اور جب مسلمان ہو گئے تو آپ کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ ہم نے اپنے ایک ساتھی کو سامان کی حفاظت کے لیے سامان کے پاس چھوڑا ہے تو آپ نے فرمایا اسے بھی وہ کچھ ملے گا جو قوم کے دیگر افراد کو ملے گا کیونکہ وہ تم سے کوئی بُری جگہ نہیں ہے، پھر جب یہ واپس یمامہ گئے تو اللہ کا یہ دشمن مرتد ہو گیا اور اس نے

نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہنے لگا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک کر دیا گیا ہے اور کیا آپ نے تم سے کہا نہ تھا کہ وہ تم سے کوئی بری جگہ نہیں ہے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ مجھے آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا جا رہا ہے، پھر اس نے قرآن کے جواب میں سجع گوئی شروع کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ آپؐ کی نبوت کی صداقت کی بھی شہادت دیتا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خط بھی لکھا:۔

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ حمد و ثنا کے بعد گزارش ہے کہ مجھے امرِ نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے، نصف زمین ہمارے لیے اور نصف قریش کے لیے ہے لیکن قریش ایسی قوم ہے کہ عدل سے کام نہیں لیتی"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اس کے جواب میں لکھا۔

"محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ حمد و ثنا کے بعد، بات یہ ہے کہ زمین ساری خدا کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام متقی لوگوں کا ہوگا"۔

آپؐ نے ان دو آدمیوں سے پوچھا جو مسیلمہ کا خط لے کر آئے تھے کہ تمہارا مسیلمہ کی بابت کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا ہم اسی کے ہم خیال ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ پیغام رسانی کرنے والوں کو قتل نہیں کیا جاتا، تو میں ضرور تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔ یہ ۱۰ھ کے آخر کے واقعات ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا فریضہ حج ادا کرنا

تبوک سے واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے باقی ایام، شوال اور ذوالقعدہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، پھر آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو روانہ فرمایا تاکہ لوگوں کو حج کرائیں، پس وہ مدینہ سے تین سو حاجیوں کو لے کر روانہ ہوئے، آپؐ نے ان کے ساتھ اپنے بیس قربانی کے اونٹ روانہ فرمائے، جن کی گردنوں میں اپنے دستِ مبارک سے پٹکے باندھے اور قربانی کے نشان لگائے۔ پھر سورۂ براءۃ نازل ہوئی، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے مابین

تمام معاہدوں کے کالعدم قرار دیئے جاتے کا ذکر ہے، آپؐ نے اس سورہ کے نزول کے بعد حضرت علی بن ابی طالبؓ کو اپنی اونٹنی عضباء پر سوار کر کے مکہ بھیجا تاکہ لوگوں کو سورہ براءۃ سنائیں اور ہر معاہدہ والے کو اس کے معاہدہ کی تحریر واپس کر دیں۔ حضرت علیؓ نے جب حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا کیا آپ امیر ہیں یا مامور؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں تو مامور رہوں۔ قربانی کے دن حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا:۔

"لوگو! جنت میں کوئی کافر داخل نہ ہوگا۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی عریاں شخص بیت اللہ کا طواف کرے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ کیا ہوا ہے، وہ اپنی مدت تک ہے"۔

حجۃ الوداع

ذوالقعدہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی تیاری فرمائی اور لوگوں کو بھی تیاری کا حکم دیا، چنانچہ مدینہ اور گردونواح کے لوگ آپ کی معیت ہی میں روانہ ہوئے اور دور و نزدیک کے قبائل کے لوگ کچھ راستہ میں، کچھ مکہ مکرمہ میں اور کچھ منیٰ و عرفات میں آ کر آپ سے مل گئے، حضرت علیؓ یمن سے اہل یمن سے ساتھ تشریف لے آئے، اس حج کو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ ذوالقعدہ کو مدینہ سے روانہ ہوئے، آپ نے قربانی کے جانور ساتھ لیے، لوگوں کو مناسک سے روشناس کرایا اور حج کے احکام سکھاتے، اور آپؐ بار بار فرما رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ دوہرا رہے تھے کہ "لوگو! مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو، شاید اس سال کے بعد پھر کبھی تم سے ملاقات نہ ہو سکے"۔ منیٰ میں آپ نے اپنا مشہور و معروف خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں جو کچھ بیان کرنا تھا، بیان فرما دیا۔ سب سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا:۔

"اے لوگو! میری بات بغور سنو، میں خیال کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں اور تم اس اجتماع میں کبھی دوبارہ جمع نہیں ہوں گے۔ اے لوگو! تمہارا خون تمہارا مال اور تمہارا ننگ و ناموس اللہ کی ملاقات تک تم سب کے لیے قابلِ حرمت ہے، اے لوگو! آج میں جاہلیت کے تمام قواعد و رسوم کو اپنے قدموں سے پامال کرتا ہوں۔ میں جاہلیت کے قتلوں کے جھگڑے

ملیامیٹ کرتا ہوں اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی مقتول ربیعہ بن حارث کے خون سے، جسے ہذیل نے قتل کیا تھا، دست بردار ہوتا ہوں، میں زمانہ جاہلیت کے تمام سودی مطالبات باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی سود عباس بن عبدالمطلب کے سود سے دست بردار ہوتا ہوں۔ اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے، وہ چیز اللہ کی کتاب قرآن ہے۔ ایک دن اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے میرے متعلق گواہی طلب کرے گا تم اس وقت کیا جواب دو گے؟ اس پر مجمع عام سے پرجوش صدائیں بلند ہوئیں۔

اے اللہ کے رسول! آپ نے تمام احکام پہنچا دیئے! اے اللہ کے رسول! آپ نے فرض رسالت ادا کر دیا۔ اے اللہ کے رسول! آپ نے کھرے کھوٹے کو الگ کر دیا۔ اس پر آپ کی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھی ایک دفعہ انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے اور دوسری دفعہ مجمع کی طرف اشارہ فرماتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

اے اللہ! خلق خدا کی گواہی سن لے!

اے اللہ! مخلوق خدا کا اعتراف سن لے۔

اے اللہ! گواہ ہو جا۔

حج سے فراغت کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے، ذوالحجہ کے بقیہ ایام، محرم اور صفر میں مدینہ ہی میں قیام فرما رہے اور پھر سر کے درد سے اس علالت کا آغاز ہوا، جس میں آپ نے صفر کے آخر میں ملک بقا کی طرف سفر فرمایا۔

اسامہ بن زیدؓ کی بلقار روانگی

۱۱ھ کے صفر کے ابھی چار دن باقی تھے اور سوموار کا دن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے لڑائی کی تیاری کرنے کا لوگوں کو حکم دیا، اگلے دن حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بلا کر حکم دیا کہ تم بھی وہاں جانے کے لیے تیار ہو جاؤ، جہاں شجاعت و بسالت کے جوہر دکھاتے ہوئے تمہارے والد نے جام شہادت نوش کیا تھا اور فلسطین کے علاقہ بلقار و داروم کی سرحدوں کو پامال کر دو، لوگوں نے ارشاد نبوی کی تعمیل میں فوراً تیاری شروع کر دی

اور مہاجرین وانصار کی ایک بہت بڑی تعداد ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگئی، مجاہدین ابھی تیاریوں ہی میں مصروف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے، درد کی وجہ سے آپ نے سر مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی، مسجد میں تشریف لاتے ہی آپ منبر پر جلوہ افروز ہوتے، دراصل آپ منافقوں کے اس اعتراض کا جواب دینا چاہتے تھے کہ جلیل القدر مہاجرین وانصار کے بجائے حضرت اسامہؓ جیسے نوخیز کو امیر کیوں بنایا گیا ہے، آپ منافقوں کے اس اعتراض پر سخت نالاں تھے، آپؐ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا "لوگو! اسامہؓ کے لشکر کو جانے دو، اگر تم اس کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو تو قبل ازیں تم نے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا، حالانکہ بخدا! وہ امارت کے اہل تھے جیسا کہ ان کا صاحبزادہ ان کے بعد امارت کا اہل ہے۔ سب لوگوں میں سے مجھے ان کے باپ سے زیادہ محبت تھی اور اب اُن کے بعد ان سے مجھے دیگر لوگوں کی نسبت زیادہ محبت ہے" آپؐ کے اس خطبہ کے بعد لوگوں نے اپنی سرگرمیاں اور بھی تیز کر دیں اور حضرت اسامہؓ اپنے لشکر کو لے کر مقام جرف تک پہنچ گئے، ادھر آپؐ کا مرض شدت اختیار کرتا جا رہا تھا اور صحابہ کرامؓ متفکر تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے مرض وصحت کے بارہ میں کیا فیصلہ فرماتے ہیں!

آپؐ کی حالت

ابن اسحاق حضرت اسامہؓ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت اختیار کر گیا تو میں اور میرے تمام ساتھی مدینہ طیبہ واپس آگئے، میں نے آتے ہی آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضری دی، اس وقت آپ نے سکوت اختیار فرما رکھا تھا اور کلام نہیں فرماتے تھے، آپؐ اپنے دست مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا کر مجھ پر رکھ دیتے، میں نے معلوم کر لیا کہ آپؐ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔

ابن اسحاق آپؐ کے غلام ابو مویہبہ کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں کہ آپؐ نے نصف رات کے وقت مجھے بلایا اور فرمایا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ بقیع کے مدفونوں کے لیے استغفار کروں لہٰذا تم میرے ساتھ چلو پس میں آپؐ کے ساتھ گیا، جب آپؐ وہاں تشریف لے گئے تو فرمایا "اے قبروں میں رہنے والو! تم پر سلامتی ہو، تمہیں مبارک ہو کہ تم ان حالات سے محفوظ

رہے ہے، جن میں آج لوگ مبتلا ہیں، سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح مسلسل فتنوں کی آمد آمد ہے کہ دوسرا فتنہ پہلے سے بڑھ کر بدترین ہوگا"۔ پھر میری طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمانے لگے "مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں اور یہاں کا خلود عطا کیا گیا ہے لیکن میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کر لیا ہے"۔ میں نے عرض کیا حضور! آپؐ پر میرے ماں باپ نثار ہوں، آپ دنیا کے خزانوں کی چابیاں لے لیں، یہاں ہمیشہ کی زندگی اختیار فرمائیں اور پھر جنت میں تشریف لے جائیں"۔ آپؐ نے فرمایا ابو مویہبہ! واللہ میں ایسا نہیں کروں گا، میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو پسند کر لیا ہے، پھر آپ نے بقیع میں مدفون لوگوں کی مغفرت کے لیے دعائیں فرمائیں اور واپس تشریف لے آئے۔ مرض شدت اختیار کر گیا تو آپؐ نے ازواج مطہرات سے اجازت طلب کی کہ بیماری کے ایام حضرت عائشہؓ کے گھر میں گزاریں تو سب نے بخوشی اجازت دے دی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہی دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ وہ دنیا کو اختیار کرے یا اس چیز کو جو اللہ کے پاس ہے تو اس نے اس چیز کو اختیار کیا ہے، جو اللہ کے پاس ہے"۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رو پڑے لیکن ہم نے تعجب کیا کہ حضور تو ایک شخص کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں پھر اس میں رونے کی کون سی بات ہے؟ مگر یہ بات حضرت ابو بکرؓ ہی نے سمجھی کہ اس بندے سے مراد جسے اختیار دیا گیا ہے، خود حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں سب سے زیادہ جس شخص کی دولت اور رفاقت کا مشکور ہوں، وہ ابو بکرؓ ہیں۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی ایک شخص کو اپنی دوستی کے لیے منتخب کر سکتا تو وہ ابو بکرؓ ہوتے لیکن اب رشتہ اسلام میری دوستی کی بنا ہے اور وہی کافی ہے۔ مسجد کے رخ پر کوئی دریچہ ابو بکرؓ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے"۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو بکرؓ انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہے تھے انہوں نے رونے کا سبب پوچھا تو انصار نے بتایا کہ آج ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتیں یاد آ

رہی ہیں، آپ کو انصار کی اس کیفیت کی اطلاع دی گئی تو آپ چادر مبارک سے سر کو باندھے ہوئے مسجد تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز ہو گئے ۔۔۔ اس کے بعد پھر آپ منبر پر نہ بیٹھے ۔۔۔ اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"اے لوگو! میں اپنے انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، یہ لوگ میرے جسم کا پیرہن اور میرے سفر زندگی کا توشہ ہیں، انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے مگر ان کے حقوق باقی ہیں، ان کے نیکو کاروں کی قدر افزائی کرو اور جن سے لغزش ہو جائے ان سے درگذر کرو"۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت اختیار کر گیا تو آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، اگر آپ حضرت عمرؓ کو حکم دیں تو اچھا ہو گا۔ آپ نے فرمایا" ابوبکرؓ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عائشہؓ نے پھر یہی بات دوہرائی تو آپؐ نے پھر فرمایا ابوبکرؓ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں، بلاشبہ تم حضرت یوسف علیہ السلام والی عورتوں کی طرح ہو۔ پیغامبر نے جا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ارشادِ نبوی سے مطلع کیا تو انہوں نے آپ کی حیات مبارکہ ہی میں نمازیں پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ واللہ! میرا خیال یہ تھا کہ جو شخص رسول اللہ کے بعد امام مقرر ہو گا تو لوگ لازماً اسے اچھا نہ سمجھیں گے بلکہ منحوس خیال کریں گے لہٰذا میری خواہش تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کو اس حکم کا مکلف قرار نہ دیا جاتا

سفرِ آخرت

امام زہری حضرت انسؓ کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں کہ سوموار کا دن تھا جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک، جسد اطہر سے پرواز کر گئی۔ صحابہ کرام نمازِ فجر میں مشغول تھے کہ اچانک آپ نے حضرت عائشہ کے حجرہ کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف دیکھا، قریب تھا کہ آپ کی تشریف آوری کی خوشی کے جذبہ میں لوگوں کی نمازیں انتشار پیدا ہو جائے کہ آپ نے دستِ مبارک کے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ آپؐ نے حضرات صحابہ کرام کو جب نماز کی حالت میں دیکھا تو فرطِ مسرت سے

تبسم چہرہ اقدس پر رقصاں ہو گیا حتیٰ کہ جمال جہاں آرا کی یہ سب سے حسین جھلک تھی۔ پھر آپؐ نے حجرہ میں داخل ہو کر پردہ ڈال لیا، صحابہ کرامؓ کا خیال تھا کہ شدتِ مرض کی وجہ سے شاید آپ واپس تشریف لے گئے ہیں، حضرت ابو بکرؓ مقام سُنح میں اپنے اہل وعیال کے ہاں چلے گئے تھے اور چاشت کا وقت تھا کہ روح مبارک عالم قدس کی طرف تشریف لے گئی۔

ابن اسحاق نے زھری، سعید بن المسیّب اور حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے ذکر کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو حضرت عمر کھڑے ہو کر کہنے لگے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں لیکن واللہ! آپ نے انتقال نہیں فرمایا بلکہ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ بن عمران اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے تھے اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں حالانکہ آپ چالیس دن کے بعد واپس تشریف لے آئے تھے، واللہ! آپ بھی حضرت موسیٰ کی طرح کچھ دنوں بعد واپس تشریف لے آئیں گے لہٰذا اب اگر کسی نے کہا کہ آپ وفات پا گئے ہیں تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے۔

تھوڑی ہی دیر بعد حضرت ابو بکرؓ بھی تشریف لے آئے، انہیں بھی اس حادثہ کی خبر مل چکی تھی، مسجد کے دروازہ کی طرف سے سیدھے حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لے آئے یہاں آپ کی میت پاک پڑی ہوئی تھی، حضرت صدیقؓ نے چہرہ اقدس سے کپڑا اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا، پھر چادر ڈھک دی اور رو کر کہا "حضورؐ آپ پر میرے ماں باپ نثار! اللہ نے جو موت لکھ رکھی تھی آج آپؐ نے اس کا ذائقہ چکھ لیا اور اب اس کے بعد موت ابد تک آپ کا دامن نہ چھو سکے گی"۔ پھر مسجد میں تشریف لے آئے وہاں حضرت عمرؓ لوگوں سے محوِ گفتگو تھے آپ نے ان کی بات سنی تو فرمایا "عمرؓ! سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ"، جب عمر فاروقؓ اپنی وارفتگی میں گفتگو کرتے ہی چلے گئے تو حضرت صدیق اکبرؓ ان سے الگ ہو گئے اور خود گفتگو شروع فرما دی تو سب حاضرین مسجد ادھر متوجہ ہو گئے، آپؐ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

"اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا وہ سمجھ لے کہ محمدؐ وفات پا گئے ہیں اور جو

شخص خدا کا پرستار ہے، وہ جان لے کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا پھر آپ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی :۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ؏	محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے ؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے، انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔

اس آیت شریفہ کو سن کر تمام مسلمان چونک اٹھے۔ انہیں ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت آج ہی اتری ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا حضرت ابو بکرؓ سے یہ آیت سن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے اور کھڑے رہنے کی قوت باقی نہ رہی، زمین پر گر پڑا اور دو آدمیوں نے مجھے پکڑ کر اٹھایا، مجھے یقین ہو گیا تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی رحلت فرما گئے ہیں۔

حدیث سقیفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس جمع ہو گئے، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت فاطمہؓ کے گھر میں جمع ہو گئے اور مہاجرین حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے پاس بنی عبد الاشہل میں جمع ہو گئے، حضرت اسید بن حضیرؓ بھی انہی کے ساتھ تھے، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس جمع ہیں، اگر تمہیں لوگوں کے معاملہ سے کوئی دلچسپی ہے تو انہیں سمجھا دو ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی سخت فیصلہ کر لیں

لہ آل عمران ۱۴۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میت مبارک ابھی تک دفن نہیں کی گئی تھی بلکہ آپ کے اہل و عیال نے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت صدیق اکبرؓ سے کہنے لگے آؤ انصاری بھائیوں کے پاس چلیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ابن اسحاق حدیث سقیفہ کے بارہ میں عبداللہ بن ابی بکر، محمد بن شہاب زہری، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ مجھے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے خبر دی اور میں منیٰ میں ان کے مقام پر محوِ انتظار تھا اور وہ حضرت عمرؓ کے پاس تھے۔ یہ حضرت عمرؓ کے آخری حج کا واقعہ ہے، حضرت عبدالرحمٰنؓ جب حضرت عمرؓ کے پاس سے واپس لوٹے تو مجھے اپنی جگہ پر محو انتظار پایا، میں انہیں قرآن مجید پڑھایا کرتا تھا۔ آتے ہی مجھ سے کہنے لگے اس آدمی کے بارہ میں کیا خیال ہے جس نے امیر المومنین سے یہ کہا ہو کہ فلاں شخص یہ کہتا ہے اگر عمرؓ وفات پا گئے تو میں فلاں انسان کے ہاتھ پہ بیعت کر لوں گا کیونکہ واللہ! صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بھی اچانک بیعت ہوئی تھی، جو کارآمد ثابت ہوئی تو حضرت عمرؓ یہ بات سن کر انتہائی ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کہ آج شام میں لوگوں سے خطاب کروں گا اور انہیں اس قسم کا ارادہ رکھنے والے لوگوں سے بچنے کے لیے کہوں گا حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ ایسا نہ کیجئے، حج کے موسم میں ہر طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور آپ جب خطاب فرمانا چاہیں گے تو کم حیثیت کے لوگ آپ کے زیادہ قریب ہو جائیں گے اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ ایک بات فرمائیں اور یہ لوگ بلا سوچے سمجھے اسے لے اڑیں اور غلط معانی پر محمول کرتے پھریں لہٰذا آپ مدینہ طیبہ واپسی تک رک جائیں، مدینہ طیبہ دارِ سنت ہے، وہاں آپ دانش مند اور معزز لوگوں کو جمع فرمائیے اور ان کے سامنے اپنے ارشادات رکھیے وہ بات کو بخوبی سمجھیں گے، یاد رکھیں گے اور غلط معانی نہیں پہنائیں گے۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے "بہت خوب انشاء اللہ مدینہ منورہ جاتے ہی پہلا خطاب اسی بارے میں ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم ذوالحجہ کے بعد مدینہ آگئے، جمعہ کا دن تھا زوال آفتاب کے بعد میں فوراً مسجد میں چلا گیا۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رکن منبر کے پاس

بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی ان کے برابر جا کر بیٹھ گیا، تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ بھی تشریف لے آئے، میں نے سعید سے کہا کہ آپ آج ایک ایسی بات کہیں گے جو خلیفہ بننے کے وقت سے لے کر اب تک کبھی نہیں کہی سعید نے اسے تسلیم نہ کیا اور کہا یہ نہیں ہو سکتا جو بات کبھی نہ کہی ہو وہ کیسے کہہ سکتے ہیں ہم یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ آپ منبر پر جلوہ افروز ہو گئے جب مؤذن اذان سے فارغ ہوا تو آپ کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا "میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور نہ معلوم شاید میری اجل قریب ہو لہٰذا اسے میں اجل سے پہلے پہلے کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں جو میری بات کو سمجھ لے اور اسے یاد رکھ سکے اسے اجازت ہے کہ جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہو اس بات کو بیان کر سکتا ہے اور جسے خدشہ ہو کہ وہ اس بات کو یاد نہ رکھ سکے گا تو میں کسی کے لیے یہ جائز نہیں سمجھتا کہ وہ میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، آپؐ پر کتاب نازل فرمائی، آپ پر جو وحی نازل ہوئی اس میں آیت رجم بھی تھی، جسے ہم نے پڑھا، یاد رکھا اور بخوبی سمجھا، اسی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا، ہم نے بھی رجم کیا لیکن مجھے خدشہ ہے کہ زمانہ دراز کے بعد کوئی شخص یہ کہنے لگ جائے کہ واللہ! ہم کتاب اللہ میں آیت رجم نہیں پاتے، ایسا کہنے والے اللہ کے نازل کردہ فریضہ کے ترک کے باعث یقیناً گمراہ ہو جائیں گے حالانکہ شادی شدہ مردوں یا عورتوں میں سے اگر کوئی زنا کرے اور شہادت مل جائے یا کوئی خود اعتراف کرے یا حمل سے اظہار ہو تو اس شخص کے حق میں کتاب اللہ میں رجم کا حکم ہے، پھر ہم کتاب اللہ میں یہ بھی پڑھا کرتے تھے کہ اپنے آبا سے بے رغبتی کا اظہار نہ کرو کیونکہ یہ کفر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا گیا، میں تو صرف اس کا بندہ ہوں لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ فلاں شخص یہ کہتا ہے کہ اگر عمر بن خطابؓ فوت ہو گئے تو میں فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا، کوئی شخص اس بات سے فریب خوردہ نہ ہو کہ صدیق اکبرؓ کی

اچانک بیعت ہوئی تھی، جو کارآمد ثابت ہوئی، واللہ! ان کی بیعت تو اچانک ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں خرابیوں سے محفوظ رکھا اور تم میں سے کوئی بھی تو حضرت ابوبکرؓ کی سی محبوبیت کا مالک نہیں ہے، جس نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کی تو وہ بیعت ہرگز منعقد نہیں ہوگی، بیعت کرنے والا اور جس کی بیعت کی جارہی ہو وہ اس بات کے مستحق ٹھہریں گے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہمیں یہ خبر پہنچی کہ انصار نے ہماری مخالفت کی ہے اور اپنے سرداروں سمیت سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں، علی بن ابی طالبؓ اور زبیر بن عوامؓ بھی اپنے رفقاء کے ہمراہ ہم سے الگ تھے اور مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کے پاس جمع ہو گئے تھے میں نے صدیق اکبرؓ سے کہا آؤ اپنے انصاری بھائیوں کے پاس چلیں، ہم جب ان کے پاس جارہے تھے، تو راستہ میں دو بہت ہی نیک انصاری آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔[1] انہوں نے ہمیں اپنی قوم کے عزائم سے آگاہ کیا اور فرمانے لگے اے گروہِ مہاجرین کہاں کا ارادہ ہے؟ ہم نے کہا اپنے انصاری بھائیوں کے پاس جا رہے ہیں، انہوں نے کہا ان کے پاس نہ جاؤ بلکہ اپنا کام کیے جاؤ۔ میں نے کہا نہیں ہم ضرور جائیں گے؛ چنانچہ ہم چلے گئے حتیٰ کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ حاضرین میں ایک شخص چادر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سعد بن عبادہؓ ہیں۔ میں نے پوچھا انہیں کیا ہوا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ بیمار ہیں۔ جب ہم بیٹھ گئے تو ان کے خطیب نے کلمہ شہادت پڑھا اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد کہنے لگا ہم اللہ کے

---

[1] ان سے مراد ایک تو عویم بن ساعدہؓ ہیں، جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا سب سے اچھا آدمی عویم بن ساعدہ ہے اور دوسرے معن بن عدی ہیں، جن کا تعلق بنی عجلان سے تھا، رسول اللہ کے وصال کے بعد جب لوگ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے کاش ہم آپ سے پہلے ہی فوت ہو جاتے کیونکہ آپ کے بعد فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے تو اس وقت انہوں نے یہ کہا تھا واللہ! میں آپ سے پہلے فوت ہونا پسند نہیں کرتا کیونکہ میں نے جس طرح زندگی میں آپ کی تصدیق کی، بعد از وفات بھی تصدیق کرنا چاہتا ہوں، حضرت معنؓ نے عہد صدیقی میں جنگ یمامہ کے دن جام شہادت نوش فرمایا۔

مددگار اور اسلام کا لشکر ہیں اور تم اے گروہ مہاجرین ہمارا حصہ ہی ہو۔ تمہاری قوم کی ایک جماعت ہمارے شہر میں منتقل ہو گئی تھی اور اب ہمیں ہر کام سے بالکل الگ تھلگ رکھنا چاہتی ہے۔

جب وہ اپنی بات کر کے خاموش ہو گیا تو میں نے کلام کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے جی میں گفتگو کو اس انداز میں مرتب کیا کہ وہ مجھے بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا عمرؓ! ذرا ٹھہر جائیے لہٰذا میں رک گیا کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت مجھے گوارا نہ تھی، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے گفتگو شروع فرمائی، وہ مجھ سے زیادہ صاحب علم و حلم تھے، ان میں قوت فیصلہ بھی مجھ سے زیادہ تھی اور وہ خود بھی زیادہ باوقار تھے۔ واللہ! جو گفتگو میں نے اپنے جی میں مرتب کر رکھی تھی انہوں نے فی البدیہہ اسے مکمل طور پر بلکہ مجھ سے بھی بہتر انداز میں یوں بیان فرما دیا:۔

"تم نے اپنی جن خوبیوں کا تذکرہ کیا ہے تم ان کے مالک ہو لیکن عرب اس امر کا مستحق صرف قریش کو سمجھتے ہیں۔ قریش ہی نسب اور گھر کے اعتبار سے تمام عرب سے افضل ہیں، میں ان دو آدمیوں کو پسند کرتا ہوں ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے اس کی بیعت کر لو۔"

یہ کہہ کر آپ نے میرے اور ابوعبیدہ عامر بن جراحؓ کے ہاتھ کو پکڑ لیا جو کہ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کی اس ساری گفتگو میں سے صرف یہی ایک جملہ مجھے ناپسند لگا کیونکہ میری گردن کا اڑا دیا جانا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب تھا کہ کسی ایسی قوم پر حکمران بنایا جاتا جس میں حضرت ابوبکرؓ جیسی شخصیت موجود ہو:۔

ایک انصاری[1] نے کہا کہ میں تجربہ کار، واقف کار اور ہوشیار ہوں چاہیے یہ کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ اس پر بہت شور و غوغا بلند ہوا حتیٰ کہ ہمیں خدشہ لاحق ہوا کہ اختلاف کہیں شدت اختیار نہ کر جائے لہٰذا میں نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں عرض کیا، ذرا اپنا ہاتھ تو آگے بڑھائیے انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان کے دست مبارک پر بیعت کر لی پھر سب مہاجرین اور انصار نے بیعت کر لی، بیعت اس قدر جوش و خروش سے ہو رہی تھی کہ ہم سعد بن عبادہؓ پر گر پڑے، کسی نے کہا۔ تم نے تو سعد کو قتل ہی کر دیا۔ میں نے کہا "اللہ اسے قتل کرے۔"

---

[1] اس سے مراد حضرت حباب بن منذرؓ ہیں۔

ابوبکرؓ کی عام بیعت

سقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو چکی تھی اور جب اگلا دن ہوا تو صدیق اکبرؓ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، آپ کے کچھ فرمانے سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا "اے لوگو! میں نے کل تمہاری خدمت میں ایک بات عرض کی تھی، وہ اگرچہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ ہی اس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ کوئی عہد کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ آپ ہمارے امور کی تدبیر فرما کر رخصت ہوں گے لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس کتابِ مقدس کو باقی رکھا، جس کی بدولت اللہ تعالیٰ اس نے اپنے پیغمبر کے سامنے راہِ ہدایت کو آشکارا کیا، اگر تم اس کتاب کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تمہیں بھی اللہ اپنے پیغمبر کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہدایت بخشتا رہے گا، اللہ نے تمہیں تمہاری سب سے بہترین شخصیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ خاص اور رغار یار کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے لیے جمع کر دیا ہے لہٰذا اٹھو اور بیعت کرو، پس سقیفہ کی بیعت کے بعد اب عام لوگوں نے بیعت کر لی۔

بیعت کے بعد صدیق اکبرؓ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا"؛

"لوگو! مجھے تمہارا حکمران بنا دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھے کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو۔ اور اگر میں اچھے کام نہ کروں تو مجھے سیدھا کر دو، سچ امانت اور جھوٹ خیانت ہے، تم میں سے کمزور آدمی میرے نزدیک طاقتور رہے حتیٰ کہ میں اس کا حق اسے لے دوں اور تم میں سے طاقتور آدمی میرے نزدیک کمزور ہے حتیٰ کہ میں اس سے دوسروں کا حق لے لوں۔ یاد رکھو! جو قوم راہِ خدا میں جہاد چھوڑ دے، اللہ اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں فحاشی عام ہو جائے، وہ آفتوں اور مصیبتوں میں پھنس جاتی ہے، میری اس وقت تک اطاعت کرو جب تک میں اللہ و رسول کی اطاعت کرتا رہوں اور جب میں اللہ و رسول کی نافرمانی کروں تو تم ہرگز ہرگز میری اطاعت نہ کرو۔"

حضرت ابوبکرؓ اور آپ کا دورِ خلافت

حضرت ربیعہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے بارِ خلافت کیوں اٹھالیا حالانکہ آپ نے مجھے تو دو آدمیوں پر حاکم بننے سے بھی منع فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا "میں نے کوئی چارہ کار نہ پایا اور اگر میں یہ بار نہ اٹھاتا تو امتِ محمدیہ کے اختلاف میں پڑ جانے کا اندیشہ تھا اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ میں ڈر گیا، مبادا امت فتنہ اور پھر اس کے بعد ارتداد میں مبتلا ہو جائے"۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نفاق نے سر اٹھانا شروع کیا' عرب مرتد ہونے لگے اور انصار بھی مرکز سے ہٹنے لگے اگر وہ مصائب و آلام، جن کا میرے ابا کو سامنا کرنا پڑا، بلند و بالا پہاڑوں پر ٹوٹ پڑتے تو وہ بھی لرز جاتے؛ چنانچہ صحابہ کرامؓ میں جب بھی کسی نقطہ پر اختلاف رونما ہوتا تو میرے ابا جی اس کے تصفیہ کے لیے فوراً پہنچ جاتے"۔

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ اس ذاتِ اقدس کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر حضرت ابوبکرؓ خلیفہ نہ بنتے تو اللہ کی پرستش نہ ہوتی' انہوں نے یہ دو تین بار کہا، کسی نے یہ سن کر کہا "ابوھریرہ! ذرا ٹھہرو تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے فرمایا، بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں سات سو صحابہ کرام کا ایک لشکر شام کی طرف روانہ فرمایا تھا، ابھی یہ لشکر وادی ذی خشب تک ہی پہنچا تھا کہ آپؐ اپنے خالقِ حقیقی کے پاس جا پہنچے، ادھر کئی قبائل مرتد ہو گئے لہٰذا لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ لوگ روم جا رہے ہیں اور ادھر مدینہ کے گرد و نواح کے کئی عرب قبائل مرتد ہو رہے ہیں لہٰذا انہیں واپس بلا لو۔ یہ سن کر صدیق اکبرؓ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر کتے ازواجِ مطہرات کے پاؤں کھینچ کر بھی لے جائیں تو میں اس لشکر کو واپس نہیں بلا سکتا جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا اور نہ میں اس پرچم کو کھول سکتا ہوں، جسے آپ

نے اپنے دستِ مبارک سے باندھ کر اسامہؓ کو دیا تھا۔ اس لشکر کی روانگی کا فائدہ یہ ہوا کہ حضرت اسامہؓ ارتداد اختیار کرنے والے جن قبائل کے پاس سے بھی گزرتے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ اگر مسلمانوں کے پاس قوت و شوکت نہ ہوتی تو ان کا لشکر اس قدر عظیم و پر شکوہ نہ ہوتا لہٰذا ہمیں رومیوں سے جنگ کے نتائج کا انتظار کرنا چاہیئے۔

اس جنگ میں رومیوں کو شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا اور محمدی لشکر فتح و نصرت کے پھریرے لہراتا ہوا صحیح سالم واپس آ گیا، اس لشکر کی کامیابی سے مذبذب لوگوں کو بھی اسلام کے بارہ میں ثبات اور استقامت نصیب ہو گی۔ وللہ الحمد!

قصہ ارتداد

قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں جنم لینے والے فتنوں سے آگاہ فرما دیا تھا اور فتنہ ارتداد کے بارہ میں تو آپ نے بطور خاص مطلع فرما دیا تھا، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا "میں ایک بار سویا ہوا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے جو مجھے اچھے نہ لگے لہٰذا میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔" پھر آپ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میرے بعد دو کذاب نبوت کا دعویٰ کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تین چیزوں سے نجات پا جائے گا، وہی درحقیقت نجات یافتہ ہو گا۔

(۱) مردوں سے (۲) حق پر قائم خلیفہ کے قتل اور (۳) فتنہ دجال سے

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنے تو کئی عرب قبائل مرتد ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کے خلاف اعلان جہاد کر دیا۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگے آپ کیسے لڑ سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا ہے جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہیں کر لیتے اور جب اس کلمہ کا اقرار کر لیں گے تو پھر مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں گے اِلّا یہ کہ اسی کلمہ کا ان پر کوئی حق ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "زکوٰۃ بھی اسی کلمہ کا حق ہے، واللہ میرا اس کے خلاف اعلانِ جہاد ہے جو نماز

اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے، واللہ! اگر کوئی بکری کا بچہ بھی بطورِ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرے گا، جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا. تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔" حضرت عمرؓ یہ ارشادات سننے کے بعد فرمانے لگے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو جہاد کے لیے شرحِ صدر عطا فرمایا ہے اور ان کا موقف بالکل مبنی بر حق ہے، واللہ! مرتدین سے جہاد کے بارہ میں حضرت ابوبکرؓ کا ایمان پوری امت کے ایمان سے فائق تر ہے۔

یعقوب بن سعید بن عابدؒ اور محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ ان شاکرین کے امیر تھے جو دین پر ثابت قدم رہے، آپ ان صابرین کے بھی امیر تھے جنہوں نے اپنے دشمن یعنی اہلِ ارتداد کے خلاف جہاد پر صبر کیا۔ ارتداد کے دور میں عرب تفرقہ میں مبتلا ہو گئے۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ اگر وہ نبی ہوتے تو فوت کیوں ہوتے، ایک فرقے نے کہا کہ آپ کی وفات سے نبوت منقطع ہو گئی ہے لہٰذا آپ کی وفات کے بعد ہم کسی کی اطاعت نہ کریں گے، اسی فرقے کی نمائندگی کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا تھا ؎

أطعنا رسول الله ما كان بيننا فيا لعباد الله ما لأبي بكر
أيورثها بكرًا اذا مات بعده فتلك لعمر الله قاصمة الظهر

ایک فریق نے کہا ہم صرف اللہ پر ایمان رکھیں گے جب کہ ایک دوسرے نے کہا ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، حضرت محمدؐ کو اللہ کا رسول بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن ہم تمہیں اپنے مال نہیں دیں گے۔

صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ اسامہؓ کے لشکر کو مدینہ میں امن قائم ہونے تک روک لو اور اس مسئلہ ارتداد کے حل تک عربوں سے نرمی کا برتاؤ کرو، اگر ایک طائفہ مائل بہ ارتداد ہوتا تو ہم کہتے کہ جو لوگ جیش اسامہؓ کے بعد باقی رہ گئے ہیں ان کی معیت میں مقابلہ کیا جائے لیکن اب تو اکثریت مائل بہ ارتداد نظر آتی ہے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کچھ معززین کے ہمراہ مہاجرین کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم

اپنے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہیں، ان میں سے اکثریت مرتد ہو چکی ہے اور وہ قطعاً زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرنا چاہتے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ادا کیا کرتے تھے، اگر تم ہمارا حصہ مقرر کر دو تو ہم تمہیں ان سے وصول کر کے دے سکتے ہیں، صحابہ کرامؓ نے اس بات کو حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ "ہمارا خیال ہے کہ آپ اقرع اور عینیہ کو کچھ دے دیجئے وہ راضی ہو جائیں گے اور اپنے پیچھے سب لوگوں کو سنبھال لیں گے حتیٰ کہ اسامہؓ کا لشکر واپس آ جائے۔ کیونکہ آج کل ہماری قلت ہے اور ہم کثرت میں گھرے ہوئے ہیں"۔

حضرت ابو بکرؓ نے یہ سب کچھ سننے کے بعد فرمایا کوئی اور بات؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ بس یہی بات ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے عہد لیا تھا کہ جس چیز کے بارہ میں انہوں نے کچھ نہ فرمایا ہو اور نہ کتاب الٰہی میں کوئی حکم نازل ہوا ہو تو باہمی مشورہ کر لیا کرو، میں بھی تم میں سے ایک آدمی ہوں، جس چیز کی طرف اشارہ کروں، اس کا بغور جائزہ لینا اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو ضلالت پر جمع نہیں کرے گا لہٰذا تم سب رشد و بھلائی پر جمع ہو جاؤ، میری رائے یہ ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو واشگاف الفاظ میں کہہ دیں کہ تم میں سے جو چاہے ایمان کی شاہراہ اختیار کرے اور جو چاہے راہ کفر کو پسند کرے اور تم اسلام کی حمایت کرتے ہوئے دشمنانِ اسلام کے خلاف برسرِ پیکار کیوں نہیں ہو جاتے۔ واللہ! اگر ایک رسی بھی بطور زکوٰۃ دینے سے انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا"، یہ سن کر لوگ کہنے لگے بے شک آپ کی رائے بہت بہتر ہے اور ہماری رائے بھی آپ کی رائے کے تابع ہے، اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا اور جب لشکر تیار ہو گیا تو خود بھی بنفس نفیس ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے یاد رہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ھ میں حج کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے محرم ۱۱ھ کا چاند طلوع ہونے کے بعد زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عمال کو بھیجا تھا۔

خاندان طی اور عدی بن حاتم | خاندان طی کے لوگوں کو جب آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے وصال کا علم ہوا تو ان میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارہ میں اختلاف رونما ہو گیا، کچھ لوگوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور بعض نے اپنی زکوٰۃ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پیش کر دی، زکوٰۃ ادا کرنے والوں میں حضرت عدی بن حاتمؓ بھی تھے ان کے پاس اپنی قوم سے وصول کی ہوئی زکوٰۃ کے بہت سے عمدہ عمدہ اونٹ تھے، جب بنو طی نے اپنے پڑوسی بنو اسد اور دیگر لوگوں کو ارتداد اختیار کرتے دیکھا تو حضرت عدیؓ کے پاس آکر کہنے لگے کہ دیکھیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے ہیں، آپ کے بعد لوگوں نے اختلاف کی راہ اختیار کر لی ہے اور اپنے صدقات و زکوٰۃ کو ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے تو ہم بھی اپنے مال اپنے پاس ہی کیوں نہ روک لیں؟

حضرت عدیؓ نے پوچھا "کیا تم نے ہر حال میں دین پر ثابت قدم رہنے کا عہد نہیں کیا تھا"؟ انہوں نے کہا "عہد تو کیا تھا لیکن دیکھیے حالات کیا رخ اختیار کر گئے ہیں"۔

حضرت عدیؓ نے جواب دیا "اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں عدی کی جان ہے میں اس عہد کی کبھی خلاف ورزی نہ کروں گا اور اگر تم کر دگے تو تم سے لڑائی کروں گا۔ اور یاد رکھو پہلا شہید وفا عدی بن حاتم ہوگا، تم اس بات کی طمع نہ کرو کہ حاتم کو سب و شتم کیا جائے جب کہ اس کا بیٹا عدی زندہ ہو اور یہ بھی یاد رکھو کہ ہر نبی کی وفات کے بعد شیطان کے چیلے چانٹے جاہلوں کو گمراہ کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو جایا کرتے ہیں حتیٰ کہ انہیں فتنہ کے گھاٹوں پر اتار کر چھوڑتے ہیں اور یہ جو تم دیکھ رہے ہو وقتی ہنگامے ہیں جو جلد ختم ہو جائیں گے۔ انہیں اور ان کے برپا کرنے والوں کو قطعاً ثبات نصیب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپؐ کا ایک خلیفہ زمام اقتدار کو سنبھالے ہوئے ہے اور یقیناً کچھ ایسی قومیں پیدا ہو جائیں گی جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے سرگرم عمل ہوں گی اور اگر تم نے راہ ارتداد کو اختیار کیا تو وہ تمہارے خلاف جہاد کرتے ہوئے تمہیں تمہارے مالوں اور عورتوں سے محروم کر دیں گی اور تمہارے غدر کی تمہیں سزا دیں گی، بتاؤ پھر تمہاری کیا کیفیت ہوگی؟

بنو طی نے جب حضرت عدیؓ کے ثبات اور استقامت کو دیکھا تو خود بھی ارتداد

سے باز آگئے اور سچے پکے مسلمان بن گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ حکومت میں کچھ سختی سی کی تو حضرت عدیؓ کہنے لگے "میرا خیال کہ آپ مجھے پہچانتے نہیں"؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کیوں نہیں! واللہ میں تمہیں پہچانتا ہوں، اللہ تمہیں آسمانوں میں پہچانتا ہے، تم وہی ہو کہ جب تمہاری قوم کفر کی راہ اختیار کر رہی تھی تو تم مسلمان تھے، جب وہ بے وفائی کر رہے تھے تو تم نے وفا کا مظاہرہ کیا، جب وہ پیچھے پلٹ رہے تھے تو تم نے آگے کی طرف پیش قدمی کی' اللہ کی قسم! میں تو تمہیں پہچانتا ہوں"۔

اہل ارتداد سے جہاد

جب بعض عرب قبائل کی یہ کیفیت ہوگئی جس کا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعینِ زکوٰۃ اور مرتدین کے خلاف جہاد کا عزم صمیم کر لیا، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے لیے آپ کو شرحِ صدر عطا فرما دیا تھا۔ آپ نے اس جہاد میں بنفس نفیس بھی شرکت کا عزم فرمایا؛ چنانچہ ایک سو مہاجرین و انصار کی معیت میں مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے آئے حضرت خالد بن ولیدؓ پرچم اٹھائے ہوئے تھے، شہر سے باہر نکل کر یہ مقدس قافلہ مقام بقعاء میں فروکش ہو گیا تاکہ دوسرے لوگ بھی آ کر مل جائیں۔ مدینہ طیبہ میں محمد بن مسلمہ کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ لوگوں کو جہاد کی رغبت دیتے ہوئے شہر سے باہر نکال لائیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے رفقاء سمیت چند دن مقام بقعاء میں قیام فرمایا حتیٰ کہ تمام مہاجرین و انصار آپ کے پاس آگئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کہنے لگے اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ واپس تشریف لے جائیں کیونکہ اگر آپ شہید ہو گئے تو باطل حق پر غالب آجائے گا، تو صدیق اکبرؓ نے زید بن خطابؓ کو بلا کر مسلمانوں کے لشکر کی قیادت سونپنا چاہی تو انہوں نے کہا میری خواہش تھی کہ راہِ خدا میں شہادت نصیب ہوتی لیکن افسوس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو یہ نہ ہو سکا۔ شاید اب شہادت نصیب ہو جائے، پھر آپ نے ابو حذیفہ بن عتبہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ قیادت ان کے سپرد کر دی جائے، انہوں نے بھی حضرت زید ہی کی طرح جواب دیا پھر آپ نے سالم مولی ابی حذیفہ کے سامنے یہ تجویز

رکھی تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا بالآخر آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بلا کر لشکر کی کمان ان کے سپرد کر دی اور یہ خط لکھ کر انہیں دے دیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کے ساتھ کیا جب کہ انہیں ان لوگوں کے خلاف جہاد کے لیے بھیجا جو اسلام سے رجوع کر کے جاہلیت کی ضلالت اور شیطان کی خواہشوں کی طرف لوٹ گئے تھے اور انہیں حکم دیا کہ سب سے پہلے جا کر یہ بیان کریں کہ اسلام میں لوگوں کے لیے کس قدر خیر و برکت ہے اور اسلام کے لوگوں پر کیا حقوق و فرائض ہیں نیز انہیں ہر ممکن طریقہ سے ہدایت قبول کرنے پر آمادہ کریں' جو لوگ ان باتوں کو تسلیم کر لیں انہیں کچھ نہ کہا جائے جہاد صرف ان لوگوں کے خلاف کیا جائے جو اللہ پر ایمان کے بجائے کفر کو ترجیح دیں' جب وہ ایمان کی راہ اختیار کر لیں اور ایمان کے تقاضوں کو صحیح کر دکھائیں تو پھر ان کے خلاف کسی اقدام کا کوئی جواز نہیں اور بعد کی زندگی میں اللہ ان کا نگہبان ہے' خالد بن ولیدؓ کو یہ بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی بھی آدمی سے اسلام کے سوا اور کوئی چیز قبول نہ کریں اور اپنے رفقاء خاص میں ایسے آدمیوں کو شامل نہ کریں' جن کے بارہ میں یہ معلوم نہ کر لیں کہ وہ کس بات کے پیش نظر ان کی اتباع اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کرتے ہیں۔ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ تمہارے ساتھ ایسے آدمی شریک ہو جائیں گے جو تمہارے ساتھ پناہ طلب کریں گے حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہوں گے' نہ تمہارے دین پر ہوں گے بلکہ تمہارے خلاف دوسروں کی مدد کریں گے۔ خالد! جب کوچ کرو' کسی مقام پر پڑاؤ ڈالو یا کسی مسلمان کو گم پاؤ تو نرمی کا مظاہرہ کرنا اور اسی طرح کوچ کرتے وقت یا راہ چلتے ہوئے لوگوں کو عجلت اختیار کرنے پر مجبور نہ کرنا اور ہاں اپنے انصاری رفقاء کے ساتھ ہر حال میں خیر خواہی کرنا ان کا ہم پر حق ہے' انہیں فضیلت حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی وصیت فرمائی ہے' ان میں سے محسن لوگوں کی اچھائیوں کو قبول کر لو اور راہ اعتدال سے تجاوز کرنے والوں سے درگزر کرو۔"

حضرت ابوبکرؓ کا مکتوب امراء کے نام "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابوبکرؓ کی طرف سے یہ مکتوب ہر اس شخص کے نام ہے جس تک پہنچ جائے، یہ عوام کے نام بھی ہے اور خواص کے نام بھی، مسلمانوں کے نام بھی اور مرتدین کے نام بھی، سلامتی تو ان لوگوں کے لیے ہے جو ہدایت کی اتباع کریں اور ہدایت قبول کرنے کے بعد دوبارہ ضلالت وجہالت کی طرف رجوع نہ کریں۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ فی الواقع اس کے بغیر کوئی معبود نہیں، اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، وہ ہادی ہیں، مضل نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخلوق کی طرف بشیر، نذیر، داعی اور سراج منیر بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ لوگوں کو آخرت سے ڈرائے اور کافروں پر بھی حجت تمام ہو جائے، جن لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا، اللہ تعالیٰ نے انہیں حق و ہدایت سے سرفراز فرما دیا اور جنہوں نے لبیک نہ کہا اللہ تعالیٰ نے انہیں حق سے دور فرما دیا۔ آپ کا مشن جب مکمل ہو گیا تو آپ کے پاس پیام اجل آ گیا، اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو اپنی کتاب کے ذریعے پہلے سے ہی خبر دے دی تھی، چنانچہ فرمایا تھا۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔

(اے پیغمبر) تم بھی مر جاؤ گے اور یہ بھی مر جائیں گے۔

نیز فرمایا:۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔

اور (اے پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا بھلا اگر تم مر جاؤ تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

مومنوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (خدا کے) پیغمبر ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گذرے ہیں۔

تو جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، اسے سن لینا چاہیے کہ آپ وفات پا گئے ہیں اور جو شخص اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتا تھا اُسے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ رب العزت ـــــ زندہ و قائم رہنے والا ہے اور کبھی فوت نہ ہوگا اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، وہ اپنے امر کی حفاظت فرمانے والا ہے، وہ اپنے دشمن سے انتقام لے سکتا ہے، لوگو! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اختیار کرو اور جو خدا نے تمہارے لیے مقدر کر رکھا ہے اسے حاصل کر لو، جس چیز کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لاتے تھے، اسی کے دامن سے وابستہ رہو یعنی آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو اختیار کرو، اللہ کے دین پر کاربند رہو۔ جو خدا کے دین کی حفاظت نہ کرے وہ خود بھی ضائع ہو جاتا ہے، جو اللہ کے دین کی تصدیق نہ کرے وہ خود کاذب ہے، جسے اللہ سعادت نہ بخشے وہ بدبخت ہے جسے اللہ رزق نہ دے وہ محروم ہے جس کی اللہ مدد نہ فرمائے وہ ذلیل ہے۔ اپنے اللہ کی ہدایت سے راہنمائی طلب کرو کیونکہ حقیقی ہدایت یافتہ وہی ہے، جسے اللہ ہدایت بخشے اور جسے وہ ضلالت و گمراہی سے دوچار کر دے، اس کا کوئی کارساز نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی اسے رشد و بھلائی عنایت کر سکتا ہے۔

مجھے خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ اسلام قبول کرنے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے کے بعد اسلام سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اللہ کے بارہ میں وہ دھوکے اور جہالت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور شیطان کے چنگل میں پھنس گئے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کر دیا تھا۔

إِنَّ الشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُۥ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ

شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔

میں تمہاری طرف خالد رضی اللہ عنہ کو مہاجرین و انصار اور ان کے تابعین کے ہمراہ بھیج رہا ہوں

میں نے خالد کو حکم دیا ہے کہ دعوت الی اللہ کے بغیر کسی سے برسرِ پیکار نہ ہو، جو اللہ کے دین میں داخل ہو کر عمل صالح کا مظاہرہ کرے تو اس کے ایمان و اسلام کو قبول کرے اور جو شخص راہِ انکار اختیار کرے، اسے مت چھوڑے بلکہ آگ میں جلا ڈالے اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے قیدی بنا لے"۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت خالدؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرما رہے تھے "اللہ کے تقویٰ کو ہر حال میں پیش نظر رکھو، ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے نرم سلوک کرنا، کیونکہ یہ سبقت لے جانے والے مہاجرین و انصار ہیں۔ ان سے ہمیشہ مشورہ کرتے رہنا اور ان کی مخالفت نہ کرنا، ہراول دستہ کو پہلے بھیج کر دشمن کے احوال و کوائف اور منازل کی تفتیش کر لیا کرو، اپنے ساتھیوں کو بہت زیادہ مشقت اور تھکاوٹ سے بچاؤ، اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اہل یمامہ کے مقابلہ میں کامیابی و ظفر مندی سے نوازے تو ان کے باقی ماندہ لوگوں کو اور کم کر دو ایسے اقدام سے گریز کرنا جس سے میرا سینہ ٹھنڈک محسوس نہ کرے، میرے عہد اور وصیت کو بغور سنو! جس مقام سے تمہیں اذان کی آواز سنائی دے، اس پر کبھی بھی حملہ نہ کرنا حتیٰ کہ تمہیں ان کے عقائد کے بارہ میں یقین نہ ہو جائے کہ وہ کیا ہیں!

یہ بات بھی کبھی فراموش نہ کرو کہ جیسے اللہ تعالیٰ کو تمہارے ظاہر کا علم ہے، باطن کا علم بھی ہے اور تمہاری رعایا بھی اسی طرح کے عمل کرے گی جیسا کہ تم کرو گے۔ اپنے لشکر کی نگہداشت کرو اور انہیں ان کاموں سے منع کرتے رہو جو ان کی بہتری کے نہ ہوں، کیونکہ جن کو تم قتل کرو گے درحقیقت اپنے اعمال سے قتل کرو گے امید ہے ان باتوں کو اگر پیش نظر رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دشمن کے خلاف فتح و نصرت سے شادکام فرمائیں گے، جاؤ! اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے"۔

حضرت خالدؓ کی بزاخہ کی طرف روانگی

حضرت خالدؓ نے جب بزاخہ کی طرف پیش قدمی فرمائی، تو حضرت عدی بن حاتمؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اور حضرت عدیؓ کے ساتھ خاندانِ طی کے ایک ہزار

افراد تھے، یہ لشکر جب مقام بزاخہ[1] پر فروکش ہوا تو پروگرام یہ طے پایا کہ جدیلہ پر چڑھائی کی جائے، جدیلہ خاندان طئی کی ایک چھوٹی شاخ تھی جو کہ مائل بہ ارتداد تھی۔ یاد رہے حضرت عدی کا تعلق بنوطئی کی ایک دوسری شاخ "غوث" سے تھا۔ مکنف بن زید الخیل نے جدیلہ کے لوگوں کو سمجھاتے ہوئے کہا کیا تم لوگ اپنی قوم کے لیے گالی بن جانا چاہتے ہو؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے کوئی بھی مرتد نہ ہوا۔ حضرت خالدؓ نے مقام بزاخہ پر جب جدیلہ پر چڑھائی کرنے کے بارہ میں حضرت عدیؓ سے مشورہ کیا تو حضرت عدیؓ نے جواب دیا "اے ابا سلیمان! (حضرت خالدؓ کی کنیت) آپ کیا پسند فرمائیں گے کہ میں آپ کی معیت میں اپنے دونوں ہاتھوں سے دادِ شجاعت دوں یا ایک ہاتھ سے؟ آپ نے فرمایا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ آپ اپنے دونوں ہاتھوں سے شجاعت کا مظاہرہ دکھائیں۔ تب حضرت عدیؓ نے عرض کیا جدیلہ میرا ایک ہاتھ ہے، اس کے خلاف مت لڑو، چنانچہ حضرت خالدؓ نے ان کے خلاف لڑائی کا پروگرام موقوف کر دیا

حضرت عدیؓ بنو جدیلہ کے پاس گئے اور انہیں دعوتِ اسلام دی، چنانچہ وہ سب مشرف بہ اسلام ہو گئے حضرت عدیؓ نے اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کیا اور ان سب کو لے کر حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت خالد نے جب انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو ساتھیوں کو ہتھیار سنبھال لینے کا حکم دیا۔ یہ لوگ لشکرِ اسلام کے قریب پہنچ کر ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے، حضرت خالدؓ نے ان کے پاس پہنچ کر انہیں خوش آمدید کہا، یہ سب لوگ معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم تو آپ کے تابع فرمان ہیں، جہاں آپ ارشاد فرمائیں جانے کے لیے تیار ہو جائیں گے، حضرت خالدؓ نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ فرمایا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے کوئی بھی مرتد نہ ہوا۔

حضرت خالدؓ نے پروگرام کے مطابق آگے کی طرف رختِ سفر باندھا تو حضرت عدیؓ عرض کرنے لگے کہ میری قوم کے افراد کو مقدمۃ الجیش بنا دیجیے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ گھمسان کے رن میں شاید یہ ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کر سکیں۔ اور

---

[1] بزاخہ، نباج کے پچھلی جانب ایک ٹیلہ تھا اور بقول بعض یہ بنو اسد یا بنو طئی کے ایک چشمہ کا نام تھا۔

خدانخواستہ اگر یہ پیچھے پلٹ آئے تو ہمارے سب ساتھی پلٹ آئیں گے لہذا مجھے ایسے افراد مقدمۃ الجیش میں شامل کرنے دیجیے جو بہادر ہوں اور قبل ازیں شجاعت و بسالت کے جوہر دکھا چکے ہوں۔

حضرت عدیؓ نے عرض کیا، آپ کی رائے بالکل درست ہے، لہذا مہاجرین و انصار ہی کو آگے بھیجیے۔ حضرت خالدؓ بقعاء سے لے کر یمامہ پہنچنے تک مسلسل ہراول دستوں کے ذریعے دشمن کے احوال و کوائف کی تفتیش کرتے رہے اور جاسوسوں کو آپ نے بطورِ خاص یہ ہدایت فرمائی کہ جب تم آبادیوں کے پاس سے گزرو تو اوقاتِ نماز کے قریب اذان سننے کی کوشش کرو، اذان کا سنائی دینا اس آبادی کے مسلمان ہونے کی دلیل ہوگا۔

حضرت خالدؓ کا لشکر جب طلیحہ اسدی کے قریب پہنچا تو آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اس کے لیے ایک خیمہ نصب کیا گیا ہے اور اس کے ساتھی اس کے گرد و پیش جمع ہیں، آپ نے اس سے قریباً ایک میل کی مسافت پر اپنے لشکر کے خیمے لگوا دیئے اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر چند صحابہ کے ہمراہ اس کی طرف روانہ ہو پڑے، طلیحہ کے لشکر کے قریب پہنچ کر آپ نے اسے آواز دی وہ جب باہر آیا تو آپ نے فرمایا ہمارے خلیفہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ سب سے پہلے تمہیں اس بات کی دعوت دیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کے بعد تمہیں اس دین کی طرف دوبارہ لوٹ آنے کی دعوت دیں، جس سے تم نکل آئے ہو لیکن طلیحہ نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

عیینہ بن حصن نے حضرت خالدؓ کی آمد سے قبل طلیحہ سے کہا تھا، تمہارا باپ نہ رہے! ہم اور تم نے وہ سب کچھ تو دیکھا جسے حضرت محمدؐ لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے تو کیا تم بھی اپنی نبوت کی کوئی نشانی دکھاؤ گے؟ اس نے بھی حضرت خالدؓ کے لشکر کے احوال و کوائف معلوم کرنے کے لیے اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے، جاسوسوں نے اسے حضرت خالدؓ کی آمد کی اطلاع دے دی تھی اور دوسرے لوگوں کو ابھی تک اس بارہ میں کوئی خبر نہ تھی۔ اب طلیحہ نے ان کے اس سوال کو غنیمت جانا اور جواب دیا، سنو! اگر تم دو گھوڑوں پر

سوار کر کے دو شہسواروں کو بھیجو، گھوڑے بھی سفید رو اور سفید ٹانگوں والے ہوں، اور شہسوار خاندانِ نصر بن قعین سے ہوں تو وہ تمہارے پاس اپنے جیسے ہی شہسواروں کی خبر لے کر آئیں گے"؛ چنانچہ انہوں نے جب اسی طرح کیا اور ان کے بھیجے ہوئے آدمیوں سے ملاقات ہو گئی اور انہوں نے واپس آ کر طلیحہ کی بات کی تصدیق کی تو اس طرح وہ اور بھی فتنہ میں زیادہ مبتلا ہو گئے۔

جب طلیحہ نے حضرت خالدؓ کی دعوت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، تو آپ اپنے لشکر میں واپس تشریف لے آئے اور اس رات پہرے کے لیے مکنف بن زید الخیل اور عدی بن حاتم کی ڈیوٹی لگائی سحری کے وقت آپ اٹھے، صحابہ کرام کو بیدار کیا، پرچم بندی کی اور سب سے بڑا پرچم حضرت زید بن خطابؓ کے سپرد کر دیا، انصار کا پرچم حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ اور بنو طی کا پرچم حضرت عدیؓ کے سپرد کر دیا گیا۔

طلیحہ کو جب حضرت خالدؓ کے لشکر کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو اس نے بھی اپنے لشکر کو مکمل تیاری کا حکم دے دیا حتی کہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو گئے تو طلیحہ نے اپنے لشکر میں سے چالیس گرانڈیل نوجوانوں کو نکال کر میمنہ پر متعین کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ اس زور سے شمشیر زنی کرو حتی کہ تم میسرہ تک پہنچ جاؤ؛ چنانچہ طلیحہ کے سپاہیوں نے خوب شمشیر زنی کی حتی کہ ان کا پلہ بھاری نظر آنے لگا۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو آواز دیتے ہوئے فرمایا "اے لشکر اسلام! اللہ اللہ کرو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو، یہ کہہ کر خود بھی دشمن کے لشکر میں گھس گئے، آپ کے رفقاء بھی دشمن پر ٹوٹ پڑے، حتی کہ گھمسان کا رن پڑ گیا، اسی اثناء میں بنو طی کے ایک فرد نے باآواز بلند کہا" اے خالد! کوہِ سلمیٰ و اجا کو اپنی پشت پر رکھو"۔ آپ نے بے ساختہ جواب میں فرمایا، بس اللہ ہی میرا ملجا و ماویٰ ہے اور پھر اس زور سے بھرپور حملہ کیا کہ ان چالیس میں سے ایک بھی نہ بچا، ہزیمت کے بعد لوگ دوبارہ پھر لوٹ آئے اور خوب معرکہ آرائی ہوئی جبال بن أبی جبال کو گرفتار کر لیا گیا صحابہ کرام کا ارادہ تھا کہ اسے صدیق اکبرؓ کی خدمت میں بھیج دیا جائے لیکن اس نے اصرار کیا کہ مجھے وہاں بھیجنے کے بجائے ابھی قتل کر

دو؛ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اسے قتل کر دیا۔

جب لڑائی زوروں پر تھی تو طلیحہ چادر اوڑھ کر لیٹ گیا، اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ شاید اس پر وحی نازل ہونے لگی ہے، جب انھوں نے کافی دیر انتظار کر لیا اور ان پر مزید انتظار گراں گزرنے لگا، ادھر مسلمانوں کی شجاعت و جوانمردی کے جوہر مزید نکھرنے لگے تو عیینہ طلیحہ کے پاس آیا اور کہنے لگا، تمہارا باپ مرے! کیا ابھی تک جبریل تیرے پاس نہیں آیا؟ طلیحہ نے جواب دیا "نہیں بخدا ابھی نہیں! تم پر سارا دن نحوستیں برستی رہیں یہ کہہ کر عیینہ واپس آ گیا اور پھر لڑائی میں مشغول ہو گیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی برانگیختہ کرنے لگا، جب اور بہت سا وقت گزر گیا تو عیینہ پھر طلیحہ کے پاس آیا جو ابھی تک اسی طرح چادر کو اوڑھے ہوئے تھا عیینہ نے اسے اچھی طرح جھنجھوڑا حتی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ عیینہ نے کہا "اللہ ایسی نبوت کا خانہ خراب کرے کیا ابھی تک تجھ سے کچھ نہیں کہا گیا؟ کہنے لگا ہاں میری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ "تمہاری چکی اسی کی چکی کی طرح ہے اور تمہارا معاملہ بھی ناقابل فراموش ہے"۔

عیینہ کہنے لگا "اے بنو فزارہ میرا خیال ہے کہ یہ بات اللہ کے علم میں ہے کہ تمہیں یقیناً ناقابل فراموش ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا آؤ واپس لوٹ چلیں بخدا! یہ تو کذاب ہے، جس چیز کا یہ باہم طالب ہیں اس میں ہرگز برکت نہ ہو گی؛ چنانچہ بنو فزارہ نے راہ فرار اختیار کر لی، ان کا تعاقب کیا گیا تو عیینہ کو تو گرفتار کر لیا گیا لیکن اس کا بھائی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

طلیحہ نے جب اپنے ساتھیوں کی بزدلی و دوں ہمتی کو دیکھا تو شکست خوردہ ہو کر بھاگ نکلا، اس کے ساتھی پوچھنے لگے "طلیحہ! ہمارے لیے کیا حکم ہے، اس نے اپنے گھوڑے کو تیار کیا، اپنی بیوی کو آواز دی، خود گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بیوی کو اپنے پیچھے بٹھا کر دم دبا کر بھاگ نکلا اور جاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا، تمہارے سوال کا یہ جواب ہے کہ جو میری طرح کر سکتا ہو وہ کر لے، پھر اس قدر تیز بھاگا کہ شام پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ بعض سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ جب اس نے اپنے ساتھیوں

کی شکست خوردگی کو دیکھا، تو پوچھا کہ تمہاری شکست کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ اس کے ساتھیوں کو اس سے پہلے موت آئے لیکن مسلمانوں میں سے ہر ایک کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں پر نثار ہو جائے۔

طلیحہ جب فرار ہو رہا تھا تو عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرم نے اس کا پیچھا کیا، عکاشہ نے اسے آواز دی تو اس نے پیچھے پلٹ کر اسے قتل کر دیا، اسی طرح اس نے ثابت کو بھی قتل کر دیا، پھر تعاقب کرتے ہوئے مسلمان طلیحہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے اور انہیں خوب تہ تیغ کیا اور باقی ماندہ کو گرفتار کر لیا، حضرت خالدؓ نے اس دن اعلان کر دیا کہ آج جو مسلمان بھی ہنڈیا چڑھائے یا پانی گرم کرے تو اسے چاہیے کہ ان میں سے کسی نہ کسی آدمی کے سر کو چولہے کا پایہ بنائے۔ اس حکم کو سننے کے بعد بنو اسد کا ایک آدمی چھلانگ لگا کر حضرت خالدؓ کی سواری پر ان کے پیچھے سوار ہو گیا اور کہنے لگا "خالد! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ خاندانِ مضر کی تباہی و بربادی تمہارے ہاتھوں نہیں ہونی چاہیے بلکہ جیسا آپ نے بنی سعد سے سلوک کیا تھا، اسی قسم کا سلوک کریں" حضرت خالدؓ نے سنتے ہی اعلان فرما دیا کہ جو شخص کھڑا ہو جائے اسے ہم امن دے دیں گے؛ چنانچہ اس اعلان کے ہوتے ہی سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ بنو عامر کو جب حضرت خالدؓ کے اس اعلان کا علم ہوا تو انہوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا۔

پھر حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ گڑھے کھود دیے جائیں، ان میں آگ جلا دی جائے جب تمیں شعلہ زن ہو چکی تو آپ نے حکم دیا کہ قیدیوں کو اس آگ میں پھینک دیا جائے۔ ان میں حامیہ بن سبیع بھی شامل تھا۔ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے صدقات کی فراہمی کے لیے بھی نامزد فرمایا تھا۔

طلیحہ کی ماں کو بھی گرفتار کیا گیا اور اسے اسلام کی دعوت دی گئی لیکن اس نے اسلام قبول کرنے کے بجائے لپک کر آگ کا ایک شرارہ پکڑ لیا اور کہا "اے موت تجھے خوش آمدید ہو جب میں نے کوئی اور چارہ کار نہ پایا تو موت بہ دل و جان کی ٹھان لی"

وہ ... کر دیا۔ ... کہ حضرت خالدؓ نے دشمن کے گرفتار قیدیوں کو گڑھوں میں

ڈال کر آگ جلا دینے کا حکم دیا تھا، جس سے وہ سب زندہ آگ میں جل گئے تھے، البتہ بنو فزارہ کے کسی آدمی کو نہیں جلایا گیا تھا۔ بعض اہل علم سے استفسار کیا گیا کہ حضرت خالدؓ نے مرتدین میں سے صرف انہیں کیوں آگ میں جلایا؟ تو انہوں نے جواب یہ دیا کہ انہوں نے نہایت نازیبا کلمات استعمال کیے تھے اور اپنے ارتداد پہ اصرار کیا تھا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں بھی بزاخہ میں حضرت خالدؓ کے ساتھ حاضر تھا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں طلیحہ کے مقابلہ میں کامیابی و کامرانی سے نوازا، ہم جب بھی کسی قوم سے برسرپیکار ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں فتح و نصرت عنایت فرماتے، عورتوں کو قیدی بنا لیتے اور مالِ غنیمت کو تقسیم کر لیتے تھے۔

بنی عامر کا دوبارہ اسلام قبول کرنا

بنو اسد اور فزارہ کو جب اللہ تعالیٰ نے بزاخہ میں شکستِ فاش سے دوچار کیا تو حضرت خالد نے اپنے جانباز سپاہیوں کو آگے کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا تاکہ وہ مرتدین کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں لیکن اس نامور سپہ سالارِ اسلام کی ترکتازیوں کو دیکھتے اور ان کی شمشیر آبدار کی کاٹ سے خوف کھاتے ہوئے قبائل عرب نے پھر سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان شروع کر دیا، کچھ لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں عرض کیا۔

"اب میں پھر خوشی خوشی اسلام کو قبول کرتا ہوں اور اپنے ارتداد سے رجوع کرتا ہوں"۔

بعض نے اس طرح کہا:۔

ہم رجوع تو نہیں کرتے لیکن اپنے مالوں کو حفاظت کے لیے آپ کے سپرد کرتے ہیں آپ جس قدر چاہیں لے لیں"۔

بعض حضرت خالدؓ کے پاس تو نہ آئے البتہ انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضری کو مناسب سمجھا۔

پھر حضرت خالدؓ نے طی کے مشہور پہاڑوں آجا اور سلمیٰ کا رخ کیا، یہاں عامر و

غطفان کے قبیلوں نے دخولِ اسلام کا اعلان کیا، توبہ کی اور اپنے علاقوں اور پانی کے چشموں کے لیے امان کی درخواست کی اور ساتھ ہی اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے فرائض سے بھی عہدہ برآ ہونے لگے۔ حضرت خالد﷜ نے انہیں امان دے دی اور ان سے پختہ عہد و میثاق لیا کہ ان کے بچے اور عورتیں بھی اس بات پر بیعت کریں گے سب نے بیک جنبش زبان اقرار کیا کہ ہاں ہاں ہم سب اس کے لیے تیار ہیں۔

حضرت خالد﷜ نے عیینہ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے حضرت ابوبکر صدیق﷜ کی خدمت میں بھیج دیا، یہاں مدینہ منورہ کے بچے چھڑیوں سے اسے چھیڑتے اور مارتے اور یہ کہتے کہ اے اللہ کے دشمن! کیا تو نے ایمان لانے کے بعد دوبارہ اللہ سے کفر کیا ہے؟ وہ جواب دیتا بخدا! میں تو کبھی بھی اللہ پر ایمان لایا ہی نہ تھا۔

بنی عامر اور دیگر مرتد ہونے والے قبائل میں سے جنہوں نے دوبارہ اسلام کو قبول کر لیا، حضرت خالد﷜ نے ان سے تمام ہتھیاروں کو پکڑ لیا اور مخفی ہتھیاروں کی بابت حلفیہ بیان لیے حلفیہ بیانات کے بعد انہیں چھوڑ دیا، اگر وہ ہتھیاروں کی بابت بتانے سے انکار کر دیتے تو ان پر سختی کی جاتی حتیٰ کہ وہ سب اسلحہ لا کر جمع کرا دیتے؛ چنانچہ اس طرح بکثرت ہتھیار جمع ہو گئے اور انہیں ان مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جو جہاد کے باعث ہتھیاروں کے ضرورت مند تھے البتہ ان کے اسلام کے استحکام کے بعد وہ ہتھیار دوبارہ انہی میں تقسیم کر دیئے گئے۔

یزید بن ابی شریک فزاری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اسد و غطفان کے وفد کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق﷜ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا فیصلہ کن لڑائی یا رسوا کن صلح میں سے ایک اپنے لیے پسند کر لو۔ انہوں نے عرض کیا فیصلہ کن جنگ سے تو ہم آشنا ہیں لیکن رسوا کن صلح کیا ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہ تم تسلیم کرو کہ ہمارے مقتول جنت میں جائیں گے لیکن تمہارے مقتول جہنم میں، تم نے جو ہم سے لیا ہے وہ ہمیں واپس کر دو لیکن ہم تمہاری کسی چیز کو واپس نہیں کریں گے تم ہمارے ہر مقتول کے عوض سو اونٹ بطور دیت دو گے، جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی

لیکن ہم تمہارے کسی مقتول کی دیت نہیں دیں گے۔

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے خلیفہ اور مومنوں کو دیکھے کہ وہ تمہارے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں یا پھر تم اسلام کی طرف لوٹ آؤ؟

خارجہ یہ سن کر کہنے لگا اے اللہ کے رسول کے خلیفہ آپ درست فرماتے ہیں ہم یہ سب باتیں تسلیم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "اللہ کے عہد و میثاق کی بھی پابندی کرو دن اور رات کی تمام گھڑیوں میں قرآن مجید کو پیش نظر رکھو اور اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی قرآن مجید کی تعلیم دو اور اللہ تعالیٰ نے مالوں میں سے جو کچھ خرچ کرنا فرض قرار دیا ہے، اس کی ادائیگی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو"۔ سب نے کہا ٹھیک ہے ہمیں اس سے مکمل اتفاق ہے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا بالکل بجا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں ہمارے مقتولوں کی دیت بھی دینا پڑے گی کیونکہ وہ سب راہِ خدا میں شہید کیے گئے ہیں۔ دوسرے لوگوں نے بھی حضرت عمرؓ کی زبردست تائید کی، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کے گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ جو ہاتھ آئے سب پکڑ لیے۔ جب صدیق اکبرؓ دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت عمر فاروقؓ خلیفۃ المسلمین بنے تو آپ نے محسوس فرمایا کہ اب اسلام کو استحکام نصیب ہو گیا ہے لہٰذا آپ نے وہ سب کچھ واپس لوٹا دیا، جو کسی سے لیا گیا تھا، ان میں سے اگر کوئی فوت ہو گیا تھا، تو اس کے وارثوں کو دے دیا گیا۔

حضرت خالدؓ کی یمامہ کی طرف روانگی

حضرت خالدؓ جب بنو اسد اور بنی عامر سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اس بات کا اظہار فرمایا کہ مجھے حضرت صدیق اکبرؓ نے حکم دیا تھا کہ ادھر سے فارغ ہونے کے بعد بنو تمیم اور یمامہ کا رخ کروں۔ یہ سن کر قائد انصار ثابت بن قیس کہنے لگے کہ ہم سے تو صدیق اکبرؓ نے اس کے بارے میں کوئی بات نہ کی تھی اور نہ ہمیں ان سے مقابلہ کی حماقت ہے، مسلمان تھکے ہوئے ہیں اور ان کی سواریاں بھی کمزور ہو گئی ہیں حضرت

خالدؓ نے فرمایا میں کسی کو مجبور نہیں کرتا اور ان لوگوں کو لے کر آگے بڑھ گئے جنہوں نے خوش دلی سے آپ کے ساتھ جانے پر آمادگی کا اظہار کیا تھا۔

ایک دو دن تک تو انصار رکے رہے اور پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے بخدا! ہم نے اچھا کام نہیں کیا کیونکہ اگر ہمارے مسلمان بھائیوں کو شکست ہو گئی تو لوگ کہیں گے کہ تم نے انہیں ذلیل و خوار کیا ہے اور عار کا یہ ایک ایسا دھبہ ہو گا جو کبھی نہ مٹ سکے گا اور اگر مسلمان فتح و نصرت سے سرفراز ہوئے تو یہ ایک ایسی خیر و برکت ہو گی جس سے تم اپنے آپ کو محروم کر رہے ہو لہذا فوراً حضرت خالدؓ کی خدمت میں پیغام بھیجو کہ وہ تمہاری آمد تک پیش قدمی کو موقوف رکھیں چنانچہ حضرت خالدؓ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ان بچھڑ والے بھائیوں کا استقبال کیا۔

اب یہ سارا لشکرِ اسلام حضرت خالدؓ کی قیادت میں سوئے منزل رواں دواں ہوا حتی کہ بنو تمیم کے علاقے میں مقامِ بطاح پر جا کر فروکش ہو گیا لیکن وہاں دشمن کے کسی لشکر کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے اپنے مجاہدین کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر کے مقامِ بطاح کے گرد و نواح میں پھیلا دیا۔ ایک گروہ کو بنو حنظلہ کے علاقے میں بھی بھیجا گیا، جن کا سربراہ مالک بن نویرہ تھا۔ مالک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم سے صدقات کی فراہمی کے لیے بھیجا تھا، اس نے صدقات وغیرہ جمع کر لیے تھے کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ملی تو اس نے سب لوگوں کو جمع کیا اور جس کسی سے جو کچھ لیا تھا وہ اسے واپس کر دیا اور کہا آپؐ تو دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ اب دیکھیں گے کہ آپ کے قائم مقام کون ہو گا؟ اگر وہ تم سے راضی ہو گیا تو اس کی اتباع کر لیں گے وگرنہ نہیں، اکثریت نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ البتہ بنو یربوع کے سردار تعنب نے اس کی مخالفت کی اور کھڑے ہو کر کہا اے بنی تمیم! تم اپنے صدقات کو واپس نہ لو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی نعمتیں چھین لے گا، اللہ تعالیٰ نے جب تمہیں خیر و عافیت سے نواز رکھا ہے تو

آفتوں اور بلاؤں کو طلب نہ کرو، جب تم اسلام کے گہوارۂ امن میں بس رہے ہو تو کفر کے خوف کو تلاش نہ کرو۔ تم نے بہت سے مال میں سے یہ تھوڑا سا حصہ راہ خدا میں پیش کیا ہے۔ اب اگر تم اسے واپس لے لو گے تو اس تھوڑے سے مال کے عوض اللہ تعالیٰ بہت زیادہ لے جائے گا اور تمہارے اموال پر کل ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو سب کچھ چھین کر لے جائیں گے اور اگر تم ان سے مقابلہ کرو گے تو وہ تمہیں تہہ تیغ کر دیں گے لہذا اللہ کی اطاعت کرو اور مالک کی نافرمانی کرو۔

مالک نے یہ سن کر کہا "اے بنی تمیم! میں نے تو تمہاری توقیر کرتے ہوئے تمہارا مال واپس لوٹائے تھے۔ مجھے خطرہ ہے کہ تم میں سے کوئی نہ کوئی میری بات کی مخالفت کرتا ہی رہے گا۔ واللہ! مجھے مال کی کوئی زیادہ حرص نہیں، نہ میں موت سے زیادہ ڈرتا ہوں، قیام کی حالت میں کوئی مخفی رہنے والا نہیں اور نہ ہی بھاگنے کی حالت میں کوئی پوشیدہ رہنے والا ہوں"۔ مالک کی یہ باتیں سننے کے بعد وہ سب اس کے فیصلے پر راضی ہو گئے اور اسے اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے مالک نے یہ اشعار کہے تھے ۔

وقال رجال سددوا اليوم مالك　　وقال رجال مالك لم يسدد

کچھ لوگوں نے کہا مالک کی آج کی رائے درست ہے اور کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ مالک کی رائے درست نہیں ہے۔

فقلت دعوني لا أبا لأبيكم　　فلم أخط رأيا في المعاد ولا المبد

میں نے کہا مجھے چھوڑ دو تمہارے باپ کا باپ نہ ہو میں نے کل اور آج کے بارہ میں کبھی بھی رائے میں خطا نہیں کی۔

فدونكموها إنها صدقاتكم　　مصررة أخلافها لم تجرد

میں نے کہا تم اپنے صدقات کے ان جانوروں کو لے لو جن کے تھن باندھ دیئے گئے ہیں اور ان کے بچوں کو کھولا نہیں گیا۔

ساجعل نفسي دون ما تحذرونه　　فأرهنكم يوما بما قلت يدي

جس بات سے تم ڈرتے ہو میں اس پر اپنی جان نثار کر دوں گا اور جس دن میرا ہاتھ تنگ ہو گیا تو میں تمہیں رہن رکھ دوں گا۔

فان قام بالأمر المخوف قائم اطعنا وقلنا الدین دین محمد

اگر اس امر کے لیے کوئی قائم مقام کھڑا ہوا تو ہم بھی اطاعت کر لیں گے اور کہیں گے کہ سچا دین تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اور مسلمانوں کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ بہت غضبناک ہوئے حضرت خالدؓ نے تو اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا کہ اگر اسے پکڑنے میں وہ کامیاب ہو گئے تو اس کی کھوپڑی کو ہنڈیا کے چولہے کا پایہ بنائیں گے؛ چنانچہ باہمی مشورہ کے بعد مسلمان مالک اور اس کی قوم کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گئے اور طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی وہاں جا پہنچے۔ مالک کی قوم نے جب انہیں دیکھا تو فوراً اپنے ہتھیاروں کی طرف لپکے اور پوچھنے لگے تم کون ہو؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا "ہم اللہ کے مسلمان بندے ہیں" تو انہوں نے کہا ہم بھی اللہ کے مسلمان بندے ہیں، صحابہؓ نے کہا اچھا پھر ہتھیاروں کو نیچے رکھ دو، جب انہوں نے ہتھیاروں کو نیچے رکھ دیا تو صحابہ کرامؓ انہیں حضرت خالدؓ کے پاس لے آئے۔

ابوقتادہ نے جو کہ لشکر اسلام میں تھے حضرت خالدؓ سے پوچھا کیا آپ ان لوگوں سے لڑائی کریں گے؟ حضرت خالدؓ نے اثبات میں جواب دیا تو ابوقتادہ نے کہا، انہوں نے اسلام کی آڑ لے کر اپنا بچاؤ کر لیا ہے، ہم نے اذانیں دیں تو انہوں نے بھی اذانیں شروع کر دیں، ہم نے نمازیں پڑھیں تو انہوں نے بھی نمازیں شروع کر دیں اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ جس جگہ تم نماز کے لیے اذان سنو تو رک جاؤ حتیٰ کہ تمہیں وہاں کے باشندوں کے جرم کا علم نہ ہو جائے اور تم یہ معلوم نہ کر لو کہ وہ کیا چاہتے ہیں ہاں اگر تم اذان نہ سنو تو پھر حملہ کر سکتے ہو، قتل کر سکتے ہو اور آگ میں بھی جلا سکتے ہو۔

حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور مالک کے سر کی کھوپڑی کو چولہے کا پایہ بنایا جائے۔ مالک کے بھائی متمم نے اپنے بہت سے قصائد

میں اس کا مرثیہ کہا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ متمم سے کہا میری خواہش ہے اسے کاش میں بھی اپنے بھائی زید کا ایک ایسا مرثیہ کہتا جیسا کہ تم نے اپنے بھائی کے مرثیے کہے ہیں۔ متمم نے کہا اگر مجھے معلوم ہو کہ میرا بھائی بھی وہاں گیا ہے، جہاں تمہارا بھائی گیا ہے تو میں کبھی بھی مرثیہ نہ کہتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا متمم سے بڑھ کر اور کسی نے مجھ سے میرے بھائی کی تعزیت نہیں کی۔

اہل یمامہ کا ارتداد

حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بے شمار عرب وفود حاضر ہوئے لیکن یمامہ کے وفد سے زیادہ سنگ دل اور اسلام سے برگشتہ کوئی وفد نہ تھا، مسیلمہ خود بھی وفد میں شامل تھا۔ جب یہ وفد واپس یمامہ گیا تو مسیلمہ نے دعویٰ کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نبوت میں شریک کر لیا ہے اور پھر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خط لکھا کہ۔

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ اما بعد! مجھے بھی آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کر دیا گیا ہے، نصف زمین ہمارے لیے ہے اور نصف قریش کے لیے لیکن قریش حد اعتدال سے تجاوز کرنے والی قوم ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خط کے جواب میں لکھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام، اما بعد! زمین تو ساری خدا کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بناتا ہے اور اچھا انجام نیک لوگوں ہی کا ہوگا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس دشمن خدا کی ضلالت و سرکشی بہت بڑھ گئی، بنو حنیفہ کے اکثر لوگوں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی، صرف چند عقلمند لوگ تھے جنہوں نے مسیلمہ کی نبوت کو تسلیم نہ کیا۔ یمامہ والوں کے لیے سب سے زیادہ باعث فتنہ یہ بات بنی کہ رجال بن عنفوہ نے شہادت دے دی کہ فی الواقع آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کو اپنی نبوت میں شریک کر لیا تھا۔ رجال اس وفد میں شریک تھا جو آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تھا، اس نے قرآن مجید کو پڑھا اور سنن کو سیکھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ وفد میں اگرچہ سب سے افضل تھا لیکن اہل یمامہ کے لیے سب سے زیادہ باعث فتنہ ثابت ہوا کیونکہ اس نے سب کچھ جانتے بوجھتے کیا تھا۔

رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ رجال بظاہر بڑے خشوع وخضوع سے عبادت کرتا۔ قرآن مجید کی تلاوت اور نیکی کے کام بڑی باقاعدگی سے کرتا، ادھر اتنی زبردست فتنہ انگیزی اور ادھر یہ عبادت وتلاوت بڑی عجیب وغریب بات ہے۔

ابن عمر یشکری یمامہ کے اشراف میں سے تھا۔ رجال کا دوست تھا اور درپردہ سچا مسلمان تھا، اس نے کچھ اشعار کہے جو کہ عورتوں اور بچوں کی زبان پر بھی عام ہو گئے اور وہ یہ تھے ؎

یا سعادۃ الفؤاد بنت أثال　　طال لیلی بفتنة الرجال

اے سعادۃ الفؤاد بنت اثال! میری رات رجال کے فتنہ کے باعث بہت دراز ہو گئی ہے۔

انھا یا سعاد من حدث الدھر　　علیکم کفتنة الرجال

اے سعاد! رجال کے فتنہ کی طرح تمہیں حوادث زمانہ میں سے ایک عجیب حادثہ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

فتن القوم بالشھادۃ　　واللہ عزیز ذو قوۃ ومحال

رجال کے شہادت دینے کی وجہ سے قوم فتنہ میں مبتلا ہو گئی۔ رجال یاد رکھو! اللہ تعالیٰ بہت غالب اور طاقت وقوت والا ہے۔

لا یساوی الذی یقول من الا　　مر قبالا وما احتذی من قبال

یہ جو انسان نبوت کا مدعی ہے، اسے کچھ بھی سچے نبی کے ساتھ مشابہت نہیں

ان دینی دین النبی وفی القو　　م رجال علی الھدی أمثالی

میرا دین تو وہی ہے جو نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے اور میری طرح قوم کے اور بھی بہت سے افراد ہدایت پر ہیں۔

اھلک القوم محکم بن طفیل　　ورجال لیسوا لنا برجال

محکم بن طفیل نے قوم کو ہلاک کر دیا اور کچھ دوسرے آدمیوں نے بھی جو ہمارے نزدیک آدمی ہی نہیں ہیں۔

بزّ أمرهم مسیلمة الیوم　　فلن یرجعوه أخری اللیالی

آج مسیلمہ نے زبردستی قوم کی سربراہی کو حاصل کر لیا ہے اور یہ لوگ کبھی بھی اسے معزول نہ کر سکیں گے۔

قلت للنفس اذ تعاظمها الصبر　　وساءت مقالة الأنذال

جب صبر کا یارانہ رہا اور رذالوں کی بری باتیں شدت اختیار کر گئیں تو میں نے نفس سے یہ کہا۔

ربما تجزع النفوس من الأمر　　له فرجة کحل العقال

بسا اوقات نفوس کسی امر کی وجہ سے گھبراہٹ محسوس کرتے ہیں لیکن اونٹ کی رسی کھل جانے کی طرح بالآخر مصیبتیں بھی چھٹ جاتی ہیں۔

ان تکن منیتی علی فطرة　　الله حنیفا فاننی لا أبالی

اگر دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی پیدا کردہ فطرت پر مجھے موت آئے تو کچھ پرواہ نہیں۔

مسیلمہ، محکم اور یمامہ کے دیگر سرکردہ لوگوں کو جب ابن عمر کے ان اشعار کا علم ہوا تو انہوں نے اسے طلب کیا، لیکن یہ ان سے لڑتے جھگڑتے حضرت خالدؓ کے پاس جا پہنچے، ان کے احوال سے مطلع کیا اور خفیہ باتوں کی نشاندہی کر دی۔

بنو حنیفہ اس کذاب کی بدولت ایک عظیم فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے، یہ مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعا کرتا، نومولود بچوں کے سر پر بزعم خود تبرک کے لیے ہاتھ پھیرتا لیکن خیر و برکت کے بجائے نامرادی و ناکامی ہی کا ظہور ہوتا اور بنو حنیفہ اس قدر مبتلائے فریب تھے کہ سمجھنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ اس کذاب نے ایک نومولود بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا

تو وہ گنجا ہو گیا حتی کہ آگے اس کی اولاد میں بھی ہر ایک گنجا ہی پیدا ہوتا رہا۔ اسی طرح اس کذاب کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا میں بہت صاحب ثروت ہوں لیکن میرا ہر بچہ دو سال کی عمر میں فوت ہو جاتا ہے البتہ یہ بچہ دس سال کی عمر تک پہنچا ہے۔ یا پھر ایک بچہ کل پیدا ہوا ہے، میری خواہش ہے کہ برکت کی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں درازِ عمر عطا فرمائے۔ مسیلمہ نے کہا میں ضرور ایسا کروں گا۔ وہ آدمی بہت خوش خوش گھر کی طرف لوٹا لیکن جا کر کیا دیکھتا ہے کہ بڑا بچہ کنوئیں میں گر گیا ہے اور چھوٹا موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے بالآخر وہ دونوں ہی فوت ہو گئے اور ان کی ماں نے واویلا کرتے ہوئے کہنا شروع کیا "واللہ! ابوثمامہ کو اپنے خدا کے ہاں وہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے خدا کے ہاں نصیب ہے"۔

بنو حنیفہ نے ایک کنواں کھودا جس کا پانی قدرے میٹھا تھا، وہ مسیلمہ کے پاس آئے تاکہ وہ برکت کی دعا کرے، مسیلمہ نے اس کنوئیں میں تھوک دیا لیکن وہ میٹھا ہونے کے بجائے شدید نمکین اور کڑوا ہو گیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالدؓ کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ اسد و غطفان اور ضاحیہ سے فراغت کے بعد یمامہ کا قصد کرنا اور اس سلسلہ میں بڑی تاکید فرمائی، حضرت خالدؓ کو ان علاقوں میں اللہ تعالیٰ نے جب فتح و نصرت سے نوازا تو بعض لوگ مدینہ طیبہ چلے گئے تاکہ صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر جا کر بیعت کر سکیں، صدیق اکبرؓ نے فرمایا میں نے تمہاری بیعت قبول کر لی اور میرا حکم یہ ہے کہ تم فوراً خالدؓ کے پاس پہنچ جاؤ، جن کے بارہ میں خالدؓ مجھے لکھیں گے کہ وہ یمامہ میں حاضر ہو گئے ہیں حقیقی بیعت ان کی ہو گی، تم میں سے جو لوگ حاضر ہیں، وہ غائب لوگوں تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ انہیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔

ابن جہم کہتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کے پاس جانے والے وہی لوگ تھے، جن کی وجہ سے یمامہ کے دن مسلمانوں کو تین بار نقصان پہنچا، مسلمانوں کے لیے وہ بہت زیادہ باعثِ مصیبت ثابت ہوئے۔

شریک فزاری کہتے ہیں کہ میں بھی عیینہ بن حصن کے ساتھ بزاخہ میں حاضر تھا، پھر اللہ تعالیٰ

نے مجھے انابت کی توفیق بخشی، میں صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا لیکن آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں فوراً حضرت خالدؓ کے پاس چلا جاؤں اور حضرت خالدؓ کے لیے مجھے یہ خط بھی لکھ کر دیا۔

"امابعد! میرے پاس آپ کا خط پہنچا جس میں آپؓ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسد و غطفان میں فتح و نصرت عطا فرمائی ہے اور اب آپ یمامہ کی طرف جا رہے ہیں، اللہ وحدہ لاشریک سے ہر حال میں ڈرتے رہو، اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرو، ان کے لیے بمنزلۂ باپ کے بن کے رہو۔ اے ابن الولید! بنو مغیرہ کی نخوت سے اپنے آپ کو بچاؤ، بنو حنیفہ پر ہر حال میں نظر رکھو، کوئی قوم ان سے مشابہت نہیں رکھتی ہے، یہ جہاں بھی ہوں آپ کے مخالف ہیں، یہ وسیع سرزمین کے مالک ہیں، جب آپ کہیں پیش قدمی کریں تو ہر کام کی قیادت خود کریں، اپنے ساتھیوں میں سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرتے رہو، ان کے مقام و مرتبہ کو کبھی فراموش نہ کرو، جب کسی دشمن قوم سے مقابلہ ہو تو ان لوگوں کو آگے کرو جو مقابلہ کی چوٹ ہوں، اگر اللہ تمہیں فتح و نصرت سے نوازے تو دشمن پر کبھی رحم نہ کرو، زخمیوں کو مار ڈالو، ان کے سربراہ کو طلب کرو، قیدیوں کو تہہ تیغ کر دو، قتل و غارت کا بازار گرم کر دو، آگ سے ڈراؤ اور میرے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو۔

والسلام

اہل یمامہ تک جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت خالدؓ ان کی طرف آرہے ہیں، تو وہ انتہائی حیران و پریشان ہوئے، ان کے سربراہ محکم بن طفیل نے بطور خاص جزع و فزع کا اظہار کیا اور اسلام کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اس پر ضلالت کا غلبہ ہو گیا۔ محکم، زیاد بن لبید انصاریؓ کا دوست تھا۔ حضرت خالدؓ نے ان سے کہا کہ اگر آپ محکم کو کسی طرح قابو کر لیں تو ہمیں بہت فائدہ پہنچے کیونکہ وہ اپنی قوم کا سردار ہے اور لوگ اس کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں، چنانچہ زیاد نے محکم کی طرف یہ اشعار لکھ بھیجے ؎

یا محکم بن طفیل قد أتیح لکم ... للہ در أبیکم حیۃ الوادی

اے محکم بن طفیل! خدا تمہارے باپ کا بھلا کرے، حیۃ الوادی کو تمہارے سپرد کر دیا گیا ہے۔

یا محکم بن طفیل إنکم نفر ... کالشاء أسلمھا الراعی لآساد

اے محکم بن طفیل! تم ان بکریوں جیسا گروہ ہو، جن کے چرواہے نے انہیں شیروں کے سپرد کر دیا ہو۔

ما فی مسیلمۃ الکذاب من عوض ... من دار قوم وإخوان وأولاد

مسیلمہ کذاب کے عوض گھر بار، بھائیوں اور اولاد کو نثار نہیں کیا جا سکتا۔

فاکفف حنیفۃ عنہ قبل نائحۃ ... تنعی فوارس قوم شجوھا بادی

اے بنو حنیفہ رک جاؤ قبل اس کے کہ نوحہ کرنے والی کو قوم کے شہسواروں کے ہلاک کرنے والے غمگین کر دیں۔

لا تأمنوا خالدا بالبرد معتجرا ... تحت العجاجۃ مثل الأغطف العادی

خالد سے بے خوف نہ ہو جاؤ جو کہ جنگ کی گردوغبار میں بھی مستقل آرام و آسائش کی مانند چادر اوڑھے ہوئے ہے۔

ویل الیمامۃ ویل لا فراق لہ ... ان جالت الخیل فیھا بالقنا الصادی

یمامہ کے لیے بلاکت ہو، ایسی ہلاکت جو کبھی ختم نہ ہوگی اور اب تو سخت پیاسے نیزوں کے ساتھ گھوڑے چکر لگائیں گے۔

واللہ لا تنثنی عنکم أعنتھا ... حتی تکونوا کأھل الحجر أو عاد

واللہ نیزے اس وقت تک تمہیں نہ چھوڑیں گے جب تک تم حجر اور عاد کے باشندوں کی طرح نہ ہو جاؤ گے۔

یہ اشعار محکم کے پاس پہنچے تو اسے بتایا گیا کہ خالدؓ مسلمانوں کے لشکر کو لے کر آرہا ہے محکم نے کہا خالدؓ نے جس چیز کو پسند کیا ہے، ہم نے اس کے علاوہ ایک اور چیز کو پسند کیا ہے۔ خالدؓ اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ بنی حنیفہ میں ایک ایسا انسان ہے، جسے

نبوت میں شریک بنا دیا گیا ہے؟ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہم ان جیسے نہیں جن سے آج تک اس کی لڑائی ہوتی رہی ہے، پھر اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"تم ایسی قوم سے لڑائی کرو گے جس کے افراد اپنے قائد پر جان نثار کر دیتے ہیں لہٰذا تم بھی اپنے سربراہ پر جان نثار کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

عمیر بن ضابی نامی ایک شخص حضرت خالدؓ کے ساتھیوں میں سے تھا، جس کا تعلق اہل حجر سے نہیں بلکہ اہل ملہم سے تھا، حضرت خالدؓ نے اسے حکم دیا کہ اپنی قوم کے پاس جاؤ اور ان کی ہمت کو پست کر دو؛ چنانچہ وہ قوم کے پاس جا کر کہنے لگے "اے یمامہ والو! خالدؓ مہاجرین و انصار کا لشکر لیے ہوئے تم پر سایہ فگن ہے۔ بخدا! میں ان کے پاس سے آیا ہوں تو وہ بیعت کر رہے تھے کہ مر جائیں گے یا یمامہ فتح کر کے رہیں گے۔ اسد و غطفان سے وہ نبٹ آئے ہیں اور اب تم ان کی ہتھیلیوں میں ہو، ان میں سے ہر ایک کی زبان پر لا قوۃ الا باللہ کا نعرہ تھا اگر تم صبر کے ساتھ غالب آؤ گے تو وہ فتح و نصرت کے ساتھ غالب آئیں گے، اگر تم زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے غالب آؤ گے تو وہ موت کو ترجیح دیتے ہوئے تم پر غلبہ حاصل کریں گے۔ اگر تم تعداد کے بھروسے غالب آنا چاہو گے تو وہ اللہ کی امداد کے ذریعہ غالب آجائیں گے، تم اور وہ ہرگز ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، اسلام آنے والا ہے اور شرک بھاگ جانے والا ہے۔ ان کا سربراہ نبی تھا جب کہ تمہارا قائد کذاب ہے، مسلمان خوش و خرم رہنے والے ہیں جب کہ تمہارے پاس غرور کے سوا کچھ نہیں، اب تو تلوار نیام میں اور تیر ترکش میں ہے، تمہارے لیے بہتر ہے کہ تلوار کے نیام اور تیر کے ترکش سے باہر آنے سے پہلے ہی سنبھل جاؤ۔"

اہل یمامہ نے ایک بات بھی نہ سنی، اس کی تکذیب کی اور اس پر تہمتیں تراشیں۔ ثمامہ بن اثالؓ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد کھڑے ہو کر کہا۔

"میری بات سنو اور اطاعت کرو، راہِ ہدایت پاؤ گے، ایک ہی بات کو لے کر دو نبی جمع نہیں ہوا کرتے بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور

نہ ہی کسی نبی کو آپ کے ساتھ معبوث کیا گیا ہے، ذرا غور تو کرو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام نازل ہوا وہ اس طرح کا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حٰمٓ۔ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ۔

اور مسیلمہ کذاب جس کے کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اس طرح کا ہے۔

یا ضفدع یا ضفدعین، نقی لحکم تنقین، نصفك فی الماء ونصفك فی الطین، لا الشراب تمنعین ولا الماء تکدرین ولا الطین نفارقین لنا نصف الارض ولقریش نصفها ولکن قریشا قوم یعتدون

تم انصاف سے کہو ان میں کوئی نسبت ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ تم برملا کہو گے کہ یہ کلام جسے مسیلمہ کلام الٰہی کہہ رہا ہے، اسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے کسی بھی پاک سرچشمہ سے صادر ہونے والا کلام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم امر نبوت کے صحیح معنوں میں مستحق تھے، ایک دفعہ آپ کے ساتھیوں نے مجھے پکڑ لیا تھا، حالانکہ آپؐ کا ہمارے ساتھ کوئی معاہدہ تھا اور نہ ہم ذمی تھے لیکن پھر بھی آپؐ نے مجھے معاف کر دیا تھا، میں اس قدر گرویدہ ہوا کہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ آپؐ نے مجھے بیت اللہ شریف جانے کی بھی اجازت دے دی تھی، آپؐ کے وصال کے بعد جو شخص مسلمانوں کا خلیفہ بنا ہے، وہ اپنے دین کی ان سب سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے اللہ کے بارہ میں کسی ملامت کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا، اسی خلیفہ نے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجا ہے، جسے اپنے یا اپنے باپ کے نام سے نہیں بلایا جاتا، بلکہ اسے سیف اللہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے، اس کے ساتھ اور بھی اللہ کی بہت سی تلواریں ہیں لہٰذا تم اپنے بارے میں بخوبی غور کر لو۔"

ثمامہؓ کی یہ باتیں سننے کے بعد اہل یمامہ نے انہیں بہت سی تکلیفیں پہنچائیں۔ اسی ضمن میں حضرت ثمامہؓ نے کچھ اشعار بھی کہے تھے ؎

مسیلمۃ ارجع ولا تمحک   فانک فی الامر لم تشرک

مسیلمہ واپس لوٹ جاؤ اور جھگڑا لو نہ بنو تجھے ہرگز امر نبوت میں شریک نہیں کیا گیا۔

کذبت علی اللہ فی وحیہ   وکان ہواک ہوی الانوک

تو نے اللہ کی وحی کے سلسلہ میں جھوٹ بولا ہے تیری خواہش تو ایک بیوقوف کی خواہش ہے

ومناک قومک ان یمنعوک   وان یأتہم خالد تترک

تیری قوم نے تجھے حفاظت کا یقین دلایا ہے لیکن یاد رکھ کہ جب خالدؓ آ گیا تو تجھے تنہا چھوڑ دیا جائے گا۔

فمالک من مصعد فی السماء   وما لک فی الارض من مسلک

نہ تو آسمان میں تیرے لیے چڑھنے کی جگہ ہو گی اور نہ زمین تجھے راستہ دے گی۔

مقدمۃ الجیش کی روانگی

حضرت خالدؓ جب مقام بطاح سے روانہ ہوئے اور بنو تمیم کا قصد کیا تو آپ نے ہراول دستہ کے طور پر دو سو شہسواروں کا ایک دستہ معن بن عدی کی قیادت میں آگے بھیج دیا اور حالات کی صحیح صورت معلوم کرنے کے لیے ان سے بھی پہلے دو جاسوس روانہ کر دیئے۔ البتہ واقدی نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت خالدؓ نے مقام عرض پر آ کر دو سو شہسواروں کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ جن لوگوں کو تم پاؤ پکڑ لو؛ چنانچہ انہوں نے مجاعہ بن مرارہ کو پکڑ لیا جو کہ اپنی قوم کے ان تئیس افراد کے ساتھ تھا جو کسی آدمی کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ اور انہیں حضرت خالدؓ کی آمد کا کوئی علم نہ تھا۔ انہوں نے مجاعہ کے ساتھیوں سے پوچھا کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا تعلق بنو حنیفہ سے ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ مسیلمہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسے اللہ کا رسول سمجھتے ہیں پھر انہوں نے مجاعہ سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مجاعہ نے جواب دیا کہ میں تو مسیلمہ کے پاس نہیں گیا بلکہ میں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دے کر اسلام کو قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد مجھ میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی، حضرت خالدؓ نے تمام اہل یمامہ

کی گردنیں اڑا دیں حتیٰ کہ جب ساریہ بن عامر باقی رہ گیا تو اس نے کہا "خالد! اگر اہل یمامہ کے ساتھ کسی اچھائی یا برائی کا ارادہ ہے تو جو چاہو کرو لیکن مجاعہ کو قتل نہ کرو۔ مجاعہ شریف آدمی تھا؛ چنانچہ حضرت خالدؓ نے اسے قتل نہ کیا، اسی طرح آپ نے ساریہ کو بھی قتل نہ کیا۔ آپ نے ان دونوں کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ ساریہ گرفتاری کے ایام میں مجاعہ کے ساتھ گفتگو کرتا رہتا تھا اور اسے گمان تھا کہ حضرت خالدؓ اسے بھی ضرور قتل کر دیں گے، مجاعہ نے ایک دفعہ اس سے دوران گفتگو کہا کہ میں تو مسلمان تھا، بخدا میں نے کفر بھی نہیں کیا اور نہ پھر اپنی ساری پہلی بات دوہرائی، حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ قتل کرنے اور نہ کرنے کے درمیان بھی ایک درجہ ہے، جسے قید کرنا کہتے ہیں تو اس وقت تک ہم تمہیں قید میں رکھیں گے جب تک اللہ ہماری اس لڑائی کو کسی فیصلہ کن موڑ تک نہیں پہنچا دیتے اور پھر اسے اپنی بیوی ام متمم کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ اس قیدی سے اچھا سلوک کرنا۔ مجاعہ نے کہا اے خالدؓ! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام پر بیعت کی تھی، کل جو میرا دین تھا آج بھی وہی ہے، اگر ہماری قوم سے ایک کذاب نے دعویٰ نبوت کیا ہے، تو اس میں میرا کیا قصور؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى ۔ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

حضرت خالدؓ نے فرمایا "مجاعہ! تم اس دین کو چھوڑ بیٹھے ہو، جس سے کل وابستہ تھے، اس کذاب کے معاملہ میں سکوت اختیار کرنا، جب کہ تم یمامہ کے ایک نہایت معزز انسان ہو اور تمہیں میری آمد کا بھی علم ہو گیا تھا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تم اس کی نبوت کا اقرار کرنے ہو اور جس بات کو وہ پیش کرتا ہے تم اس پر راضی ہو تو کیا تم نے اس سلسلہ میں کوئی عذر پیش کیا؟ تم نے ثمامہ اور یشکری کی طرح اس کی نبوت کا انکار کیوں نہ کر دیا؟ اگر تم یہ کہو مجھے اپنی قوم کی طرف سے جان کا خطرہ تھا، تو میرے پاس کیوں نہ آ گئے یا میری طرف کوئی قاصد کیوں نہ بھیج دیا؟

مجاعہ نے کہا اگر آپ ان تمام باتوں سے درگذر فرمائیں تو؟ حضرت خالدؓ نے فرمایا میں جان بخشی تو کرتا ہوں لیکن تمہیں چھوڑنے پر میرے نفس میں کچھ قلق و اضطراب سا ہے؟

ایک دن حضرت خالدؓ نے مجاعہ سے کہا کہ کچھ سناؤ تو سہی کہ تمہارا ساتھی کیا پڑھا کرتا ہے؟ کیا تمہیں کچھ یاد بھی ہے؟ کہنے لگا جی ہاں مجھے یاد ہے اور پھر اس نے مسیلمہ کذاب کے کچھ ٹوٹکے سنائے تو حضرت خالدؓ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارتے ہوئے کہا" اے مسلمانو! دیکھو دشمنِ خدا قرآن مجید سے کیسے معارضہ کرتا ہے؟ پھر فرمایا مُجاعہ! افسوس ہے تم پر! تم تو سردار اور دانش مند ہو دیکھا اس دشمنِ خدا نے درج ذیل آیات کے مقابلہ میں کس طرح من گھڑت عبارت بنائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى۔

کیا تم میں سے کوئی بھی اسے روکنے یا ڈانٹنے والا نہ تھا؟ اس کذاب اور خبیث کی کچھ اور جھوٹی باتیں سناؤ؟ مجاعہ نے پھر کچھ اور باتیں بھی سنائیں۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا تمہارے پاس تو حق تھا اور پھر بھی تم اس کی تصدیق کرتے تھے؟ مجاعہ نے کہا" اگر ہمارے پاس حق نہیں ہے تو کل دس ہزار سے زیادہ تلواریں آپ سے مقابلہ کے لیے نہ آئیں گی تاکہ جلد باز موت سے جلد آشنا ہوں"۔ حضرت خالدؓ نے جواب دیا ہمیں صرف اللہ کافی ہے وہ اپنے دین کی مدد فرمائے گا، ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کے دین کی حمایت کے لیے نکلے ہیں۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالدؓ نے جب مقام عقربا کی طرف رخ کرنے کا ارادہ فرمایا اور مقدمۃ الجیش کو روانہ فرما دیا تو جاسوسوں نے واپس آکر خبر دی کہ مسیلمہ اپنے ساتھیوں سمیت مقام عقربا میں موجود ہے تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ یمامہ کی طرف رخ کریں یا عقربا کی طرف؟ سب نے عقربا کی طرف جانے پر اتفاق کیا تو آپ نے بھی اسی طرف جانے کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں نے رجال بن عنفوہ کے بارہ میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ مسیلمہ کے مقدمۃ الجیش میں ہے تو اسے بہت ہی بُرا

بھلا کہا حضرت خالدؓ جب اپنے لشکر کو لے کر پہنچے تو بنو حنیفہ بھی اپنی صفیں درست کر رہے تھے، آپ نے بھی اپنے لشکر کی صف بندی کی، پرچم حضرت زید بن خطابؓ کے ہاتھ میں دے دیا اور انصار کا پرچم حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کے ہاتھ میں دیا، میمنہ پر حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ اور میسرہ پر شجاع بن وہبؓ کو متعین کیا، گھڑ سوار دستے کی کمان اولاً براء بن مالکؓ کے سپرد کی لیکن پھر انہیں معزول کر کے اسامہ بن زیدؓ کے سپرد کر دی۔

بنو حنیفہ اپنی تلواروں کو سونتے ہوئے نمودار ہوئے تو حضرت خالدؓ نے فرمایا "مسلمانوں کے گروہ! تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تمہیں دشمن سے بچائے گا انہوں نے دور ہی سے تلواروں کو اس لیے سونتا ہے کہ وہ تمہیں ڈرائیں۔ مجاعہ نے کہا نہیں اے ابو سلیمان! بلکہ یہ ہندی تلواریں ہیں اور آج چونکہ سخت سردی ہے لہٰذا وہ انہیں دھوپ میں نکال کر گرم کر رہے ہیں، بنو حنیفہ کا لشکر جب مسلمانوں کے قریب پہنچا تو انہوں نے کہا کہ تلواریں بے نیام کرنے کی معذرت چاہتے ہیں واللہ! ہم نے تمہیں ڈرانے کے لیے انہیں بے نیام نہیں کیا بلکہ ہم نے تو انہیں دھوپ میں گرم کرنے کے لیے نیاموں سے باہر نکالا ہے لیکن اس کے بعد زبردست لڑائی شروع ہو گئی، بڑا گھمسان کا رن پڑا، دونوں فریق خوب ڈٹ کر لڑے اور دونوں ہی کے بہت سے آدمی قتل اور زخمی ہوئے، بہت سے مسلمان حفاظِ قرآن بھی جامِ شہادت نوش فرما گئے، کبھی مسلمانوں کی طرف سے اس قدر زوردار حملہ ہوتا کہ مسلمان کافروں کی صفوں میں گھس گھس جاتے اور کبھی کافروں کا حملہ اس قدر شدید ہوتا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ اکھڑ جاتے، مسلمانوں کے علمبردار زید بن خطاب نے کہا "اے اللہ! مسیلمہ جن لوگوں کو لے کر آیا ہے میں ان سے اظہار برأت کرتا ہوں، اور اپنے ساتھیوں کے فرار سے معذرت کرتا ہوں، پھر انہوں نے پرچم کے بانس ہی سے دشمن کے سینے چھیدنے شروع کر دیئے، شمشیر کے بھی خوب خوب جوہر دکھائے حتی کہ جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

آپ کی شہادت کے بعد پرچم اسلام سالم مولیٰ ابی حذیفہ نے پکڑ لیا۔ مسلمانوں نے کہا ہمیں خطرہ ہے کہ دشمن تمہاری طرف سے ہم پر حملہ کرے گا، آپ نے جواب دیا کہ میں بدترین حافظِ قرآن! اگر دشمن میری طرف سے تم پر حملہ کر سکے۔ انصار نے اپنے علمبردار حضرت

ثابت بن قیسؓ کو آواز دے کر کہا کہ پرچم کی حفاظت کرنا، یہ قوم کی عزت کا نشان ہے، حضرت سالمؓ آگے بڑھے اور نصف پنڈلی تک گڑھا کھود کر اس میں کھڑے ہو گئے تاکہ پاؤں ڈگمگا سکیں اور نہ اکھڑ سکیں، حضرت ثابتؓ نے بھی اسی طرح کیا۔ لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہو رہے تھے لیکن سالم و ثابت صحیح سالم اور ثابت قدم تھے، حتیٰ کہ حضرت سالمؓ اور ان کے مولیٰ حضرت ابو حذیفہؓ دونوں شہید ہو گئے۔

وحشی بن حرب کا بیان ہے کہ یمامہ کے دن اس قدر شمشیر زنی ہوئی کہ ہم نے تلواروں سے شعلے نکلتے ہوئے دیکھے اور تلواریں ایک دوسری سے ٹکرانے کی وجہ سے گھنٹیوں کی سی آوازیں دے رہی تھیں۔

ضمرہ بن سعید مازنی، بنو حنیفہ کے ارتداد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے ان سے بڑھ کر کسی سخت دشمن سے مقابلہ نہ کیا تھا، ان سے مقابلہ کرتے ہوئے سخت اور دائمی موت اور تیروں، نیزوں سے قبل چمکتی ہوئی تلواروں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

ثابت بن قیسؓ نے اس دن کہا تھا کہ اے گروہِ انصار! اپنے دین کے بارہ میں اللہ سے ڈرو، ان لوگوں نے ہمیں وہ کچھ سکھا دیا ہے جو ہم احسن انداز میں انجام نہ دے سکتے تھے، پھر عام مسلمانوں سے یہ کہنے لگے، افسوس اس پر جو تم کر رہے ہو، پھر کہنے لگے کہ ہم انصار اور دیگر لوگوں کو الگ الگ کر دو، چنانچہ جب انصار پر مشتمل مجاہدین نے شجاعت و بسالت کے جوہر دکھانے شروع کیے، تو ان کی بے مثال پیشقدمی کی انتہا نہ رہی، انہوں نے محکم بن طفیل کو قتل کر دیا، پھر باغ تک پہنچ کر اس میں داخل ہو گئے اور بہت زبردست لڑائی کی، پھر ثابت نے بلند آواز سے پکارا اے سورۂ بقرہ والو! اسی طرح عباد بن بشر نے ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر زور سے کہا کہ میں عباد بن بشر ہوں، اے انصار! میں عباد ہوں، میری طرف آؤ، میری طرف آؤ! چنانچہ سب انصار لبیک لبیک کہتے ہوئے ان کے پاس آ گئے تو انہوں نے کہا میرا ماں باپ تم پر نثار ہو، اپنی تلواروں کی نیاموں کو توڑ دو، پھر انہوں نے اپنی تلوار کی نیام کو توڑ کر پھینک دیا انصار نے بھی ایسا ہی کیا، پھر کہنے لگے کہ میرے پیچھے آؤ، اب ہم سب مل کر ایک بھرپور حملہ کریں گے

یہ کہہ کر ان کے آگے آگے چلے اور بنو حنیفہ پر ایک ایسا زبردست حملہ کیا کہ وہ شکست خوردہ ہو کر رہ گئے، پھر باغ میں داخل ہو کر دروازے بند کر دیئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب ہم باغ میں داخل ہوئے تو ظہر کا وقت تھا اور میدان کارزار خوب گرم تھا، حضرت خالدؓ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے باغ کی دیوار پر کھڑے ہو کر اذان دی لیکن اس وقت سب لوگ جنگ میں مصروف تھے حتیٰ کہ لڑائی عصر کے بعد تک بھی جاری رہی اور جب بند ہوئی تو حضرت خالدؓ نے ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائیں پھر حضرت خالدؓ نے پانی پلانے والوں کو حکم دیا کہ وہ زخمیوں کو پانی پلائیں، میں بھی ان میں شامل تھا جب میں عامر بن ثابت کے پاس سے گزرا تو ان کے پاس بنو حنیفہ کا ایک زخمی شخص بھی گرا پڑا تھا، میں نے عامر کو پانی پلایا تو وہ حنفی کہنے لگا، تم پر میرے ماں باپ نثار! مجھے بھی پانی پلاؤ، میں نے کہا ہرگز نہیں، میرے نزدیک تیری کوئی عزت نہیں ہے، میں تو جلد تیرا کام تمام کرنا چاہتا ہوں، اس نے کہا ٹھیک ہے لیکن ایک بات ضرور بتا دو، جس کے بتانے میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ تو کہنے لگا: ابو ثمامہ کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا "خدا کی قسم! وہ تو قتل ہو چکا ہے"۔ کہنے لگا آہ! نبی کو اس کی قوم نے ضائع کر دیا۔ جب بنو حنیفہ کے بہت سے لوگ مارے گئے اور اس طرح بہت سے مسلمان بھی شہید ہو گئے تو اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی گئی اور کہا گیا کہ جب تک ہم میں یا ان میں ایک بھی نفس باقی ہے، تلواروں کو نیاموں میں نہ ڈالنا حالانکہ اس وقت مسلمانوں کو بھی بہت سے زخم لگ چکے تھے۔

شام کے وقت بنو حنیفہ کو ان کے سپہ سالار کی طرف سے حکم ملا کہ ہتھیار پہنے رہو اور جب صبح ہو تو سورج کی طرف منہ کرتے ہوئے اپنے قلعوں کی طرف کھڑے ہو جاؤ حتیٰ کہ میرا کوئی حکم تمہارے پاس آئے۔

مسلمان رات بھر اپنے شہداء مدفون کرنے میں مصروف رہے اور جب فارغ ہوئے تو آگ سے زخموں کو ٹکور کرنا شروع کر دیا، صبح ہوئی تو حضرت خالدؓ کے حکم سے بیڑیوں

میں جکڑے ہوئے مجاعہ کو لایا گیا تاکہ اس سے بنو حنیفہ کے مقتولوں کی شناخت کرائی جائے۔ جب ایک مقتول کے پاس سے گزرے تو حضرت خالدؓ نے پوچھا کیا یہ وہی ہے؟ مجاعہ نے جواب دیا نہیں یہ اس سے معزز ہے، یہ تو محکم بن طفیل ہے۔ جسے تم تلاش کرتے ہو وہ تو زرد رو اور ٹیڑھے پاؤں والا ہے، بالآخر وہ مل گیا تو حضرت خالدؓ نے اس کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بکثرت حمد و ثنا کی اور پھر حکم دیا کہ اسے اس کنوئیں میں پھینک دو، جس سے یہ پانی پیا کرتا تھا۔

حضرت خالدؓ نے محسوس فرمایا کہ اب ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا الا یہ کہ کوئی ایسا انسان ہو جس کے پاس کوئی ساز و سامان نہیں ہے، پھر آپ نے مجاعہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا یہ تھا تمہارا ساتھی جس نے تمہیں اس بدترین انجام تک پہنچایا، میرا خیال ہے کہ تیری قوم جیسے کم عقل لوگ دیکھنے میں نہیں آئے!

مجاعہ نے جواب دیا کہ یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ خیال نہ کرو کہ لڑائی ختم ہو گئی ہے، مسیلمہ کو اگرچہ آپ نے قتل کر دیا ہے لیکن بہت سے لوگ ابھی تک قلعوں میں موجود ہیں، چنانچہ اس طرف دیکھو حضرت خالدؓ نے جب دیکھا تو آپ کو قلعوں پر بے شمار لوگ نظر آئے، جن کے پاس بہت زیادہ اسلحہ تھا، ایک لمحہ کے لیے تو آپ افسردہ ہوئے اور ٹیک لگا کر بیٹھ گئے لیکن جلد ہی سنبھل گئے بلکہ شجاعت کا ثبوت دیتے ہوئے فرمانے لگے " اے اللہ کے لشکر سوار ہو کر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور علمبردار کو حکم دیا کہ لشکر کو لے کر پیش قدمی کرو"، مجاعہ نے کہا " میں آپ کا خیر خواہ ہوں شمشیر زنی کی وجہ سے آپ کے لشکر کو بہت نقصان پہنچ چکا ہے، میں اپنی قوم سے کہتا ہوں کہ وہ سونا، چاندی، باغات اور نصف لونڈیاں دے کر مصالحت کر لیں"۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ کر کہنے لگا کہ میں نے اپنی قوم کے سامنے اس تجویز کو پیش کیا ہے، جسے قبول کرنے پر وہ آمادہ ہے حضرت خالدؓ چونکہ سابقون الاولون اور بعض جلیل القدر صحابہ کرام کے جامِ شہادت نوش فرما جانے کی وجہ سے کچھ دل گرفتہ تھے لہٰذا آپ نے بھی صلح کو تسلیم کر لینے کا اظہار کر دیا لیکن آپ کے سامنے جلد ہی حقیقت واضح ہو گئی کہ قلعوں وغیرہ کی سمت نظر آنے والے لوگ تو صرف عورتیں اور

بچے ہیں تو مجاعہ سے کہنے لگے "افسوس کہ تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے"۔ مجاعہ نے جواب دیا، "میری قوم تھی میں کیا کرتا؟ میرے لیے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار ہی نہ تھا"۔

حضرت اسید بن حضیرؓ وغیرہ کئی صحابہ نے کہا بھی "اے خالدؓ! اللہ سے ڈرو اور صلح قبول نہ کرو"۔ آپ نے فرمایا "شمشیر زنی کی وجہ سے تم فنا ہو گئے ہو"۔ انہوں نے جواب دیا "ہمارا دشمن بھی فنا ہوا ہے"۔ حضرت خالدؓ نے کہا "ہمارے باقی ماندہ مجاہد زخمی ہیں"؟ صحابہ نے کہا دشمن کے افراد بھی زخمی ہیں لہذا ہم صلح تسلیم نہیں کریں گے بلکہ ہمیں ان سے مقابلہ کے لیے لے جاؤ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے یا ہم ایک ایک کر کے اس کے راستہ میں نثار ہو جائیں، حضرت ابوبکرؓ کے خط کو یاد کرو، جس میں انہوں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت سے نوازے، تو دشمن میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑنا۔

انصار نے بھی اس بارہ میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کا حکم آپ کے حکم سے بڑھ کر ہے، آپ نے جواب دیا کہ بخدا! میں نے بہتر بات کو ترجیح دی ہے، میں نے جب یہ دیکھا کہ سابقون الاولون جام شہادت نوش فرما گئے ہیں اور میرے پاس ایسے مجاہدین باقی رہ گئے ہیں جو شمشیر زنی کے مقابلہ میں شاید زیادہ نہ ٹھہر سکیں تو میں نے صلح کو تسلیم کر لیا اور پھر یہ تو دیکھو کہ دشمن بھی اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ ہے، چنانچہ صلح ہو گئی اور آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں معذرت کا ایک خط لکھا۔

خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کے بارہ میں سخت کلام کیا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عمرؓ چھوڑو، حضرت عمرؓ نے جواب دیا بہت بہتر، پھر حضرت ابوبکرؓ فرمانے لگے اے کاش! خالدؓ اپنے ساتھیوں کو میدان جنگ ہی میں معرکہ آرائی کا حکم دیتا تاکہ دشمن کا کام تمام ہو جاتا ورنہ یہ لوگ اس کذاب کی وجہ سے ہمیشہ مصیبتوں میں مبتلا رہیں گے۔ یاد رہے کہ واقعہ یمامہ ربیع الاول سنہ ۱۲ھ میں پیش آیا تھا۔

حضرت عمرؓ ایک دن جنگ یمامہ اور اس میں شہید ہونے والے جلیل القدر صحابہ کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ "تلواروں نے سابقون الاولون کا خون بہایا، اس دن اعتماد بھی انہی پر تھا، انہوں نے بھی اس خطرہ کو بھانپ لیا تھا کہ اگر آج اسلام کی شوکت کا دروازہ ٹوٹ

گیا تو پھر یقینی طور پر مسیلمہ اور اس کی ذریت کو غلبہ نصیب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کی قربانیوں کو قبول کیا، اسلام کو سرفرازی بخشی، دشمن کو قتل کیا، اپنے کلمہ کو سربلند فرمایا، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے وہ اللہ اور اس کے رسول پر افترا باندھنے والوں کے خلاف جہاد کر کے ثواب حاصل کرنے میں مسرت محسوس فرماتے تھے، یمامہ کے دن تو بڑا گھمسان کا رن پڑا تھا، اللہ تعالیٰ مجاہدین اسلام کے چہروں پر اپنی رحمت کے پھول برسائے۔

یعقوب بن سعید بن عبید اور زہری کا بیان ہے کہ اس جنگ میں بنو حنیفہ کے ستر ہزار سے زیادہ آدمی مارے گئے تھے، ان کی بیماری بھی انتہائی بدترین تھی، اسلام کے خلاف یہ ایک نہایت بری سازش تھی، اللہ تعالیٰ نے بھی ان دشمنانِ اسلام کا کام بالکل تمام کر دیا تھا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

بنو سلیم کا ارتداد

واقدی نے سفیان بن ابی العرجار سلیمی کے حوالے سے ذکر کیا ہے، جو اپنی قوم کے ارتداد سے بخوبی باخبر تھے کہ ایک غسانی بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کستوری، عنبر اور ایک گھوڑا بطور تحفہ ارسال کیا، یہ تحائف لے کر قافلہ جب بنو سلیم کے علاقہ سے گزر رہا تھا، تو انہیں خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے ہیں، اس خبر کے سننے کے بعد بنو سلیم کے بعض افراد مرتد ہو گئے اور انہوں نے ان تحائف کو اپنے قبضے میں لے لیا، بعض نے انکار کر دیا اور کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے ہیں تو اللہ کی ذات تو پائندہ و زندہ ہے۔ لیکن مرتدین نے ان تحائف کو لوٹ لیا۔

جب حضرت ابوبکرؓ خلیفۃ المسلمین بنے، تو انہوں نے معن بن حاجر کو خط لکھ کر بنو سلیم کے مسلمانوں کا حاکم بنا دیا، وہ اس سلسلہ میں بخوبی عہدہ برا ہوئے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا ذکر کرتے ہوئے ان آیات کا تذکرہ کیا جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کی خبر دی تھی، بنو سلیم کے کچھ لوگوں نے تو آپ کی باتوں کو تسلیم کر لیا لیکن مرتدین اپنے موقف پر قائم رہے بلکہ انہوں نے دوسرے لوگوں کے مال بھی لوٹ لیے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت خالدؓ کو اس طرف بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو معن کو لکھا کہ خالدؓ کے ساتھ مل جاؤ اور اپنے بھائی طریفہ کو اپنا قائم مقام بنا دو، چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا اور خود اپنے مسلمان ساتھیوں سمیت مرتدین کے خلاف مصروف پیکار ہو گئے۔

انہی دنوں ایاس بن عبداللہ بن عبدیا لیل جو کہ فجاءۃ کے نام سے مشہور تھا، حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "میں مسلمان ہوں، مرتدین کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہوں لہذا مجھے کچھ سواری کے جانور مہیا کر دو، اگر میرے پاس طاقت ہوتی تو میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا۔"

حضرت ابوبکرؓ کو اس کی آمد کی وجہ سے خوشی ہوئی اور آپ نے اسے تیس اونٹ اور کچھ ہتھیار دے کر روانہ کر دیا لیکن اس نے مرتدین کے خلاف جہاد کے بجائے ہر مسلم اور کافر کو لوٹنا شروع کر دیا بلکہ مزاحمت کرنے والوں کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا۔ نجبہ بن ابی المیثار نامی بنو شرید کا ایک آدمی اور کچھ مرتدین بھی اس کے ساتھ تھے، حضرت ابوبکرؓ کو جب صحیح خبر کا علم ہوا تو آپ نے طریفہ بن حاجر کو درج ذیل خط لکھا۔

> بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ابوبکرؓ کی طرف سے طریفہ کے نام۔ سلام ہو آپ پر! اما بعد:
> دشمن خدا فجاءۃ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں مسلمان ہوں، مرتدین کے خلاف جہاد کے لیے مجھے طاقت بہم پہنچایئے؛ چنانچہ میں نے اسے سواری کے جانور اور اسلحہ دیا لیکن اب میرے پاس باوثوق ذرائع سے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس دشمن خدا نے ہر مسلمان اور کافر کے مال کو لوٹنا اور مخالفت کرنے والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے، لہذا اب تمہیں میرا حکم یہ ہے کہ اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ جاؤ اور اسے قتل کر دو یا زندہ پکڑ کر میرے پاس لے آؤ"

طریفہ نے حضرت ابوبکرؓ کا خط اپنی قوم کو پڑھ کر سنایا تو وہ سب کے سب فجاءۃ سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے، ابن المثنی نے نجبہ کو قتل کرنا چاہا تو وہ فجاءۃ کے پاس بھاگ گیا، ادھر طریفہ نے بھی فجاءۃ پر چڑھائی کر دی، فجاءۃ نے جب اپنے ساتھیوں میں کمزوری دیکھی تو کہنے لگا "طریفہ! واللہ میں نے کفر نہیں کیا، میں تو مسلمان ہوں، آپ ابوبکرؓ کے زیادہ مقرب نہیں، آپ

بھی ابوبکرؓ کے امیر ہیں، میں بھی انہی کا امیر ہوں‘‘۔ طریفہ نے کہا’’ اگر تم سچے ہو تو ہتھیار پھینک دو، ابوبکرؓ کے پاس چلے چلو اور آپ کو صحیح صورتِ حال سے مطلع کرو‘‘۔ اس نے ہتھیار پھینک دیئے تو طریفہ سے اسے گرفتار کر لیا، وہ کہنے لگا مجھے گرفتار نہ کرو، طریفہ نے کہا دیکھو یہ حضرت ابوبکرؓ کا میرے پاس خط ہے، مجھے آپ نے یہی حکم دیا ہے، فجاۃ نے کہا اگر آپ کا یہ حکم ہے تو سمع و اطاعت بجالاتا ہوں طریفہ نے بنو سلیم کے دس افراد کے ہمراہ فجاۃ کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیج دیا، آپ نے اسے بنو جشم کے سپرد کر دیا جنہوں نے اسے آگ میں جلا دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بنو ظربان کا ایک شخص قبیصہ نامی حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں مسلمان ہوں، مرتد نہیں، آپ نے حکم دیا کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مرتدین کے خلاف جہاد کرو، قبیصہ اپنی قوم میں واپس چلا گیا، بہت سے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے، قبیصہ نے انہیں ساتھ لے کر مرتدین کے خلاف جہاد شروع کر دیا حتیٰ کہ یہ جمیضہ بن حکم شریدی کے گھر کے پاس سے گزرے، وہ گھر میں موجود نہ تھا۔ تو انہوں نے اس کے ایک مرتد پڑوسی کو قتل کر کے اس کے مال کو لوٹ لیا۔ جمیضہ جب گھر آیا تو اس کے اہل و عیال نے اپنے پڑوسی کے بارہ میں اسے خبر دی تو وہ مسلمانوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا؛ چنانچہ جب وہ ان کے پاس پہنچ گیا تو اس نے قبیصہ سے کہا آپ نے میرے پڑوسی کو کیوں قتل کیا؟ قبیصہ نے کہا اس لیے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔ جمیضہ نے کہا تم نے تمام کافروں کو چھوڑ کر صرف اس شخص کو ہدف بنایا ہے۔ جو میرے پاس پناہ لینے آیا تھا؟ قبیصہ نے کہا ہاں! میں نے اسے ہی ہدف بنایا ہے۔ جمیضہ نے نیزہ مار کر قبیصہ کو اونٹ سے نیچے گرا دیا اور پھر قتل کر دیا، قبیصہ نے جمیضہ کی آمد سے قبل اپنے تمام ساتھیوں کو منتشر کر دیا تھا لہٰذا اس وقت اس کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کی طرف یہ خط لکھا کہ:

’’اگر اللہ تعالیٰ بنو حنیفہ کے مقابلہ میں تمہیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے تو وہاں قیام مختصر کر کے فوراً بنو سلیم کی سرکوبی کے لیے پہنچ جاؤ اور انہیں اس قدر پائمال کرو کہ معلوم ہو جائے کہ یہ ان کے اپنے کیے کی سزا ہے، اس وقت میں قبائل عرب میں سے سب سے زیادہ ناراض بنو سلیم سے ہوں، اگر اللہ تعالیٰ بنو سلیم

کے مقابلہ میں کامیابی عطا فرما دے تو تمہیں اختیار ہے کہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دو اور آگ میں جلا دو تاکہ ان کے لیے عبرت ہو"۔

بنو سلیم کو جب حضرت خالدؓ کی آمد کا علم ہوا تو ان کے بہت سے آدمی جمع ہو گئے بلکہ انہوں نے دیگر قبائل عرب کے باقی ماندہ مرتدین کو بھی جمع کر لیا، انہیں جمع کرنے والا ابو شجرہ بن عبد العزی تھا، صبح سویرے ہی حضرت خالدؓ ان کے پاس پہنچ گئے، آپ نے پہنچتے ہی اپنے لشکر کو ہتھیار پہننے کا حکم دے دیا اور پھر صفیں درست کیں، بنو سلیم نے بھی اپنے لشکر کو صف آرا کیا، مسلمان اگرچہ تھک چکے تھے اور ان کے سواری کے جانور بھی درماندہ ہو چکے تھے، اس کے باوصف انہوں نے شجاعت کے بڑے جوہر دکھائے، حضرت خالدؓ تن تنہا دشمن کے لشکر میں گھس جاتے اور اپنی تیغ آبدار کے خوب خوب جوہر دکھاتے اور پھر انہوں نے مجاہدین کو ساتھ لے کر اس قدر بھرپور حملہ کیا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور اسے عبرت ناک شکست ہوئی، حضرت خالدؓ نے ان میں سے بہت سے افراد کو قید کر لیا اور پھر گڑھے کھود کر ان میں آگ سے جلا ڈالا۔ ابو شجرہ نے بھی بہت سے مسلمانوں کو زخمی کیا، اور اس سلسلہ میں اس نے کچھ اشعار بھی کہے، جن میں سے ایک یہ ہے ؎

فرویت رمحی من کتیبة خالد
وانی لأرجو بعدها أن أعمرا

لیکن بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے طرز عمل کی معذرت کر لی تھی حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں یہ مدینہ آئے، انہوں نے بنو قریظہ کے میدان میں اپنی اونٹنی بٹھائی اور خود حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آ گئے، فاروق اعظمؓ اس وقت فقراء میں مال تقسیم فرما رہے تھے، انہوں نے کہا" امیر المؤمنین! مجھے بھی کچھ دیجیے' میں ضرورت مند ہوں"۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا" میں ابو شجرہ ہوں"۔ آپ نے فرمایا اے دشمن خدا، کیا تو نے یہ شعر کہا تھا ؎

فرویت رمحی ......

میں تیرے لیے زندہ نہیں رہا، پھر آپ نے اس کے سر پر نیزہ لہرایا اور وہ بھاگ کھڑا

تھا، آپ نے بھی اس کا پیچھا کیا حتیٰ کہ وہ بھاگ کر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر فرار ہو گیا اور پھر کبھی حضرت عمرؓ کے قریب نہ آیا۔ البتہ اس کے اسلام میں کوئی شک نہ تھا، وہ جب حضرت عمرؓ کا ذکر کرتے رحم کی دعا کرتے اور کہتے میں نے حضرت عمرؓ کی شخصیت سے زیادہ کوئی ہیبت ناک انسان نہیں دیکھا۔

اہل بحرین کا ارتداد

عیسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کئی قبائل عرب مرتد ہو گئے تو کسریٰ نے کہا کون ہے جو عربوں کے معاملہ میں مجھے کفایت کر سکے؟ ان کا پیغمبر وفات پا گیا ہے اور وہ باہمی اختلاف کا شکار ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کو ان کی سلطنت کی بقا مقصود ہوتی تو پھر انہیں یقیناً ان کے افضل ترین انسان کی قیادت میں جمع کر دے گا ورنہ نہیں۔

کسریٰ کے درباری کہنے لگے "سب سے کامل ترین شخص تو مخارق بن نعمان ہے جو کہ اپنی مثال آپ ہے، اس کا تعلق اس خاندان سے ہے، جس کے سامنے عرب اور آپ کے پڑوسی بنو بکر بن وائل بھی ماند پڑ گئے تھے۔ کسریٰ نے مخارق بن نعمان کے خاندان سے چھ سو افراد کو منتخب کیا۔

اہل بحر بھی اسلام سے مرتد ہو چلے تھے لیکن جارود بن معلی نے اپنی قوم میں کھڑے ہو کر کہا "کیا تم جانتے نہیں کہ قبل ازیں تم نصرانیت پر کاربند تھے؟ اور میں ہمیشہ تمہارے پاس بھلائی کی خبر سے کم ہی آیا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا تو ساتھ ہی انك ميت و انهم ميتون اور وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل جیسی لئی لئات میں اس طرف اشارہ فرما دیا تھا کہ ایک دن آپ بھی داغ مفارقت دے کر اپنے ملک جاوداں ہو جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ جارود نے اپنی قوم سے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں تم کیا خیال رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، انہوں نے پھر پوچھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ بھی اللہ کے رسول ہیں۔ پھر خود کہنے لگے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں اور حضرت محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جس طرح سابقہ انبیا کرام زندہ رہے اسی طرح آپ بھی بقید حیات رہے اور جس طرح وہ وفات پا گئے، اسی طرح آپ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے؛ چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبدالقیس کا کوئی فرد بھی مرتد نہ ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی کو معزول کر کے ابان بن سعید کو بحرین کا عامل بنا دیا تھا علاء کہنے لگے کہ مجھے میرے امن کی جگہ پہنچا دو تاکہ میں صحابہ کرام کے ساتھ مل کر موت و حیات میں شریک رہوں۔ لوگوں نے کہا ایسا نہ کیجئے آپ ہم سب میں سے معزز ہیں، اگر آپ چلے گئے تو لوگ کہیں گے کہ لڑائی سے فرار ہو گئے ہیں لیکن آپ نہ مانے اور تین سو آدمیوں کو لے کر مدینہ چلے آئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا آپ ان لوگوں کے ساتھ ثابت قدم کیوں نہ رہے جن میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی اور نہ وہ مرتد ہوئے ہیں۔ حضرت علاء نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے کام کرنے کے لیے تیار نہیں لیکن ـــــ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں سولہ سواروں کے ہمراہ بحرین بھیج دیا اور فرمایا چلتے جاؤ عبدالقیس تمہارے ساتھ ہے، یہ چلے گئے اور راستہ میں جب ثمامہ بن اثال کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اپنی قوم بنو سحیم کے بہت سے افراد بھی ان کے ساتھ کر دیے۔ علاء جواثی نامی ایک قلعہ میں فروکش ہوئے جب کہ مخارق اپنے بکر بن وائل کے ساتھیوں کے ہمراہ عبدالقیس کے ایک عظیم قلعہ مشقر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ حضرت علاء نے اپنے ساتھیوں سمیت اس طرف پیش قدمی کی اور بہت شدید لڑائی ہوئی، حتیٰ کہ فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ جارود بن معلی اس وقت مقام خط[1] میں ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے حضرت علاء کی مدد کے لیے کئی لشکر بھیجے۔ مخارق نے بنو قیس بن ثعلبہ کے ایک شخص حطم بن شریح[2] کو خط کے مرزبان کی طرف امداد کی درخواست دے کر بھیجا، اس نے درخواست کے مطابق امداد کر دی۔

---

[1] خط، خا کے فتح کے ساتھ ہے، اس سے مراد عمان کا وہ علاقہ ہے جس کی طرف خطی نیزے منسوب کیے جاتے ہیں، بلکہ اس سارے ساحل کو ہی خط کہتے ہیں، قطیف، عقیر اور قطر نامی خط کی بستیاں بطور خاص مشہور ہیں [2] ابن جریر کے نزدیک بنو قیس بن ثعلبہ کے فرد حطم بن ضبعہ ہیں۔

حطم ردم الفداح میں ٹھہرا اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک ھجر کو نہ دیکھ لے شراب نہیں پیئے گا۔ مرزبان نے جارود کو اپنے پاس رہن رکھ لیا اور حطم اور ابجر عجلی نے جواثی میں حضرت علاء کا محاصرہ کر لیا، ایک نیک مسلمان حضرت عبداللہ بن حذف نے اس محاصرہ کا اپنے درج ذیل اشعار میں تذکرہ کیا تھا۔

ألا أبلغ أبابكر رسولا ۔۔۔ وسكان المدينة اجمعينا

اے قاصد! حضرت ابوبکرؓ اور تمام ساکنین مدینہ کو یہ پیغام پہنچا دو۔

فهل لكم الى نفر يسير ۔۔۔ قعود فى جواثى محصرينا

کیا تم اس چھوٹے سے لشکر کی مدد کو نہ پہنچو گے جو کہ جواثی میں محصور ہے۔

كأن دماءهم فى كل فج ۔۔۔ شعاع الشمس يغشى الناظرينا

ان کے خون تمام گلی کوچوں میں یوں چمک رہے ہیں جس طرح سورج کی شعاعیں دیکھنے والوں کو ڈھانپ لیتی ہیں۔

توكلنا على الرحمٰن إنا ۔۔۔ وجدنا النصر للمتوكلينا

ہم نے رحمٰن پر توکل کیا ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ توکل کرنے والوں کو مدد نصیب ہو جاتی ہے۔

علاء اور ان کے ساتھیوں نے ایک رات دشمن کے لشکر میں شور و غوغا کی آوازیں سنیں تو کہنے لگے اے کاش! معلوم ہو کہ یہ کیوں شور مچا رہے ہیں؟ عبداللہ بن حذف نے کہا کہ میں معلوم کرتا ہوں، انہوں نے رسی کے ساتھ باندھ کر عبداللہ کو قلعہ سے باہر اتار دیا، آپ سیدھے ابجر عجلی کے پاس پہنچے، اس کی ماں ان میں سے تھی۔ ابجر نے پوچھا اللہ تمہاری آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے کیسے آئے؟ عبداللہ نے جواب دیا کہ جب بھوک پیاس نے ستایا تو سوچا کہ اپنے اہل و عیال کے پاس چلا جاؤں لہٰذا مجھے کچھ زاد راہ دیجئے۔ ابجر نے کہا کہ میں زادِ راہ تو دیتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ تمہارا مقصد کچھ اور ہے تم اچھے بھانجے ثابت نہیں ہوئے، پھر انہیں زادِ راہ اور جوتے دے دیئے اور لشکر سے نکال دیا، آپ بھی باہر تشریف لے آئے اور دور تک چلتے رہے گویا اب قلعہ کی طرف جانے کا قصد

نہیں ہے لیکن پھر واپس آگئے اور ایک رسی کا سہارا لے کر قلعہ پر چڑھ گئے ساتھیوں نے پوچھا کیا خبر ہے؟ آپ نے بتایا کہ سارا لشکر نشہ میں مدہوش پڑا ہے، ان کے پاس سے تاجروں کا ایک قافلہ گزرا تھا، جس کے پاس شراب تھی، انہوں نے اس قافلہ سے شراب خریدی ہے اور خوب استعمال کر رہے ہیں لہذا اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو آج رات کر لو؛ چنانچہ مجاہدین نے رات کو اس قدر بھرپور شب خون مارا کہ کافروں میں سے ایک فرد بھی زندہ باقی نہ بچا۔ البتہ حطم بچ کر بھاگ نکلا اور صدا لگانے لگا مجھے کون سواری مہیا کرے گا؟ عبداللہ بن حذف نے پوچھا ابوضبیعہ؟ حطم نے جواب دیا جی ہاں میں ابوضبیعہ ہوں تو حضرت عبداللہ نے کہا آؤ تمہیں میں سوار کرتا ہوں؛ چنانچہ جب یہ قریب ہوا تو عبداللہ نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا، ابجر عجلی کا ایک پاؤں کٹ گیا تھا، جس کی وجہ سے اس کی وفات واقع ہو گئی[1]

اس کے بعد علاءؓ نے شہر دارین کا رخ کیا اور وہاں کے لوگوں سے زبردست لڑائی کی اور ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، مخارق اور اس کے ساتھیوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر مسلمان ہمیں چھوڑ دیں تو ہم وہاں جانے کے لیے تیار ہیں، جہاں سے آئے تھے، علاءؓ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ ان کا راستہ چھوڑ دینا چاہیے؛ چنانچہ یہ لوگ اپنے شہروں کی طرف بھاگ گئے، اہل دارین نے بھی صلح کی درخواست کی تو حضرت علاءؓ نے ان کے مال کا ثلث لے کر صلح کر لی۔

بکر بن وائل نے یہ کہنا شروع کر دیا اے بنو عبدالقیس، مفروق بکر بن وائل کی ایک جماعت لے کر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، اس کا جواب حضرت عبداللہ بن حذف نے درج ذیل اشعار میں دیا ؎

لا توعدونا بمفروق وأسرته　　　إن يأتنا يلق مناسنة الحطم

ہمیں مفروق اور اس کے خاندان سے نہ ڈراؤ اگر وہ ہمارے پاس آئے تو وہی حشر ہوگا جو قبل ازیں حطم کا ہو چکا ہے۔

---

[1] ابن جریر کے نزدیک عبداللہ کے بجائے عفیف بن منذر نے اس کی ران کاٹ دی تھی اور قیس بن عاصم نے اسے قتل کیا تھا۔

فالنخل ظاهرها خيل وباطنها　　خيل تكدس بالفرسان في النعم

کھجور کے درخت بظاہر تو شہسواروں جیسے ہیں لیکن باطن کے اعتبار سے اس کٹے ہوئے بھوسے کی طرح ہیں جسے اونٹوں نے پائمال کر دیا ہو۔

وان ذا الحي من بكر وان كثروا　　لأمة داخلون النار في أمم

اس خاندان کا تعلق بنو بکر سے ہے اگرچہ یہ بکثرت ہیں لیکن من جملہ ان امتوں سے ہیں جو جہنم رسید ہونے والی ہیں۔

پھر علاء خط کی طرف روانہ ہوئے اور ساحل پر اتر پڑے، آپ کے پاس ایک نصرانی آیا اور کہنے لگا اگر میں آپ کو ایک ایسا راستہ بتاؤں جو آپ کو دارین کی طرف لے جائے تو؟ حضرت علاء نے پوچھا اس کے عوض تم کیا چاہو گے؟ نصرانی نے جواب دیا صرف یہ کہ دارین میں میرے اہل وعیال ہیں انہیں کچھ نہ کہا جائے؟ حضرت علاء نے فرمایا ٹھیک ہے تیری وجہ سے ہم انہیں کچھ نہیں کہیں گے، چنانچہ اس نے راہ بتائی اور حضرت علاءؓ نے اس راہ کو اختیار کر کے دارین پر اچانک حملہ کر دیا اور وہاں کے باشندوں کو گرفتار کر لیا۔

بعض روایات میں ہے کہ دریا نے حضرت علاء کے لشکر کو راستہ دے دیا تھا، حتیٰ کہ دریا میں اترنے سے پہلے کشتیاں چل رہی تھیں جو کہ رک گئیں اور پھر جب یہ لشکر پار ہو گیا تو چلنے لگیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت علاءؓ اور ان کے رفقاء نے اللہ تعالیٰ کے حضور خوب گریہ وزاری سے جب دعائیں کہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا اور دریا کو حکم دیا کہ راستہ دے دے۔

حضرت علاءؓ اور آپ کے ساتھیوں نے دعا یہ کی تھی۔

"یا ارحم الراحمین، یا کریم، یا حلیم، یا أحد، یا صمد، یا حی، یا محی الموتیٰ، یا حی، یا قیوم لا الہ الا انت یا ربنا"

اللہ تعالیٰ نے جب اس دعا کو قبول فرمایا تو وہ اللہ کے حکم سے دریا میں یوں چل رہے تھے گویا ریت پر چل رہے ہوں، اسی بارہ میں عفیف بن منذر نے یہ اشعار کہے تھے ؎

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ ذَلَّلَ بَحْرَهُ ۔۔۔ وَأَنْزَلَ بِالْكُفَّارِ إِحْدَى الْجَلَائِلِ

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دریا کو مسخر کر دیا۔ اور کفار پر ایک بہت بڑی مصیبت نازل فرمائی۔

دَعَوْنَا الَّذِي شَقَّ الْبِحَارَ فَجَاءَنَا ۔۔۔ بِأَعْظَمَ مِنْ فَلْقِ الْبِحَارِ الْأَوَائِلِ

ہم نے اس اللہ کو پکارا جس نے دریاؤں کو پھاڑ دیا ہے تو دریا پہلے لوگوں کی نسبت ہمارے لیے زیادہ پھٹ گیا۔

بحرین کے مرتدین نے جب یہ منظر دیکھا تو انہوں نے بھی لڑائی کے بجائے اہل ہجر کی طرح صلح کر لی۔

حضرت علاءؓ کو جب مرتدین اور مجوس پر غلبہ نصیب ہو گیا تو انہوں نے عبدالقیس کے کچھ آدمیوں کو حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیجا جو کہ مدینہ طیبہ آ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس آ کر ٹھہرے اور انہیں مرتدین کے بارہ میں تمام صورت حالات سے مطلع کیا۔ پھر یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی حاضر تھے، تو یہ لوگ کہنے لگے "اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! ہم مسلمان ہیں، ہمیں آپ کی رضا سے بڑھ کر کوئی چیز مطلوب نہیں، ہماری خواہش ہے کہ آپ بحر اور رطواجین کی کچھ زمین ہمیں عطا فرما دیں، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی سفارش کر دی تو آپ نے ان کی بات کو قبول کر لیا تو یہ کہنے لگے آپ ہمیں تحریری اجازت دے دیں؛ چنانچہ آپ نے انہیں تحریر دے دی وہ اس تحریر کو لے کر جب حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں گئے اور آپ نے اسے پڑھا تو اس پر تھوک دیا اور اسے مٹا دیا، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ، حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے "واللہ ہمیں معلوم نہیں آپ خلیفہ ہیں یا عمرؓ! حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا بات کیا ہے؟ تو انہوں نے ساری بات بتائی، سن کر صدیق اکبرؓ فرمانے لگے" اگر عمرؓ اسے ناپسند کرتے ہیں تو پھر میں بھی یہ کام نہیں کروں گا۔" ابھی بات ہو رہی تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ بھی تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا آپ نے اسے کیوں ناپسند فرمایا؛ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ

مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ آپ عوام کے بجائے خواص کو دیں اور تقسیم کرتے وقت سبقت کرنے والوں کو کچھ نہ دیں۔ نیز یہ کہ آپ دوسرے لوگوں کو تو کچھ نہ دیں لیکن انہیں بیس ہزار کی قیمت کی زمین دے دیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر فرمایا اللہ آپ کو توفیق بخشے، بہتر جزا دے، حق بات یہی ہے جو آپ نے کہی ہے۔

اہل دَبا[۱] و ازدعمان کا ارتداد

دبا اور ازدعمان کے باشندوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دے کر اسلام کو قبول کر لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کے لیے اہل دبا ہی میں سے ایک شخص حذیفہ بن محصن البارقی الازدی کو متعین کیا تھا اور آپ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہاں کے دولت مند لوگوں سے صدقہ وصول کر کے وہاں کے فقراء میں تقسیم کر دینا؛ چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے ایسا ہی کیا۔ لیکن جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے، تو ان لوگوں نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا اور مرتد ہو گئے، حضرت حذیفہ نے انہیں توبہ کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے یہ رجز پڑھنا شروع کر دیا ؎

لقد اتانا خبر ردیٌّ   أمست قریش کلها نبیٌّ

ہمارے پاس یہ ردی خبر آئی ہے کہ قریش کا ہر فرد نبی ہو گیا ہے۔

ظلم لعمر اللہ عبقریٌّ

اللہ کی قسم! یہ تو ایک بہت بڑے ظلم کی بات ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ساری صورت حال لکھ بھیجی، آپ کو حالات کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے "ہلاکت ہو ان کے لیے! ان کی سرکوبی کون کرے گا؟" پھر آپ نے خود ہی حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو ان کی طرف بھیج دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہؓ کو بنی عامر بن صعصعہ کے زیریں علاقے کی

---

[۱] دَبا۔ دال اور با کے فتح کے ساتھ اور بعد میں الف ہے، یہ عمان کا دارالخلافہ تھا اور ایک بازار کی وجہ سے بہت مشہور تھا، جہاں عرب بکثرت آیا جایا کرتے تھے۔

طرف عامل بنا کر بھیجا تھا، جب آپ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات پہنچی تو آپ اسلام پر ثابت قدم رہنے والے عرب ساتھیوں کے ساتھ تبالہ کی طرف چلے گئے، ابھی آپ کعب بن ربیعہ کی زمین تبالہ میں ہی مقیم تھے کہ آپ کے پاس حضرت ابو بکرؓ کا خط پہنچا کہ اپنے مسلمان ساتھیوں کو لے کر اہل دبا کے مرتدین کی سرکوبی کے لیے چلے جاؤ۔ حضرت عکرمہؓ ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے دو ہزار مسلمانوں کو لے کر دبا کی طرف چل پڑے

اس وقت مرتدین کا سربراہ لقیط بن مالک ازدی تھا اسے جب حضرت عکرمہؓ کی آمد کا علم ہوا تو اس نے مقابلہ کے لیے ایک ہزار ازدی آدمیوں کو تیار کیا، حضرت عکرمہؓ کو خبر ملی کہ دشمن مقابلہ کے لیے بڑی فوجیں جمع کر رہا ہے تو انہوں نے صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے ایک دستہ بھیج دیا، ادھر دشمن نے بھی مسلمان لشکر کا جائزہ لینے کے لیے ایک دستہ بھیجا ہوا تھا؛ چنانچہ ایک مقام پر یہ دونوں دستے اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے کچھ دیر تک ایک دوسرے پر تیر اندازی کی لیکن لقیط کے ساتھی جلد ہی واپس جانے پر مجبور ہو گئے کیونکہ اس تھوڑے عرصہ میں ان کے ایک سو کے قریب آدمی مارے گئے تھے، عکرمہ کے مجاہدین نے فوراً ایک شہسوار کو بھیجا تاکہ وہ آپ کی خدمت میں اس خبر کو پہنچا دے، یہ خبر سنتے ہی آپ نے باقی لشکر کو ساتھ لیا اور فوراً اپنے اس دستہ کے پاس پہنچ گئے۔

اب سارا لشکر اسلام دشمن کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا، تھوڑی دیر کے بعد یہ لشکر دشمن کے بالمقابل صف آرا تھا، کچھ دیر تک معرکہ بڑا زبردست گرم رہا لیکن جلد ہی حضرت عکرمہؓ نے دشمن کو شکست دے دی اور اسے خوب تہہ تیغ کیا۔ شکست خوردہ دشمن میں سے ایک آدمی نے بھاگ کر لقیط بن مالک کو خبر دی کہ عکرمہ اس کی طرف آ رہا ہے، اس طرح حضرت حذیفہؓ اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو بھی حضرت عکرمہؓ کی آمد سے تقویت نصیب ہو گئی، دشمن حضرت عکرمہؓ کے مقابلہ میں زیادہ دیر یہ ٹھہر نہ سکا بلکہ شکست کھا کر شہر دبا کی طرف بھاگ نکلا، مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو کہ ایک مہینے تک جاری رہا۔ دشمن پر یہ محاصرہ انتہائی گراں گزرا کیونکہ اس نے قبل ازیں اس کی تیاری نہ کی تھی۔ بالآخر دشمن نے مجبور ہو کر حضرت حذیفہؓ کی طرف صلح کا پیغام بھیجا، انہوں نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ صلح تو

جلاوطنی پر مجبور کرنے والی جنگ یا رسواکن سلامتی ہی کی صورت میں ہو سکتی ہے دشمنوں نے کہا کہ جلاوطنی پر مجبور کرنے والی لڑائی کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ رسواکن سلامتی کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا "یہ کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ ہمارے مقتول جنت میں جائیں گے لیکن تمہارے مقتول جہنم رسید ہوں گے، ہم نے جو کچھ تمہارا لیا ہے وہ ہمارے پاس ہی رہے گا لیکن تم نے ہمارا جو کچھ لیا ہے وہ تمہیں واپس لوٹانا پڑے گا، یہ کہ تم اقرار کرو کہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر ہو اور ہم جو چاہیں تمہارے بارہ میں فیصلہ صادر کریں"۔ دشمنوں نے کہا ہم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا اچھا تم ہتھیار چھوڑ کر نکل جاؤ، پھر مسلمان ان کے قلعہ میں داخل ہو گئے اور حضرت حذیفہؓ نے فرمایا تمہارے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ تمہارے سرداروں کو قتل کر دیا جائے اور تمہاری اولادوں کو قیدی بنا لیا جائے؛ چنانچہ ایک سو سرکردہ افراد کو قتل کر دیا گیا اور ان کی اولادوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت حذیفہؓ ان قیدیوں کو لے کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے یہ قیدی تین سو جنگ جو مردوں اور چار سو بچوں اور عورتوں پر مشتمل تھے۔ حضرت عکرمہؓ بدستور دبا میں حضرت ابو بکرؓ کے عامل کی حیثیت سے رہے۔

حضرت حذیفہؓ ان قیدیوں کو لے کر جب مدینہ طیبہ میں آئے تو حضرت ابو بکرؓ نے انہیں رملہ بنت حارث کے مکان میں ٹھہرایا اور آپ کا ارادہ یہ تھا کہ جنگ جو آدمیوں کو قتل کر دیا جائے لیکن یہ لوگ دہائی دے رہے تھے کہ واللہ! ہم نے دین اسلام کو نہیں چھوڑا، ہم نے تو صرف مال و دولت کے لیے بخل سے کام لیا تھا لیکن حضرت صدیق اکبرؓ انہیں ان کی اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے، آپ نے حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا تو ان کا خیال تھا کہ انہیں چھوڑ دینا چاہیے۔

حضرت ابو بکرؓ کی وفات تک یہ لوگ رملہ کے گھر میں بند رہے، آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے انہیں چھوڑ دیا اور فرمایا تم آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو؛ چنانچہ یہ لوگ بصرہ جا کر آباد ہو گئے، انہی میں مہلب کے والد ابو صفرہ بھی تھے جو کہ ان دنوں ابھی بچے ہی تھے۔

جب غازیانِ اسلام دبا سے واپس لوٹے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہر ایک کو پانچ پانچ دینار دیئے۔

۱۲ھ حضرت خالدؓ کی عراق روانگی

جب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا دوسرا سال ہوا تو یہ ہجرت کا بارھواں سال تھا۔ اس سال حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کی طرف لکھا کہ جب آپ یمامہ سے فارغ ہوں تو عراق کی طرف چلے جائیں میں تمہیں جنگِ فارس بھی سپرد کرتا ہوں۔

حضرت خالدؓ تیس ہزار سے زیادہ لشکر لے کر روانہ ہوئے، اہل سواد نے صلح کر لی، پھر آپ نے اُبلہ کا رخ کیا تو کسریٰ ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لیے آیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فارسی مشرکوں کو شکست فاش سے دوچار کیا تو حضرت خالدؓ نے کسریٰ کی طرف یہ خط لکھا۔

> "اسلام لے آؤ سلامت رہو گے، یا جزیہ ادا کرو وگرنہ میں تمہارے پاس ایک ایسی فوج لے کر آیا ہوں جو موت کو اسی طرح پسند کرتی ہے، جیسے تم زندگی کو پسند کرتے ہو"۔

حضرت خالدؓ کے اس خط کے بعد فارسیوں نے آپ سے صلح کر لی۔

اسی سال حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے ساتھ مل کر حج کیا اور پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

۱۳ھ اس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر روانہ فرمائے اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ، ابوعبیدہؓ، عامر بن جراحؓ، شرجیل بن حسنہؓ اور عمرو بن عاصؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو ان پر امیر متعین فرمایا، مقابلے کے لیے رومی فلسطین کے بالائی جانب ستر ہزار کی تعداد میں مقابلے کے لیے جمع ہوئے، صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں صورت حال لکھ بھیجی اور کمک طلب کی تو آپ نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ اپنے توانا جوانوں کے ساتھ اہل شام کی مدد کرو اور کمزور لوگوں کی حفاظت کے لیے ایک جوان کو متعین کر دو۔

حضرت خالدؓ ان دنوں حیرہ میں قیام پذیر تھے۔ حضرت خالدؓ جنگجو ساتھیوں کو لے کر شام

کی طرف روانہ ہو گئے اور نحیف و ناتواں لوگوں کو آپ نے مدینہ منورہ کی طرف بھیج دیا عراق کے مسلمانوں کے لیے آپ نے مثنیٰ بن حارث کو مقرر کر دیا۔

حضرت خالدؓ چلتے چلتے شام پہنچ گئے اور راستہ میں راہ بصریٰ کو فتح کر لیا، یہ پہلا شہر تھا جو فتح کیا گیا۔ پھر تمام رومی مشرکین ایک جگہ جمع ہو گئے اور مسلمان مجاہدین اجنادین میں جمع ہو گئے اور پھر زبردست جنگ ہوئی، جس کی تفصیلات مشہور ہیں الغرض اس جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازا۔

رحلتِ صدیق اکبرؓ

اسی سال منگل کی رات سترہ جمادی الاخرہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے اللہ کو پیارے ہو گئے، آپ کی خلافت کی مدت دو سال، تین ماہ اور بائیس دن ہے۔ آپ نے وفات سے قبل حضرت عمر بن خطابؓ کو خلیفۃ المسلمین نامزد فرما دیا اور اپنے اللہ کے حضور درخواست کی۔

"اے اللہ میں نے ان میں سے سب سے بہتر کو ان کا خلیفہ بنا دیا ہے اور میرا ارادہ صرف اصلاح کا ہے، میں نے عمرؓ سے ڈرتے ہوئے انہیں نامزد نہیں کیا ہے۔

اے اللہ یہ تیرے بندے ہیں، ان کی پیشانیاں تیرے دست مبارک میں ہیں، ان کے حکمران کو ان کے لیے بہتر بنا دے اور انہیں اپنے خلفاء راشدین سے بنا کہ تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرے اور ان کی رعیت کو ان کے لیے بہتر بنا دے"۔

پھر حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمانے لگے۔

"رات کو اللہ کے ہمارے ذمہ کچھ حقوق ہیں جو وہ دن کو قبول نہیں فرماتا اور اسی طرح اس نے کچھ حقوق دن کو فرض کر رکھے جن کی ادائیگی رات کو قبول نہیں فرماتا، وہ اس وقت تک نفل عبادت کو قبول نہیں کرتا جب تک فرائض ادا نہ کیے جائیں، قیامت کے دن حق کی اتباع کرنے والوں کے میزان بھاری ہوں گے اور جس میزان میں حق کے سوا اور کچھ نہ ہو وہ زیادہ حق دار ہے کہ کل روزِ قیامت بہت وزنی ہو، اگر میری وصیت کو یاد رکھو گے تو موت سے زیادہ کوئی غائب

چیز تمہیں محبوب نہ ہو گی اور موت ایک دن ضرور آکر رہے گی اور اگر تم نے اس وصیت کو ضائع کر دیا تو موت سے بڑھ کر کوئی غائب چیز تمہیں ناپسند نہ ہو گی اور تم موت کو ٹال نہ سکو گے"۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد آپ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہؓ کو وراثت میں سے چھٹا حصہ ملا۔ جب لشکروں کے امراء کے پاس حضرت ابوبکرؓ کے خطوط پہنچے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا ہے تو سب نے حضرت عمرؓ کی بیعت کر لی۔

پھر مسلمان اردن کی طرف مقام فحل پر چلے گئے جہاں رومی لشکر جمع تھے، اسی مقام پر جنگِ فحل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا اور مشرکین دمشق کی طرف بھاگ گئے۔

سنہ ۱۴ھ

سنہ ۱۴ھ میں مسلمان دمشق کی طرف روانہ ہوئے، میر کارواں حضرت خالدؓ تھے کہ حضرت عمرؓ نے خط بھیجا کہ حضرت خالدؓ معزول ہیں اور اب حضرت ابوعبیدہؓ بن جراحؓ امیر لشکر ہوں گے۔

اسی سال حضرت عمر فاروقؓ نے نمازِ تراویح باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا، اسی سال جریر بن عبداللہ بجلیہ سے ایک لشکر لے کر آئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ عراق چلے جاؤ چنانچہ حضرت جریرؓ اس لشکر کو لے کر عراق تشریف لے گئے اور جب مثنیٰ بن حارثہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے لکھا کہ آگے تشریف لے آؤ تم میری امداد کے لیے آئے ہو، جریر نے کہا آپ امیر جیش ہیں میں بھی امیر ہوں، پھر دونوں اکٹھے ہو گئے اور بویب کا مشہور واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو عراق کا امیر بنا دیا اور انہیں وصیت فرماتے ہوئے لکھا۔

"اے سعد! تمہیں یہ بات مبتلائے فریب نہ کر دے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور صحابی ہو، اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو نیکی سے مٹاتا ہے، اللہ اور کسی فرد کے درمیان رشتہ صرف اطاعت کا ہے،

اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور ذلیل سب برابر ہیں، اللہ ان کا رب اور یہ اس کے بندے ہیں، عافیت ہی سے یہ بلند درجات حاصل کریں گے، اللہ کی رضا و خوشنودی اطاعت سے حاصل کریں گے، ہر حال میں اس امر کو پیش نظر رکھو، جس پر آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے لے کر وفات تک دیکھا ہے، کیونکہ امر ہے تو یہی امر ہے"۔

پھر آپ نے مثنیٰ اور جریر کی طرف لکھا کہ تم بھی سعد کے پاس پہنچ جاؤ؛ چنانچہ حضرت سعدؓ اپنے رفقا سمیت مقام شراف میں فروکش ہو گئے اور گرد و پیش کے لوگ آپ کے پاس مجتمع ہو گئے۔

۱۵ھ اور فتح قادسیہ

حضرت سعدؓ جب قادسیہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں امداد کے لیے خط لکھا تو آپ نے مدینہ منورہ سے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرما دیا اور حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف لکھا کہ ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ امداد کے لیے پہنچو۔

رستم بن فرخذان نے جب مسلمانوں کی اس تیاری کی خبر سُنی تو ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر قادسیہ آگیا، خدام وغیرہ اس کے علاوہ تھے، رستم اور مسلمانوں کے درمیان قادسیہ کا پل تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ رستم کا لشکر تین لاکھ افراد پر مشتمل تھا اور ان کے پاس تینتیس ہاتھی بھی تھے، مسلمانوں کا سارا لشکر تیس ہزار تھا اور پھر وہ مشہور جنگ ہوئی جو قادسیہ کے نام سے معروف ہے، اس جنگ میں بھی مشرکوں کو شکست ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ نے فارسیوں کو شکست فاش سے دوچار کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کی طرف خط لکھا۔

"مسلمانوں کے لیے ایک دار ہجرت بناؤ اور عربوں کے لیے وہی مقام موزوں ہو سکتا ہے جو اونٹوں اور بکریوں کے لیے بھی مفید ہو لہٰذا دریا کی جانب کوئی ایسا میدان منتخب کرو جس میں گھاس کی چراگاہیں وغیرہ بھی ہوں"۔

حضرت سعدؓ نے عثمان بن حنیف کو بھیج دیا؛ چنانچہ انہوں نے یہ مقام منتخب کیا جہاں آج کوفہ ہے، حضرت سعدؓ لوگوں کو لے کر یہاں تشریف لے آئے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کی طرف لکھا کہ ارضِ ہند یعنی بصرہ کی طرف ایک لشکر بھیجو جو وہاں جا کر آباد ہو جائے؛ چنانچہ حضرت سعدؓ نے عتبہ بن غزوان کے ہمراہ تین سو آدمیوں کو بھیج دیا جو کہ بصرہ آکر آباد ہو گئے۔

اسی سال شام میں مشہور جنگ یرموک ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا سفر اختیار کیا اور جابیہ میں فروکش ہوئے اور بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ صلح کر لی۔ انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ صلح کرنے سے انکار کر دیا اور کہا جب تک حضرت عمرؓ تشریف نہیں لائیں گے ہم صلح نہیں کریں گے۔ آپ جب یہاں تشریف لائے تو مختلف لشکروں کے امراء آپ کے پاس جمع ہو گئے، آپ نے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ تین دن تک یہ دم کو خالی کر دیں گے۔

جب آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو آپ نے دیوان کا نظام جاری کیا اور دین و ایمان میں سبقت کے مطابق عطیات تقسیم فرمائے؛ چنانچہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت داری کے پیشِ نظر حضرت عباسؓ کو اولیت دی اور پھر جو شخص جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا اسی قدر اسے ترجیح دی گئی۔

۱۶ھ کے واقعات

اس سال حضرت عمرؓ نے تاریخ لکھنے کا آغاز کیا اور اس سلسلہ میں آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ تاریخ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے، بعض صحابہ نے کہا کہ آغاز نبوت سے بعض نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اور بعض نے کہا کہ ہجرت سے ابتداء کرنی چاہیے؛ چنانچہ آپ نے آخری تجویز کو پسند کرتے ہوئے سالِ ہجری کا آغاز کر دیا۔

۱۷ھ کے واقعات

اس سال مشرق و مغرب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت سی فتوحات سے نوازا تستر بھی اسی سال فتح ہوا تھا، جہاں سے حضرت دانیال علیہ السلام کا جسد مبارک برآمد ہوا تھا، مشرکین آپ کے جسدِ مبارک

برآمد ہوا تھا، مشرکین آپ کے جسد مبارک کے پاس آکر بارش طلب کیا کرتے تھے۔

اسی سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے نکاح کیا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو رشتہ مصاہرت کا بھی شرف نصیب ہو جائے

سنہ ۱۸ھ کے واقعات

اس سال لوگوں کو بڑے زبردست قحط کا شکار ہونا پڑا، بھوک کی وجہ سے انسانوں اور حیوانوں کے بکثرت مرنے کی وجہ سے اسے عام الرمادہ ــــ ہلاکت کا سال ــــ کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صلوۃ الاستسقاء پڑھائی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ دعا کریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ دعا کر رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگ آمین کہہ رہے تھے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور قحط کو ختم کر دیا۔

اسی سال شام کے مقام عمواس میں طاعون کی زبردست وبا پھیلی۔ جس سے پچیس ہزار انسان لقمہ اجل بنے، اسی مرض کے باعث حضرت ابو عبیدہ بن عامر الجراح رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یزید بن ابی سفیان نے انتقال فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کا امیر مقرر کر دیا۔

سنہ ۱۹ھ کے واقعات

سنہ ۱۹ھ میں مشرق و مغرب کے بہت سے علاقوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا۔

سنہ ۲۰ھ کے واقعات

اس سال مصر اور اسکندریہ فتح ہوئے اور اسی سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو حجاز سے اذرعات وغیرہ کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔

سنہ ۲۱ھ کے واقعات

اس سال نہاوند فتح ہوا، اس جنگ میں مسلمانوں کے امیر نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ تھے جو کہ شہید ہو گئے تھے۔ اسی سال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حمص میں وفات پائی۔ اسی سال عمرو بن معدی کرب اور طلیحہ بن خویلد اسدی فوت ہوئے۔ طلیحہ وہی ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا لیکن پھر مسلمان ہو گیا تھا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا تھا، فارسیوں کے ساتھ جہاد میں بڑی آزمائش سے دوچار

ہوا اور بالآخر نعمان بن مقرن کے ساتھ شہید ہو گیا۔

۲۲ھ کے واقعات

۲۲ھ میں حضرت احنف بن قیس خراسان میں داخل ہوئے اور آخری فارسی بادشاہ یزدگرد کے ساتھ جنگ کی جس میں اللہ تعالیٰ نے یزدگرد کو شکست دی۔

اسی سال حضرت عمر فاروقؓ نے عمرہ کیا تو مکہ کے گورنر نافع بن حارث نے آپ کا استقبال کیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا اپنا نائب کسے بنا کر آئے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا "ابن ابزی کو" آپ نے فرمایا "ابن ابزی کون ہیں"؟ نافع نے جواب دیا کہ "ہمارے ایک آزاد کردہ غلام ہیں" آپ نے فرمایا "آزاد کردہ غلام"! انہوں نے کہا "جی ہاں لیکن وہ قاری قرآن اور علم میراث کا بہت بڑا عالم ہے"۔ آپ نے فرمایا "بہت خوب! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا"۔

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین۔	اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ساتھ کچھ اقوام کو سربلند فرما دے گا اور کچھ کو نیچے گرا دے گا۔

۲۳ھ کے واقعات

۲۳ھ میں بدھ کے دن ۲۶ ذوالحجہ کی صبح کی نماز میں حضرت عمر فاروقؓ کو شہید کر دیا گیا اور بروز اتوار یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو آپ کی تجہیز و تکفین اور تدفین عمل میں لائی گئی ۲۳ھ کے آخر میں آپ جب حج سے واپس تشریف لائے تھے تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک سرخ رنگ کے مرغے نے مجھے دو یا تین بار ٹھونگیں ماری ہیں اور میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ میری اجل قریب آ گئی ہے، پھر آپ بازار کی طرف نکلے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام ابو لؤلؤہ مجوسی آپ سے ملا جو کہ چکی بنانے کا ماہر تھا، وہ آپ سے کہنے لگا کیا آپ میرے آقا سے گفتگو نہیں کریں گے کہ وہ میرے محصول کو کم کر دے؟ آپ نے فرمایا تمہارا محصول کتنا ہے؟ اس نے جواب دیا "ایک دینار"۔ آپ نے فرمایا "تم اچھے کاریگر ہو، ایک دینار زیادہ نہیں"۔ ابو لؤلؤہ کہنے لگا "آپ کا عدل و انصاف لوگوں کے لیے نہایت

وسیع لیکن میرے لیے بہت تنگ ہے"۔ الغرض وہ اس قدر ناراض ہوا کہ اس نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس غرض سے ایک خنجر تیار کیا، جو کہ دو دھاری تھا اور پھر اسے زہر میں بجھایا اور پھر وہ اسے لے کر ہرمزان کے پاس چلا آیا اور کہنے لگا "یہ خنجر کیسا ہے"؟ اس نے کہا جس کو بھی یہ مارو گے، وہ فوراً قتل ہو جائے گا۔[1]

---

[1] ابولؤلؤہ اسلام سے زبردست کینہ رکھنے والے یہودیوں کا ایک بہت بڑا جاسوس تھا کیونکہ اسلام نے فارسیوں کی سلطنت کی تمام قوت و شوکت کو نابود کر کے صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا۔ ابولؤلؤہ حیلہ سازی سے مدینہ منورہ میں آ کر حضرت مغیرہ بن شعبہ کا غلام بن گیا تھا۔ ابولؤلؤہ اور اس جیسے دیگر فارسی اور یہودی کینہ دروں نے اسلام کے خلاف جنگ کے لیے ایک خفیہ تنظیم قائم کر رکھی تھی، بقول بعض کعب احبار کا بھی اسی تنظیم سے تعلق تھا۔ واللہ اعلم۔ حضرت عمرؓ کی شہادت اس خفیہ تنظیم کی پہلی سازش ہے، حضرت عمرؓ ان کی آنکھوں میں بری طرح کھٹکتے تھے کیونکہ آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کی سلطنت کو نیست و نابود کیا تھا، آپ محدث و ملہم بھی تھے، اس لیے یہ لوگ آپ کی ذہانت، فراست اور دوراندیشی سے بہت خائف تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی حیات میں انہیں اس قدر کامیابی نصیب نہ ہوئی جس قدر آپ کی شہادت کے بعد ہوئی، وہ فتنہ جس میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے، جنگ صفین، شہادت علی مرتضیٰ اور شہادت حسینؓ کے پیچھے انہی کی سازشیں کام کر رہی تھیں اور تب سے لے کر اب تک برابر اپنی سازشوں میں مصروف عمل ہیں حتیٰ کہ فلسطین پر یہودیوں کا تسلط اور وہاں کے اصلی باشندوں کی جلاوطنی بھی انہی سازشوں کی ایک کڑی ہے کہ اب وہاں وہ لوگ آباد ہو گئے ہیں جو انتہائی مفسد، خبیث، ملعون و مغضوب ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا تھا اور یہ سب کچھ فارسی و یہودی ملی بھگت کا نتیجہ ہے جو ہر دور میں مختلف روپ بدل کر سازشوں اور شرارتوں میں مصروف پیکار رہی۔ غالی قسم کے صوفیہ اور نئے نئے مذاہب مثلاً قادیانیت، بہائیت، خانقاہیت وغیرہ، تو اس کے دو لیسے پرفریب ہتھیار ہیں جن کی بدولت مسلمانوں کا شیرازہ بہت زیادہ منتشر ہوا۔ اور گروہ بندیوں اور فرقہ پرستیوں نے راہ پائی۔ كل حزب بما لديهم فرحون۔

حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز میں جب تکبیر کہی تو ابو لؤلؤہ نے اس خنجر کے ساتھ آپ پر تین بار وار کیا۔ سارا واقعہ تفصیل کے ساتھ صحیحین میں موجود ہے۔

آپ کی خلافت کی مدت دس سال، چھ ماہ اور چار یا پانچ دن ہے۔ آپ کی شہادت سے فتنہ کا ایک ایسا دروازہ کھلا جو آج تک بند نہیں ہو سکا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے ایک مرتبہ آپ سے کہا کہ میں نے تورات میں دیکھا ہے کہ آپ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں، آپ نے فرمایا اس کی ذرا وضاحت کیجیے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ آپ ایک بند دروازہ ہیں تاکہ لوگ گھس نہ جائیں لیکن جب آپ وفات پا جائیں گے تو وہ دروازہ کھل جائے گا۔

آپ کے دستِ مبارک سے اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایک ہزار چھتیس شہر فتح کرنے کی مسلمانوں کو توفیق بخشی آپ نے چار ہزار کلیساؤں اور گرجا گھروں کو تباہ و برباد کیا، چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائیں، دیوان مرتب کیے، شہر آباد کیے، خراج کا طریقہ ایجاد کیا اور تاریخ کا آغاز فرمایا۔ آپ کے فضائل و مناقب مشہور و معروف اور آپ کے کارہائے نمایاں ناقابلِ فراموش ہیں۔

۲۴ھ کے واقعات

۲۴ھ میں یکم محرم یا حضرت عمرؓ کی تدفین کے تین دن بعد یعنی تین محرم کو حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب کیے گیے، آپ زمانہ قدیم ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، آپ سابقون میں سے تھے، صاحبِ شرف و علم تھے، دو ہجرتیں کیں، دونوں قبلوں کی طرف نمازیں پڑھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں آپ کے حبالۂ عقد میں دی تھیں اور یہ ایسا شرف ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کسی دوسرے انسان کو نصیب نہیں ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عزت فرماتے اور آپ سے استحیا کرتے اور فرماتے۔

ما لا استحی ممن تستحی منه ملائكة السماء۔ — میں اس شخص سے حیا کیوں نہ کروں، جس سے آسمانوں کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

اسی سال حضرت سراقہ بن مالک، ام فضل زوجہ حضرت عباس اور ام ایمن نے انتقال فرمایا۔

رضی اللہ عنہم۔

۲۵ھ کے واقعات

اسی سال مشہور مؤذن حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ اور عمیر بن وہب بن خلف جمحی ؓ فوت ہوئے، عمیر وہی ہیں جنہوں نے جنگ بدر کے دن مسلمانوں کو کافروں کی تعداد سے ڈرایا تھا اور پھر اس نے اور صفوان بن خلف جمحی نے معاہدہ کیا کہ وہ مدینہ منورہ جاکر (نعوذ باللہ) اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دے گا؛ چنانچہ یہ مدینہ منورہ میں اپنے بیٹے وہب کو چھڑانے کے بہانے گیا جو کہ جنگِ بدر میں قید ہو گیا تھا؛ چنانچہ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اس معاہدے کی ساری تفصیل بیان فرمادی جو ان کے اور صفوان کے مابین قرار پایا تھا چنانچہ عمیر اس قدر متاثر ہوا کہ کلمہ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

اسی سال عروہ بن حزام عاشق کا انتقال ہوا۔

۲۶ھ کے واقعات

اس سال حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے افریقیہ پر چڑھائی کی، عبداللہ بن نافع بن قیس ؓ، عبداللہ بن نافع بن حصین ؓ اور عبداللہ بن زبیر ؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے، مقابلہ کے لیے بربر کا بادشاہ جرجیس دو لاکھ کی فوج لایا لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے اسے میدانِ جنگ میں قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی۔

اسی سال حضرت خارجہ بن زید انصاری ؓ نے رحلت فرمائی، جنہوں نے وفات کے بعد بھی یہ کلام کیا تھا۔

"دو راتیں گزر گئی ہیں اور چار باقی رہ گئی ہیں، بئر اریس، تمہیں کیا خبر کہ بئر اریس کیا ہے"؟

اسی سال حضرت عثمان ؓ نے عمرہ ادا فرمایا تو اہل مکہ نے درخواست کی کہ جدہ کو ساحل بنا دیا جائے کیونکہ یہ مکہ کے زیادہ قریب بھی ہے اور وسیع بھی، اس سے قبل شعیبہ[1] بطور

---

[1] شعیبہ یمن کے راستہ میں بحرِ حجاز کے ساحل پر ایک بستی تھی۔

ساحل استعمال ہوتا تھا، حضرت عثمانؓ نے جدہ جاکر ساحل کا معائنہ فرمایا اور اسے ساحل بنانے کا حکم دے دیا۔

۲۷ھ کے واقعات

ابن جریر کے قول کے مطابق اس سال حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ہاتھوں افریقیہ و اندلس فتح ہوئے اور اسی سال حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو معزول کر کے عبداللہ بن سعدؓ کو مصر کا حاکم بنا دیا۔ اسی سال بدری صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ نے رحلت فرمائی۔

۲۸ھ کے واقعات

اس سال حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے ایک بحری جنگ لڑی، حضرت عبادہ بن صامتؓ اور آپ کی بیوی ام حرام بنت ملحان — حضرت ام سلیم کی بہن — بھی آپ کے ساتھ تھیں جو کہ سواری کے جانور سے گر کر شہید ہو گئی تھیں۔ یہ وہی خاتون ہیں، جن کے گھر میں ایک بار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا اور جب بیدار ہوئے تو تبسم فرما رہے تھے انہوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا میرے سامنے میری امت کے کچھ افراد پیش کیے گئے جو کہ غازیان راہ خدا تھے اور سمندر میں سفر کر رہے تھے، گویا وہ تختوں پر جلوہ فروز بادشاہ ہیں تو انہوں نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے، آپ نے فرمایا تو انہی میں سے ہے پھر آپ سو گئے اور کچھ دیر بعد مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے تو انہوں نے پھر سوال کیا اور آپ نے پہلے ہی کی طرح جواب ارشاد فرمایا، انہوں نے پھر درخواست کی دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے، آپ نے فرمایا تم پہلے گروہ سے ہو۔

اسی سال حضرت معاویہؓ نے قبرص میں لڑائی لڑی لیکن وہاں کے لوگوں کی درخواست پر آپ نے صلح کر لی۔

۲۹ھ کے واقعات

اس سال کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں شکایت کی کہ مسجد نبوی تنگ ہے؛ چنانچہ آپ نے مسجد کی توسیع کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ منقش پتھر اور چونا وغیرہ استعمال کیا جائے،

اسی طرح مسجد حرام کی بھی اسی سال توسیع کی گئی اور اسی سال حضرت سلیمان بن ربیعہ باہلی نے وفات پائی، حضرت عمرؓ نے آپ کو مدائن کا قاضی مقرر کیا تھا، چالیس دن تک آپ کی خدمت میں فیصلہ کے لیے ایک بھی معاملہ پیش نہ ہوا (یعنی لوگ اس قدر پرامن اور پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے کہ لڑائی جھگڑوں تک کم ہی نوبت پہنچتی تھی)۔

۳۰ھ کے واقعات

اس سال حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی بئر اریس میں گر گئی، انگوٹھی کی تلاش میں کنوئیں کا سارا پانی نکال دیا گیا لیکن انگوٹھی نہ ملی، حضرت عثمانؓ کو اس مبارک انگوٹھی کی گمشدگی سے بڑا صدمہ ہوا اور اس کے بعد رعایا میں بھی کچھ ایسا خلل واقع ہو گیا جو پہلے نہ تھا۔

اسی سال حضرت سعید بن عاصؓ نے خراسان پر چڑھائی کی، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

اسی سال حضرت ابوذرؓ نے حضرت معاویہؓ اور اہل شام کو نہایت سختی سے منع کرنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استمتاع اور مال و دولت کی وسعت جائز نہیں ہے کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ جس مسلمان کے گھر ایک بھی درہم یا دینار ہو تو اس کا شمار سونے چاندی کا ذخیرہ جمع کرنے والوں میں سے ہوگا؛ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے ساری صورت حال حضرت عثمان کی خدمت میں لکھ بھیجی، آپ نے جواب میں لکھا کہ حضرت ابوذرؓ کو مدینہ بھیج دو۔ مدینہ طیبہ میں بھی جب بعض فتنہ انگیز لوگوں نے حضرت ابوذرؓ کے ارد گرد جمگھٹا شروع کر دیا تو آپ نے حضرت عثمانؓ کی اجازت سے مدینہ طیبہ کے باہر مقام ربذہ میں سکونت اختیار کر لی اور وفات تک ربذہ ہی میں قیام پذیر رہے[1]۔

اسی سال لوگوں کی کثرت کے باعث حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن زوالِ

---

[1] آج کے بعض سوشلسٹ حضرات حضرت ابوذرؓ کے موقف کو اپنے غلط نظریات کی تائید میں پیش کر کے عوام کو دھوکا دے رہے ہیں، آپ کے صحیح موقف کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ہمارا مقالہ ملاحظہ فرمائیے "حضرت ابوذرؓ اور انکا معاشی نظریہ" شائع کردہ مجلس التحقیق الاسلامی فیصل آباد۔

پر کھڑے ہو کر ایک اور اذان شروع کر دی جائے؛ چنانچہ آپ کی یہ جاری کردہ سنت آج تک ہر جگہ قائم ہے۔ زوراء حضرت عثمانؓ کا مدینہ طیبہ میں مکان تھا۔

اسی سال سید القراء اور یکے از قراء اربعہ حضرت ابی بن کعب نے وفات پائی۔

سنہ ۳۱ھ کے واقعات اسی سال آخری فارسی بادشاہ یزدگرد قتل ہوا، یہ وہی بادشاہ تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکتوب گرامی کو چاک کر دیا تھا جس میں آپ نے اسے دعوت اسلام دی تھی، اس کے گرامی نامہ چاک کرنے کے باعث آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ اس کی سلطنت کو چاک کر دے۔

اسی سال حبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیہ کو فتح کیا۔

واقدی نے لکھا ہے کہ اسی سال سمندر میں بادبانی جہازوں کے چلنے کا آغاز ہوا۔

اسی سال محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمانؓ کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کی اور ان امور کا ذکر کیا جن میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی مخالفت کی تھی۔ نیز یہ بھی کہتے تھے کہ حضرت عثمان کا خون بہانا حلال ہے۔

سنہ ۳۲ھ کے واقعات اس سال حضرت معاویہؓ نے بلادِ روم میں جہاد کیا حتی کہ آپ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے اور اسی سال حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ ــــ جندب بن جنادہ ــــ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ اور حضرت ابوسفیان بن حربؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔

سنہ ۳۳ھ کے واقعات اس سال اہل عراق نے حضرت عثمانؓ کا بُرے انداز میں ذکر کرنا شروع کیا، سعید بن عامر کی مجلس میں تو انہوں نے آپ کی بابت نہایت خبیث طرزِ کلام اختیار کیا، سعید بن عامر نے حضرت عثمانؓ کو ان کے بارے میں لکھا تو آپ نے حکم بھیجا کہ انہیں شام کی طرف جلا وطن کر دو۔ شام میں حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے اکرام اور تالیفِ قلوب میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور انہیں نصیحت بھی کی لیکن ان کی طرف سے جواب دینے والے نے ناشائستہ انداز ہی اختیار کیا،

آپ نے انہیں پھر نصیحت فرمائی لیکن یہ لوگ اپنی ضلالت، جہالت اور شرارت میں بڑھتے ہی گئے اور جب باز نہ آئے تو حضرت معاویہؓ نے انہیں شام سے نکال دیا۔ یہ دس آدمی تھے، جن کے نام یہ ہیں (۱) کمیل بن زیاد (۲) اشتر نخعی — مالک بن یزید — (۳) علقمہ بن قیس نخعی (۴) جندب بن زہیر عامری (۵) جندب بن کعب ازدی (۶) عروہ بن جعد (۷) عمرو بن حمق خزاعی (۸) صعصعہ بن صوحان (۹) اس کا بھائی زید بن صوحان اور (۱۰) ابن الکوّاء۔ یہ لوگ شام سے جزیرہ چلے گئے اور پھر انہوں نے حمص کو اپنا ٹھکانا بنالیا حتیٰ کہ انہوں نے فتنہ کی اس آگ کو بھڑکایا جس میں حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے۔

اسی سال حضرت مقداد بن عمرؓ نے انتقال فرمایا۔

۳۴ھ کے واقعات

اس سال حضرت عثمانؓ سے انحراف کرنے والے لوگوں نے آپس میں خط و کتابت شروع کر دی، ان میں سے اکثریت اہل کوفہ کی تھی، انہوں نے آپس میں عہد و پیمان باندھے کہ ہم نے حضرت عثمانؓ پر جو جو اعتراضات کیے ہیں، ان کی بابت آپ سے مناظرہ کریں گے؛ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی بھیجے تاکہ وہ آپ سے یہ مناظرہ کریں کہ جن لوگوں کو آپ نے مختلف علاقوں کے حاکم مقرر کیا ہے، کیوں کیا ہے؟ اور جنہیں معزول کیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ حتیٰ کہ جب ان کی شرارتیں آپ پر نہایت گراں گزرنے لگیں تو آپ نے مختلف امراء کو بلا کر مشورہ کیا تو ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کے مطابق مشورہ دیا اور پھر اتفاق اس بات پر ہوا کہ آپ نے عمال کو بدستور اپنے اپنے مقام پر برقرار رکھا اور ان لوگوں کی تالیف قلبی کی اور حکم دیا کہ انہیں میدان جہاد اور سرحدوں کی طرف بھیج دیا جائے لیکن اس طرح بھی ان کی سرکشی اور بغاوت میں کوئی کمی نہ آئی۔

اس سال حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ فوت ہوئے۔

۳۵ھ کے واقعات

اس سال صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عامر بن ربیعہؓ کی وفات ہوئی، آپ زمانہ قدیم ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے،

جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے۔

اسی سال اہل مصر اور ان کے ہم نواؤں کی ایک جماعت نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی۔ اس فتنہ کا منبع اور سرچشمہ عبداللہ بن سبا تھا، جو کہ صنعاء کا ایک یہودی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں اس نے اپنی اسلام دشمنی اور کفر کو چھپانے کے لیے اسلام کا اظہار کر دیا اور لوگوں کو ضلالت پر آمادہ کرنے کے لیے اس نے مسلمانوں کے شہروں میں آنا جانا شروع کر دیا؛ چنانچہ اس غرض سے اس نے حجاز، بصرہ کوفہ اور شام کے چکر لگائے لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی بلکہ لوگوں نے اسے اپنے اپنے علاقوں سے نکال دیا حتی کہ مصر میں آکر اس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں، فتنہ کی قیادت کی اور اللہ و رسول سے عداوت کے پیش نظر اس نے فتنہ کی آگ کو خوب بھڑکایا حتی کہ اسی سال ماہ ذوالحج میں انہی مجرم خارجیوں کے ہاتھوں حضرت عثمانؓ کے محاصرہ اور قرآن مجید کی تلاوت کی حالت میں آپ کی شہادت جیسی مصیبتِ عظمیٰ رونما ہوئی۔ آپ کی شہادت سے وہ عظیم فتنہ واقع ہو گیا، جس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیشگوئی فرما چکے تھے اور ابھی تک لوگ اس فتنہ کے شر میں مبتلا ہیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ جس رات حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تھا، آپ نے خواب دیکھا کہ آپ کے پاس کوئی آکر یہ کہہ رہا ہے اٹھو اور اللہ سے سوال کرو کہ آپ کو فتنہ سے محفوظ رکھے جیسے کہ اس نے اپنے نیک بندوں کو بچایا ہے؛ چنانچہ آپ اٹھے نماز پڑھی، دعا کی اور اللہ کے پاس شکایت کی لیکن افسوس کہ محاصرہ سے آپ کا جنازہ ہی باہر نکلا۔

اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ بن ابی طالب اپنے گھر میں بیٹھ گئے، کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ امیرالمومنین ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں اس بات کا اختیار نہیں ہے بلکہ اہل بدر کو ہے اہل بدر نے بھی آپ سے درخواست کی تو آپ گھر سے باہر نکل آئے اور لوگوں

نے بیعت کرنا شروع کر دی البتہ حضرت معاویہؓ اور اہل شام نے آپ کی اطاعت قبول نہ کی تو آپ نے ان کے پاس جانے کا قصد کیا تاکہ انہیں بیعت پر آمادہ کریں۔

جنگِ جمل

حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہ و زبیر کی معیت میں حج کے لیے جا رہی تھیں اور یہ بھی مقصد تھا کہ بصرہ میں یہ حضرات جا کر لوگوں کی اصلاح بھی کریں گے اور انہیں مجتمع کرنے کی بھی کوشش کریں گے، ادھر حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا تاکہ لوگوں کو حضرت علیؓ کی حمایت پر آمادہ کر کے لے آئیں، چنانچہ حضرت حسنؓ انہیں لے کر جا رہے تھے اور ادھر سے حضرت علیؓ مدینہ منورہ سے چھ سو آدمیوں کو لے کر آ رہے تھے کہ تمام ذی قار میں جمع ہو گئے اور پھر حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بصرہ کے قریب جمع ہوئے چونکہ دونوں لشکروں میں کچھ خارجی لوگ تھے، انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ اگر دونوں گروہوں کے درمیان صلح ہو گئی تو ہمارے راز طشت از بام ہو جائیں گے لہٰذا انہوں نے دونوں جماعتوں کے درمیان آگ کے شعلے بھڑکا دینے ہی میں عافیت سمجھی، انہی کی اس سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ مشہور جنگ جمل کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس جنگ کو جمل اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ جنگ میں اونٹ پر سوار تھیں۔ اونٹ کے میدانِ جنگ میں پاؤں کاٹ دیئے گئے تو حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ ہودج کو اٹھا لیا جائے، محمد بن ابوبکرؓ اور عمار بن یاسر نے ہودج کو اٹھا لیا۔ محمد نے اپنا ہاتھ ہودج میں داخل کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول

لہ حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ امام ذہبیؒ نے حضرت عثمانؓ کے حالات و فضائل ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ لوگوں نے آپ کو شہید کیا تو آپ تو اللہ کی رحمت میں چلے گئے لیکن آپ کو شہید کرنے والے ذلیل و خوار ہو گئے ان پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا کیونکہ بعد میں حکومت آپ کے نائب حضرت معاویہؓ اور ان کے صاحبزادوں اور پھر آپ کے وزیر مروان اور ان کی اولاد میں آٹھ آدمیوں میں رہی ان لوگوں نے اکثر حضرت عثمانؓ کی زندگی ختم کرنے والوں کے برادران خون زادوں اسی سال سے بھی زیادہ عرصہ تک ان پر حکومت کرتے رہے۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پر یہ ہاتھ اٹھانے والا کون ہے؟ اللہ اسے نذر آتش کرے! محمد نے کہا "بہن یہ بھی کہیے کہ دنیا کی آتش میں" آپ نے فرمایا "ہاں دنیا کی آتش میں" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگِ جمل جمادی الآخرہ ۳۶ھ میں ہوئی تھی۔

پھر حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی ملاقات ہوئی تو ہر ایک نے دوسرے کے سامنے معذرت کی اور پھر حضرت علیؓ نے آپ کو ضروری ساز و سامان اور اہل بصرہ کی چالیس معروف عورتوں کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

اس سال حضرت حذیفہؓ حضرت ابو رافعؓ اور حضرت قدامہ بن مظعون نے وفات پائی۔

۳۷ھ کے واقعات

۲۳ محرم کو حضرت علیؓ اور اہل شام کی صفین میں ملاقات ہوئی اور پھر وہ جنگ ہوئی جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے، صفین شام اور عراق کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، جب دونوں فریق مصیبت میں پھنس گئے، کئی دن گزر گئے اور دونوں فریقوں میں خوب خون ریزی ہوئی تو شامی فوج نے نیزوں پر قرآن مجید اٹھا لیے اور کہنے لگے کہ ہم تمہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلاتے ہیں، لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور حکومت کی طرف متوجہ ہو گئے

اہل شام نے حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنا وکیل بنایا اور لکھ لیا کہ یہ دونوں حضرات جو فیصلہ کریں گے وہ فریقین کو قبول کرنا پڑے گا۔ حسب وعدہ رمضان المبارک میں یہ دونوں حضرات دومۃ الجندل کے مقام اُذرح میں جمع ہوئے لیکن کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تو حضرت علیؓ عراق کی طرف اور حضرت معاویہؓ شام کی طرف چلے گئے حضرت علیؓ جب کوفہ پہنچے تو خوارج نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا کہ آپ نے اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو حکم تسلیم کر لیا ہے اور عراق میں حروراء نامی ایک مقام پر اکٹھے ہو گئے، اسی وجہ سے انہیں حروریہ بھی کہا جاتا ہے، حضرت علیؓ نے ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیجا

۔ آپ کا کہنا ہے کہ میں نے ان سے زیادہ اجتہاد اور عبادت کرنے والے نہیں دیکھے ۔ تو آپ نے پوچھا تم حضرت علیؓ پر کیا عیب لگاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ان میں تین عیب ہیں (۱) انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے سلسلہ میں غیر اللہ کو حاکم بنالیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ[1] خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔

(۲) انہوں نے قتال کیا ہے لیکن کسی کو قیدی بنایا ہے اور نہ مال غنیمت حاصل کیا ہے ۔ اگر وہ مومن تھے تو ان سے لڑائی جائز نہیں اور اگر وہ کافر تھے تو ان کا مال ہمارے لیے جائز ہے اور انہیں قیدی بنانا بھی روا ہے ۔

(۳) انہوں نے اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ مٹا دیا ہے ۔ اگر وہ امیر المؤمنین نہیں تو پھر کیا امیر الکافرین ہیں ؟

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کے یہ اعتراضات سن کر فرمایا کہ دیکھو جن باتوں کو تم پسند نہیں کرتے ہو، ان کی تائید میں اگر میں کتاب وسنت سے دلائل پیش کر دوں تو کیا رجوع کر لو گے ؟ سب نے کہا جی ہاں تو آپ نے فرمایا "تمہارا پہلا اعتراض یہ ہے کہ آپ نے دین کے بارے میں اللہ کے بجائے غیر اللہ کو حاکم بنالیا ہے، تو سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ...... يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ[2]

مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا .... تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ

اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں اَن بَن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان

---

[1] یوسف ۴۰ [2] مائدہ ۹۵ [3] النساء ۳۵

اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔ — مرد سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کر دو۔

تو ان ارشادات ربانی کو سامنے رکھتے ہوئے خدا کے لیے بتاؤ کہ باہمی اصلاح، خون اور مال کے تصفیہ طلب امور کے لیے آدمیوں کو منصف بنانا زیادہ موزوں ہے یا ربع درہم قیمت کے خرگوش اور عورتوں کے مسائل کے سلسلہ میں منصف بنانا بہتر ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ باہمی اصلاح اور مال و خون کے جھگڑوں میں منصف بنانا ہی بہتر ہے آپ نے فرمایا تمہیں اپنے سوال کا تسلی بخش جواب مل گیا؟ انہوں نے کہا جی ہاں!

آپ نے فرمایا تمہارا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آپ نے قتال میں مالِ غنیمت کو حاصل کیا ہے اور نہ عورتوں کو لونڈیاں بنایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا تم اپنی ماں کو لونڈی بنا سکتے ہو اور اس سے وہ کام لے سکتے ہو جو تم دوسری عورتوں سے لے سکتے ہو؟ اگر تم اثبات میں جواب دو تو یہ کفر ہے اور اگر تم انہیں ماں تسلیم کرنے سے انکار کر دو تو بھی کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (احزاب - ٦) — اور پیغمبر کی بیویاں ان (مومنوں) کی مائیں ہیں۔

تو کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں بالکل درست ہے!

آپ نے فرمایا تمہارا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ نے اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ مٹا دیا ہے؟ تو سنو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ لکھنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ لکھو "یہ محمد رسول اللہ کا فیصلہ ہے"، تو قریش نے کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ تسلیم کرتے تو بیت اللہ سے کیوں روکتے اور لڑائی کیوں کرتے لہذا آپ محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھیں۔ آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دیں۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا "واللہ میں تو آپ کا اسم گرامی ہرگز نہیں مٹاؤں گا" آپ نے فرمایا اچھا مجھے دکھاؤ، جب حضرت علیؓ نے آپ کو تحریر دکھائی تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے مٹا دیا تو بخدا! رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تو بہر صورت حضرت علیؓ سے افضل واعلیٰ تھے لہٰذا اگر مصلحت کے تحت حضرت علیؓ نے اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ مٹا دیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس انداز سے سمجھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ چار ہزار خارجیوں نے رجوع کر لیا لیکن باقی خارجی بدستور بغاوت پر ڈٹے رہے تو حضرت علیؓ نے بھی ان کے خلاف زبردست جہاد کیا اور میدان جنگ میں ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد آپ نے ایک پستان والے شخص کو تلاش کرنے کا حکم دیا، جب وہ خارجیوں کی جماعت میں پایا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدۂ شکر ادا فرمایا۔

اسی سال خباب بن ارتؓ، خزیمہؓ ذوالشہادتین، سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح نے وفات پائی۔ رضی اللہ عنہم

سنہ ۳۸ھ کے واقعات

اس سال محمد بن ابی بکرؓ کو قتل کیا گیا اور سہل بن حنیفؓ اور صہیب رومیؓ نے وفات پائی۔

سنہ ۴۰ھ کے واقعات[1]

اس سال حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی طرف لکھا کہ "اگر آپ پسند فرمائیں تو عراق پر حکومت کریں اور شام پر میں حکومت کرتا ہوں، تلواروں کو ہم نیام میں کر لیتے ہیں اور مسلمانوں کا خون بہانے سے رک جاتے ہیں"؛ چنانچہ دونوں کا اس پر اتفاق ہو گیا۔ رضی اللہ عنہما۔

اسی سال ۱۷ رمضان المبارک کی صبح کی نماز کے وقت ابن ملجم خارجی نے آپ کو شہید کر دیا اور لوگوں نے آپ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ آپ سات ماہ تک خلیفہ رہے اور پھر آپ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس گئے، آپ کے ہمراہ آپ کا لشکر بھی تھا، حضرت امیر معاویہؓ بھی اپنے لشکر کے ہمراہ تھے۔ آپ نے دونوں لشکروں کو دیکھا تو معلوم کر لیا کہ ان میں سے کسی ایک کو اس وقت تک غلبہ نصیب نہ ہوگا جب تک دوسری جماعت میں سے اکثریت میدان جنگ کی نذر نہیں ہو جاتی؛ چنانچہ

---

[1] سنہ ۳۹ھ کے واقعات بیان نہیں کیے گئے۔

آپ نے چند شرائط پر صلح کر کے حکومت حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دی اور آپ نے خود بھی ان کی بیعت کر لی۔ حضرت معاویہؓ نے آپ کی تمام شرائط کو نہ صرف پورا کر دیا بلکہ اور بھی بہت کچھ دے دیا اور اس طرح آپ اس ارشاد نبوی کے مصداق بن گئے، جس کا ذکر صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔	میرا یہ بیٹا سردار ہے شاید ان کی بدولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین صلح کرا دے۔

اسی طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے خارجیوں کے بارے میں فرمایا تھا۔

"وہ لوگوں کے اختلافات کے وقت رونما ہوں گے اور ان سے وہ جماعت جہاد کرے گی، جو حق کے زیادہ قریب ہو گی۔"

اسی طرح آپ کی بے شمار احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ نے فتنہ کے دور میں قتال سے منع فرمایا جیسا کہ آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فتنوں کے وقوع پذیر ہونے کی خبر دی تھی اور ان سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی۔

ان مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ اور ان اکثر صحابہ کرامؓ کا موقف مبنی بر صواب تھا جو دونوں جماعتوں سے الگ تھلگ اور دامن کشاں رہے۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور آپ کے رفقاء، حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء کی نسبت حق کے زیادہ قریب تھے اور دونوں جماعتیں صاحب ایمان تھیں البتہ اہل نہروان ایمان سے خارج ہو گئے تھے۔ حضرت حسن بن علیؓ کا طرز عمل آپ کے والد ماجد حضرت علیؓ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی واجب یا مستحب کے ترک پر تعریف نہ فرماتے۔

اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مشاجرات کے بارہ میں سکوت اختیار کرنا چاہیے، ان کے بارہ میں زبان پر اچھی بات ہی لانی چاہیے، جو شخص حضرت معاویہؓ یا کسی دوسرے صحابی کے بارے میں زبان طعن دراز کرے وہ اجماع سے خارج ہو جاتا ہے واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

ایک امام پر اتفاق کر لینے کے باعث اس سال کو عام الجماعہ کہا جاتا ہے۔ اختلاف و انتشار کے بعد یہ اتفاق ربیع الاول ۴۱ھ میں ہوا تھا اور پوری قوم نے حضرت معاویہؓ پر اتفاق کر لیا تھا۔ اسی دن سے آپ کو امیر المؤمنین کہا جانے لگا۔ صلح کے بعد حضرت حسن بن علیؓ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

سنہ ۴۲ھ اس سال والی مصر حضرت عمرو بن عاصؓ نے وفات پائی۔

سنہ ۴۳ھ حضرت عبداللہ بن سلامؓ فوت ہوئے۔

سنہ ۴۴ھ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔

سنہ ۴۵ھ ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ عازم فردوس ہوئے۔

سنہ ۴۶ھ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے انتقال فرمایا۔

سنہ ۴۷ھ حضرت قیس بن عاصمؓ اللہ کو پیارے ہوئے۔

سنہ ۴۹ھ اس سال یزید بن معاویہ بن ابی سفیانؓ نے روم میں لڑائی کی حتیٰ کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ اور ابوایوب انصاریؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اسی سال حضرت حسن بن علیؓ، ام المؤمنین جویریہ بنت

حارثؓ، ام المومنین صفیہ بنت حیؓ، جبیر بن مطعمؓ، حسان بن ثابتؓ، دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ، کعب بن مالکؓ، عمرو بن امیہ ضمریؓ، عقیل بن ابی طالبؓ، عتبان بن مالکؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ راگمرائے ملک جاوداں ہوئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

سنہ ۵۱ھ اس سال حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ اور جریر بن عبداللہ بجلیؓ، اللہ کو پیارے ہوئے۔

سنہ ۵۲ھ اس سال حضرت ابوایوب زید بن خالد انصاریؓ جہاد کرتے ہوئے فوت ہوئے اور قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیے گئے۔ عیسائی آپ کی قبر کے پاس آکر بارش مانگا کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو عیسائیوں کے عقائد سے بری الذمہ کر دیا۔ قسطنطنیہ ہی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمران بن حصین نے وفات پائی رضی اللہ عنہما۔

سنہ ۵۳ھ اس سال حضرت صعصعہ بن ناجیہ صحابی نے وفات پائی، جن کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں زندہ درگور کی گئی چارصد لڑکیوں کو (باذن اللہ) زندہ کر دیا تھا۔ زیاد بن سمیہ نے بھی اسی سال انتقال کیا۔

سنہ ۵۴ھ اس سال ام المومنین سودہ بنت زمعہ، ابوقتادہ انصاری اور حکیم بن حزام نے وفات پائی۔ رضی اللہ عنہم۔

سنہ ۵۵ھ اس سال سعد بن مالکؓ اور ارقم بن ارقمؓ — ابتدا اسلام میں جن کے گھر سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر دعوت اسلام دیا کرتے تھے۔ اور سحبان بن وائلؓ — جو کہ فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل ہیں — نے وفات پائی۔

سنہ ۵۶ھ اس سال حضرت معاویہؓ نے لوگوں کو اپنے بیٹے یزید کی بیعت کی دعوت دی۔

سنہ ۵۷ھ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔

سنہ ۵۸ھ اس سال حضرت سعید بن عاصؓ — یکے از اجوادِ سبعہ —

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ــــ یکے از اجواد بعد ــــ نے وفات پائی۔

سنہ ۶۰ھ اس سال حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے وفات پائی۔ یہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سنہ ۵۹ھ سے ایک سال قبل اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے۔

"اے اللہ! میں سنہ ۶۰ھ اور بچوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں"۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا جس سے اسلامی تاریخ کا دوسرا بڑا فتنہ رونما ہوا، جو کہ کئی برس تک جاری رہا حتی کہ لوگوں نے عبدالملک بن مروان پر اتفاق کر لیا۔

یزید کے ایام حکومت میں پہلا جو واقعہ ہوا وہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ میں حضرت حسینؓ اور آپ کے اہل بیت کی شہادت کا واقعہ ہے، اس کے بعد مدینہ منورہ میں حرہ کا عظیم واقعہ پیش آیا، جس میں تین دن تک اہل مدینہ کا مقدس خون بہایا جاتا رہا اور پھر یزیدی فوجوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے لڑائی کے لیے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر محاصرہ کر لیا۔ ابھی محاصرہ جاری ہی تھا کہ یزید کی وفات کی خبر پہنچی گئی۔ یزید کی وفات کے بعد لوگ زبردست انتشار و افتراق کا شکار ہو گئے۔ حتیٰ کہ بقول شاعر کیفیت یہ تھی۔

وتشعبوا شعبا بکل جزیرۃ
فیھا امیر المؤمنین ومنبر

مروان تو شام ہی میں رہا البتہ مشہور غارت گر اور مفسد مختار بن ابی عبید ثقفی نے عراق میں اور نجدہ بن عویمر نے یمامہ میں خروج کیا۔

اس دور میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مکہ مکرمہ میں امیر المومنین کے نام سے مشہور تھے اور اکثر لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی۔

مروان کی وفات کے بعد سنہ ۶۵ھ میں اس کا بیٹا عبدالملک حکمران بنا اور جب وہ

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ لڑائی کے در پے ہوا تو پھر وہ کچھ ہوا جس کا ذکر انتہائی طوالت کا موجب ہو گا۔ مختصر یہ کہ اس نے حضرت ابن زبیرؓ سے لڑائی کے لیے حجاج بن یوسف ثقفی کے زیر قیادت ایک لشکر مکہ بھیجا، جس نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر دیا۔

آپ کی شہادت کے بعد لوگوں نے عبدالملک بن مروان پر اتفاق کر لیا جو کہ ۸۶ھ تک برسر اقتدار رہا۔ اور فوت ہوتے وقت اپنے بیٹے ولید کو خلیفہ متعین کر گیا جو کہ سات سال اور کچھ ماہ تک برسر اقتدار رہا۔ اسی کے دورِ خلافت میں حضرت انس بن مالکؓ اور حجاج بن یوسف نے وفات پائی۔

ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک برسر اقتدار آیا جو کہ دو سال اور چند ماہ تک رہا اور پھر اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا، لوگوں نے صفر ۹۹ھ میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ آپ نے خلفائے راشدین کے نقش قدم کو اپنایا، سنتوں کو زندہ کیا، بدعتوں کو زندہ درگور اور نہایت رشد و ہدایت کے ساتھ دو سال اور چند ماہ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز رہے حتی کہ رجب ۱۰۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ آپ کے صاحبزادے عبدالملک جو کہ آپ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے، آپ کے دورِ خلافت ہی میں وفات پا گئے تھے۔

آپ کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ بنے جو کہ چار سال اور ایک ماہ کے بعد ۱۰۵ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ یزید کے بعد اس کے بھائی ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنے جو کہ انیس برس اور کچھ ماہ تک مسندِ خلافت پر فائز رہے۔ آپ ہی کے عہدِ خلافت میں جعد بن درہم نے ظہور کیا، اسی نے سب سے پہلے خلق قرآن کا عقیدہ پیش کیا اور دمشق میں اس عقیدہ کو پھیلانا شروع کر دیا۔ بنو امیہ نے اُسے طلب کیا تو یہ کوفہ کی طرف بھاگ گیا۔ جب وہاں اس نے اس قسم کے عقیدہ کا اظہار کیا تو خالد بن عبداللہ القسری نے اسے گرفتار کر کے عیدالاضحیٰ کے دن ۱۲۴ھ میں قتل کر دیا

اور قتل سے قبل یہ خطبہ دیا۔

"اے لوگو! قربانی کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں کو شرف قبولیت سے نوازے میں تو آج جعد بن درہم کی قربانی کروں گا۔ کیونکہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل نہیں بنایا تھا اور نہ حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تھا، جعد جو کچھ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہت ارفع و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے"۔

پھر منبر سے اترے اور اسی جگہ منبر کے پاس ہی جعد کو ذبح کر دیا۔ ہشام بن عبدالملک نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی۔

ہشام کے بعد اس کا برادر زادہ ولید بن یزید بن عبدالملک خلیفہ منتخب ہوا اور کم و بیش ایک سال کے بعد ۱۲۶ھ میں قتل ہو گیا۔ ولید کے قتل کے بعد اس کا برادر عم زاد یزید بن ولید بن عبدالملک مسند خلافت پر متمکن ہوا اور صرف پانچ ماہ بعد ذوالقعدہ یا ذوالحجہ کے ابتداء میں ۱۲۶ھ میں وفات پا گیا۔

یزید کی وفات کے بعد خلافت تامہ کا شیرازہ منتشر ہو گیا حتیٰ کہ پوری ملت اسلامیہ آج تک کسی ایک امام پر متفق نہ ہو سکی، یزید ان بارہ خلفاء میں سے آخری تھا، جن کا ذکر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحیح حدیث میں ہے کہ:۔

لا يزال امر هذه الامة عزيزا ينصرون على من ناوأهم الى اثنى عشر خليفة كلهم من قريش ۔	بارہ خلفاء تک جو سب کے سب قریش سے ہوں گے، یہ امت غالب و برتر رہے گی اور دشمن پر انہیں غلبہ حاصل رہے گا۔

صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان هذا الامر لا ينقضي حتى يمضي فيهم اثنى عشر خليفة ۔	بارہ خلفاء کے دور تک امر دین کم نہ ہو گا۔

مسند بزار کی روایت ہے۔

لایزال أمر امتی قائما حتی یمضی اثنا عشر خلیفۃ۔ — امر امت بارہ خلفاء کے عہد تک مستحکم رہے گا۔

ایک اور روایت میں ہے۔

لا یزال الاسلام عزیزاً منیعاً إلی اثنی عشر خلیفۃ۔ — بارہ خلفاء کے دور تک اسلام غالب اور پر شکوہ رہے گا۔

سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "پھر کیا ہو گا"؟ آپ نے فرمایا فتنہ و فساد رونما ہو گا۔ یزید کی وفات کے بعد خلافت کا مطالبہ اس کے بھائی ابراہیم نے کیا لیکن اس کے لیے امر خلافت مستحکم نہ ہو سکا اور مروان بن محمد بن مروان، جسے مروان حمار کہا جاتا ہے۔ خلافت کا مدعی بنا اور بعض لوگوں نے صفر ۱۲۷ھ میں اس کی بیعت کر لی۔ مروان لڑائی جھگڑوں ہی میں رہا حتی کہ اتوار کے دن ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۲ھ میں ابی صیر کے کنیسہ میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی کل مدت خلافت پانچ سال، دس ماہ اور دس دن ہے۔ یہ بنوامیہ کے آخری خلیفہ تھے۔

سلطنت عباسیہ بنوامیہ کے بعد بنوعباس کی حکومت قائم ہوئی، اسی دور میں گویا تیسرا فتنہ رونما ہوا جو آج تک برقرار ہے۔ بنوعباس میں سے پہلا خلیفہ سفاح تھا، جس کا پورا نام عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ تھا۔ چھ سال حکومت کرنے کے بعد یہ وفات پا گئے اور اپنے بھائی منصور کو اپنا جانشین مقرر کر گئے۔ منصور نے بائیس برس حکومت کی اور وفات کے وقت اپنے بیٹے مہدی کو خلیفہ بنا دیا، مہدی دس سال حکومت کرنے کے بعد راہی عدم ہوا۔

مہدی کے بعد اس کا بیٹا موسیٰ جو کہ ہادی کے نام سے معروف ہے حکمران بنا لیکن ایک سال ایک ماہ بعد ہی چل بسا اور پھر اس کا بھائی ہارون الرشید مسندِ خلافت پر فائز ہوا، جس نے بیس برس تک برسراقتدار رہنے کے بعد سفرِ آخرت اختیار کیا۔

ہارون الرشید کے بعد اس کا بیٹا امین ــــ جو کہ زبیدہ بنت جعفر بن منصور کے

بطن سے تھا ـــــــ خلیفہ بنا جسے تین سال بعد اس کے بھائی مامون کے لشکر نے قتل کر دیا۔

امین کے بعد مامون آیا جس نے عقائد کے اعتبار سے مسلمانوں میں کئی فتنے بپا کیے، اسی کے عہد میں فلسفہ کی یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا، اسی نے خلق قرآن کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور لوگوں کو بھی زبردستی قائل کرنا چاہا، اسی ضمن میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر کئی ائمہ آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنائے گئے۔

تالیف کتب کا آغاز

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد خلافت میں، مدینہ منورہ حضرت ابوبکر بن حزمؒ کو لکھا کہ:

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعہ، فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو جمع کر لو کیونکہ مجھے علم کے ختم ہونے اور علماء کے رخصت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

منصور کے دور حکومت میں علماء نے کتب تفسیر و حدیث کو تصنیف فرمانا شروع کیا؛ چنانچہ ابن جریجؒ نے مکہ مکرمہ میں حضرت امام مالک بن انسؒ نے مدینہ منورہ میں، عمر اوزاعیؒ نے شام میں، حماد بن سلمہؒ نے بصرہ میں، سفیان ثوریؒ نے کوفہ میں اور معمر بن مثنیٰؒ نے یمن میں کتب کی تصنیف و تالیف کا کام کیا، امام محمد بن اسحاقؒ نے مغازی کو اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ نے رائے کو موضوع کتب بنایا۔ اس سے قبل ائمہ کرام اپنے حافظے پر اعتماد کیا کرتے تھے یا کتب اور صحائف تو تھے جن سے وہ علم روایت کیا کرتے تھے لیکن وہ مرتب اور مدون نہ تھے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ وسلم وبارک علی خاتم النبیین وسید المرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

تربیتِ نسواں

تصنیف: نعمت صدقی —◉— ترجمہ: محمد خالد سیف

عورت، اللہ ربِ ذوالجلال کی قدرت کا اس قدر حسین ترین شاہکار

کہ اُس نے

کائنات کی تمام تصوری اور نظری خوبصورتیوں

کو اس کے روپ میں یکجا کر دیا ہے۔

○ — مگر سوال یہ ہے کہ اسے شمعِ محفل ہونا چاہیے یا چراغِ خانہ ؟

مصر کی فاضلہ اور نامور مصنفہ:

نعمت صدقی

نے اس قدر سحر آفریں انداز میں اس کا جواب رقم کیا ہے کہ

تربیتِ نسواں

عورت کے تقدس، عظمت، حیثیت اور حقوق و فرائض کے موضوع پر ایک زندۂ جاوید کتاب کی حیثیت اختیار کر گئی ہے

❋ یہ ایک نہایت دلکش کتاب ہے جس کے عربی میں سینکڑوں ایڈیشن اور اردو میں تیس ہزار سے زیادہ طبع ہو چکی ہے۔

تربیتِ نسواں

اس قدر رعنائی و زیبائی کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ہے کہ آپ اسے بلا تکلف تحفہ دے سکتے ہیں

طارق اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۸۳۸، فیصل آباد